بسم الله الرحمن الرحيم

فقہ حنفی میں مزارعت و مساقات
برصغیر پاک و ہند کے تناظر میں

مقالہ برائے پی۔ ایچ۔ ڈی

مقالہ نگار

مسز فرخندہ توقیر

لیکچرار حمایت اسلام ڈگری کالج
گارڈن ٹاؤن۔ لاہور

نگران تحقیق

ڈاکٹر ثمر فاطمہ صاحبہ

پروفیسر ادارہ علوم اسلامیہ
پنجاب یونیورسٹی لاہور

UNIVERSITY OF THE PANJAB

ادارہ علوم اسلامیہ

شیخ زاید اسلامک سنٹر

قائداعظم کیمپس پنجاب یونیورسٹی لاہور

افغیر دین اللّٰہ یبغون ولہ اسلم من فی السّمٰوات والارض طوعاً وّ کرھاً وّ الیہ یرجعون۔

(القرآن الحکیم، آل عمران: ۸۳)

"کیا یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اس نظام کے ماسواء جو خدا نے مقرر کیا ہے کوئی دوسرا راستہ اختیار کریں۔ حالانکہ تمام کائنات کی ہر شے جو بلندیوں اور پستیوں میں ہے اسی نظام کے گرد گھومتی ہے اور خوشی سے یا زبردستی سب کو اسی کی طرف رجوع کرنا ہے۔"

انتساب

میں اپنی اس علمی کاوش کو اپنے شوہر توقیر رحمت اعوان اور دونوں بچوں اسامہ توقیر اور عکرمہ توقیر کے نام منسوب کرتی ہوں جن کے تعاون سے میرا مقالہ پایہ تکمیل کو پہنچا۔ کیونکہ اس تحقیق کے دوران میں نے انہیں جتنا نظرانداز کیا ہے اسے برداشت کرنا ان کا ہی حوصلہ تھا۔ باوجود اس کے میرے شوہر نے ہر مرحلے پر میرا ساتھ دیا اور کام کرنے کا حوصلہ بڑھایا۔ کتب خانوں تک لے جانا' کتب گھر منگوا دینا' اساتذہ سے راہنمائی کے لیے لے جانا پھر مالی تعاون یہ سب وہ احسانات ہیں جنہیں میں کبھی فراموش نہیں کر سکوں گی۔ خدائے بزرگ و برتر سے ان سب کی لمبی عمر' صحت اور دینی و دنیاوی ترقی کی دعا کرتی ہوں۔ خدا تعالی انہیں اپنی برکات سے نوازے (آمین)

فہرست عنوانات

○ ☆ ○

پیش لفظ

مزارعت و مساقات اسلامی فقہ بالخصوص فقہ حنفی میں ایک اہم موضوع بحث ہے۔ نقادوں کے نزدیک یہ موضوع فقہاء کی تخلیقی سرگرمیوں اور معاشرتی و معاشی حقائق کا ایک قابل قدر امتزاج ہے لیکن اس کے باوجود مزارعت و مساقات پر مزید غور و فکر کی ضرورت محسوس کی جاتی رہی ہے۔ بقول ڈاکٹر ضیاء الحق:

"The solutions to the complex problem of Muzāra'a and the related issues are evidently incomplete because of the paucity of documentary evidence and because what evidence is available is too sketchy to allow conclusive inferences. The incomplete and obstract nature of the hypotheses in an acknowledgement of the fact that our knowledge of the economic and legal history of Muzāra'a is uncertain and prove to guesses and conjectures...."

(Zia-ul-Haq: Landlord & Peasant in Early Islam, P-5)

مزارعت و مساقات پر مواد کی کمی کے ساتھ ساتھ ایک اور مسئلہ یہ تھا کہ مزارعت کے متعلق کوئی عمومی نظریہ قائم کرنے سے پیشتر عالم اسلام کی معاشی تاریخ کو قلمبند کرنا بھی ضروری تھا۔ اس سلسلے میں مختلف خطوں اور علاقوں کی کیس سٹڈیز پر کام کرنا عالم اسلام کی معاشی تاریخ قلمبند کرنے کی طرف پہلا قدم تھا۔ گویا مزارعت و مساقات کا مطالعہ شریعت، معاشیات اور تاریخ کی سرحدوں کا احاطہ کرتا تھا۔

مزارعت و مساقات کا مطالعہ برصغیر پاک و ہند کے تناظر میں اس لیے ضروری تھا کہ یہ خطہ اپنے مخصوص مذہبی ثنویت، رسوم و رواج کی کثیر الجہتی تقسیم کی بنا پر باقی تمام علاقوں سے ایک علیحدہ اور مخصوص حیثیت رکھتا ہے۔ فقہ حنفی کی نظری اور عملی تطبیق اس علاقے میں بعض ایسے مسائل اور مشکلات پیش کرتی تھیں جو دوسرے علاقوں میں ناپید تھیں۔

میں شکرگزار ہوں کہ اس کمی کو محسوس کرتے ہوئے اس موضوع پر پنجاب یونیورسٹی بورڈ آف ایڈوانس سٹڈیز نے مجھے مقالہ برائے پی۔ ایچ۔ ڈی لکھنے کی اجازت دی۔ اس کام کو مکمل کرنے میں میری راہنمائے تحقیق محترمہ پروفیسر ڈاکٹر ثمر فاطمہ صاحبہ کا تعاون ہر مرحلے پر میرے ساتھ رہا ہے۔ انہوں نے جس محنت شاقہ، ہمدردی و محبت سے مجھے کام کروایا ہے یہ ان کی خصوصیت ہے اور میری خوش قسمتی کہ مجھے ان کا سایہ میسر آیا۔

اس کے ساتھ ساتھ مجھے شعبہ علوم اسلامیہ کی جن دو محترم شخصیات کا ہمیشہ تعلیمی تعاون میسر رہا ہے وہ ہیں پروفیسر ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی صاحب اور چیئرپرسن شعبہ علوم اسلامیہ ڈاکٹر جمیلہ شوکت صاحبہ۔ تحقیق کے دوران ان اساتذہ کرام کی وسعت علمی، بالغ نظری اور شفقت میرے شامل حال رہی۔

گورنمنٹ اسلامیہ کالج آف کامرس کے شعبہ معاشیات کے پروفیسر منظور الرحمٰن احمد صاحب نے مقالہ زیر نظر کے مختلف

معاشی پہلوؤں سے متعلق بحث و تمحیص کے لیے جو وقت میرے لیے مختص کیا اس کے لیے میں ان کی شکر گزار ہوں۔

ان کے علاوہ میں اپنے والدین کی ممنون ہوں جن کی دعائیں اور شفقت میرا سرمایہ حیات ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان سب قابل صد احترام ہستیوں پر رحمت کے دروازے کھولے۔ ان سب کی عمر، صحت، علم و فضل میں اضافہ کرے اور مراتب دینی و دنیوی کو بلند کرے۔ میں ان سب اشخاص کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری سمجھتی ہوں جنہوں نے مقالہ کو آخری شکل دینے میں بھرپور تعاون کیا ان میں اہم پنجاب یونیورسٹی مین لائبریری کے چیف لائبریرین سید جمیل شاہ صاحب ہیں جنہوں نے قلمی فتاوٰی اور دیگر اہم کتب فراہم کیں جن کی وجہ سے میں برصغیر پر تحقیق مکمل کر سکی۔ شعبہ علوم اسلامیہ کے لائبریرین اسلم صاحب اور رشید بھائی نے بھی خاص مہربانی کی اور موضوع زیر تحقیق پر مواد تلاش کرنے میں مدد کی۔ جناح لائبریری کے ریسرچ آفیسر عبدالرحمٰن بخاری صاحب و دیگر ملازمین نے بھی کتب کی فراہمی میں قابل قدر تعاون کیا۔ حمایت اسلام خواتین کالج گارڈن ٹاؤن کی لائبریرین مسز علی صاحبہ نے بھی لائبریری سے استفادہ میں بے حد مدد دی۔ مقالہ کو حتمی شکل دینے میں میرا انٹرپرائیزز، انار کلی لاہور کے کمپوزر محمد شبیر اختر صاحب نے انتہائی جدوجہد کے ساتھ کام کیا اور وقت کی قلت کے سبب شب و روز لگا کر مقالہ کو کتابی شکل دی۔

اس مقالہ میں جو بھی خامی رہ گئی ہے میری جانب سے ہے جو بھی خوبی ہے وہ سراسر میری راہنمائے تحقیق اور دیگر اساتذہ کا حصہ ہے۔

رب العزت کے حضور یہ استدعا ہے کہ وہ میری اس ادنیٰ کوشش کو قبول فرمائے اور مجھے قول و فعل کے تضاد سے پناہ دے، صدق و راستی سے بہرہ ور فرمائے اور دین اسلام کے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

حصّہ اوّل

باب اول : فقہ حنفی ---------- تعارف و تاریخ

فصل I بانی فقہ حنفی نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان امام ابو حنیفہؒ کا تعارف

نام و نسب، ولادت اور وفات

تحصیل علم کلام اور امام ابو حنیفہؒ کی رائے

تحصیل علم فقہ اور امام ابو حنیفہؒ کی رائے

تحصیل علم حدیث اور مسند درس و افتاء کا قیام

سرکاری عہدہ کی پیش کش

قیام مکہ معظمہ اور کوفہ واپسی

عباسی دور حکومت اور امام ابو حنیفہؒ پر مظالم

امام ابو حنیفہؒ اور تدوین فقہ

امام ابو حنیفہؒ کی تالیفات و تصنیفات

امام ابو حنیفہؒ کے تلامذہ

فصل II فقہ حنفی کا تاریخی ارتقاء

دوسری صدی ہجری سے تیسری صدی ہجری تک

چوتھی صدی ہجری سے ساتویں صدی ہجری تک

آٹھویں صدی ہجری سے دسویں صدی ہجری تک

برصغیر پاک و ہند میں تاریخ فقہ حنفی

باب اول: فقہ حنفی ------ تعارف و تاریخ

فصل I بانی فقہ حنفی نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان امام ابو حنیفہؒ کا تعارف

نام و نسب، ولدیت اور وفات

امام ابو حنیفہؒ کے تذکرہ نگار اتفاق کرتے ہیں کہ آپ کا اسم گرامی نعمان ہے کنیت ابو حنیفہ ہے جو کہ حقیقی نہیں بلکہ وصفی ہے۔ یعنی "ابا الملۃ الحنفیہ" انہوں نے یہ نسبت قرآن کریم کی اس آیہ سے لی ہے فاتبعوا ملۃ ابراہیم حنیفا ○ (القرآن الکریم آل عمران : ۹۵) امام ابو حنیفہ کا لقب اعظم ہے۔

جمہور محققین کا اتفاق ہے امام ابو حنیفہؒ ۸۰ ھ مطابق ۶۹۹ء عراق کے شہر کوفہ میں پیدا ہوئے یہ اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان کا عہد حکومت تھا۔ امام ابو حنیفہ کے عجمی النسل ہونے پر بھی جمہور محققین متفق ہیں۔(۱)

خطیب بغدادی مورخ، امام ابو حنیفہ کے پوتے اسمٰعیل بن حماد کی زبانی ان کی نسل کے بارے لکھتے ہیں

"میں اسمٰعیل بن حماد بن نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان ہوں ہم لوگ نسل فارس سے ہیں اور کبھی کسی کی غلامی میں نہیں رہے۔"(۲)

جمہور محققین امام ابو حنیفہؒ کی مذکورہ تاریخ ولادت کو لے کر حالات و قرائن کی روشنی میں اس بات پر متفق ہیں کہ امام صاحب نے ۱۵۰ھ مطابق ۷۶۷ء وفات پائی یہ عباسی خلیفہ ابو جعفر المنصور کا عہد حکومت تھا۔ خلیفہ کے حکم سے آپ قید ہوئے عہدہ قضاۃ قبول نہ کرنے اور نظری اختلافات کی وجہ سے خلیفہ ابو جعفر المنصور نے آپ کو زہر پلوا کر مروا دیا۔

تحصیل علم کلام اور امام ابو حنیفہؒ کی رائے

جب امام ابو حنیفہ سن شعور کو پہنچے تو عالم اسلام پر اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان اور ولید اول بن عبدالملک جیسے جابر حکمرانوں کا تسلط تھا۔ ان کے نامزد گورنر حجاج بن یوسف نے عراق میں لرزہ خیز مظالم روا رکھے ہوئے تھے۔ ان حالات میں علماء صلحاء اور مقتدائے ملت کنارہ کش ہو گئے۔ جو چند میدان عمل میں تھے ان کے منہ میں ظالم حکمرانوں کی زبان تھی امت مسلمہ علمی و مذہبی انحطاط کا شکار تھی۔(۳)

امام ابو حنیفہؒ نے مذکورہ سیاسی و معاشرتی حالات میں علم کلام سیکھنا شروع کیا اس کی وجہ شبلی نعمانی ان الفاظ میں بتاتے ہیں

"اس وقت تک علم جس چیز کا نام تھا وہ ادب، نسب، ایام العرب، فقہ، حدیث اور کلام تھا اس لیے امام ابو حنیفہؒ نے اسی علم کلام میں کمال حاصل کیا۔ یہی علم کلام زمانہ مابعد میں مدون اور مرتب ہو کر اکتسابی علوم میں داخل ہوا جبکہ امام ابو حنیفہؒ کے دور میں اس کی تحصیل کیلئے صرف قدرتی ذہانت اور مذہبی معلومات درکار تھیں۔"(۴)

مسلمانوں کے اکثر فرقے مثلاً اباضیہ، صفریہ، حشویہ بصرہ میں آباد تھے وہیں پر امام ابو حنیفہؒ زیادہ تر بحث و مناظروں میں حصہ لیتے تھے۔

شبلی نعمانی، یحییٰ بن شیبان کی ایک روایت بیان کرتے ہیں کہ

"میں (امام ابو حنیفہ) ایک زمانے تک اس علم میں مشغول رہا اور ایک مدت تک اس قسم کے لوگوں سے مناظرے کیے حتی کہ بیں دفعہ بصرہ جانے کا اتفاق ہوا وہاں کبھی سال بھر اور کبھی کم قیام کیا۔"(۵)

اس اقتباس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ ولید بن عبدالملک اموی کی وفات ۷۱۳ء / ۹۶ھ کے بعد علمی مجالس کو فروغ ہوا۔ علماء گوشہ نشینی سے باہر آئے غرض امام ابو حنیفہ نے ۷۱۳ء / ۹۶ھ لغایتہ ۷۱۹ء / ۱۰۱ھ تقریباً چھ سال علم کلام پر صرف کیے اور آخر امام صاحبؒ نے علم کلام سے اکتاہٹ کا اظہار کیا۔(۶)

امام ابو حنیفہؒ کی علم کلام پر رائے کا اندازہ شبلی نعمانی صاحب کے اس حوالے سے ہوتا ہے جو عقود الجمان کے باب سادس سے لیا گیا ہے

"آغاز عمر میں، میں اس علم کو سب سے افضل جانتا تھا کیونکہ مجھے یقین تھا کہ عقیدہ و مذہب کی بنیاد انہی باتوں پر ہے لیکن پھر خیال آیا کہ صحابہ کبارؓ ان بحثوں سے ہمیشہ الگ رہے حالانکہ ان باتوں کی حقیقت ان سے زیادہ کون سمجھ سکتا ہے۔ ان کی توجہ فقہی مسائل پر تھی جن کی تعلیم وہ دوسروں کو دیتے تھے، ساتھ ہی خیال گزرا کہ جو لوگ علم کلام میں مصروف ہیں ان کا طرز عمل کیا ہے۔ اسی خیال سے بے دلی ہوئی کیونکہ ان لوگوں میں وہ اخلاقی پاکیزگی اور روحانی اوصاف نہ تھے جو بزرگان سلف کا تمغائے امتیاز تھا۔" (۷)

غرض امام صاحب کی نوجوان حساس طبیعت عمر بن عبدالعزیز کے اصلاحی پیغام سے متاثر ہوئی اور دیگر واقعات کی بدولت تعلیمی رجحان بدلا تب آپ نے اپنے دماغ سے تمام جمع شدہ کلامی مباحث نکال پھینکے۔

امام ابو حنیفہؒ مزید فرماتے ہیں

"جب میں نے اہل کلام کے اس حال کا اندازہ کیا جسؒمیں نے ذکر کیا ہے تو یہ جھگڑے رگڑے میں نے ترک کر دیے اور کلام کے مسائل میں غور و فکر کرنے سے الگ ہو گیا۔ اور سلف کے طریقے پر واپس ہو گیا۔ اور اسی راہ کو اختیار کیا اس طرح تحصیل علم کے ابتدائی تقریباً چھ سال امام ابو حنیفہؒ نے علم کلام کی نذر کر دیے۔" (۸)

الغرض اندازہ ہوا کہ عمر بن عبدالعزیز اور امام ابو حنیفہ ہی خصوصاً اس دور کی وہ دو شخصیات ہیں جنہوں نے معاشرتی و معاشی و سیاسی گراوٹ کو محسوس کیا اور حالات بدلنے کی کوشش کی لیکن بدقسمتی سے عمر بن عبدالعزیز قلیل دور حکومت تقریباً دو سال یعنی ۹۹ھ / ۱۰۱ھ مطابق ۷۱۷ء / ۷۱۹ء میں اپنی کسی خواہش کو پایہ تکمیل تک نہ پہنچا سکے کیونکہ ان سے پہلے اور بعد کے تمام اموی حکمران، ملوک اور بادشاہ تھے۔ امام ابو حنیفہؒ جیسے فقہاء ان کو گوارا نہ تھے اس لیے علماء فقہاء کی کوئی وقعت نہ رہ گئی تھی حتی کہ بعد میں ان کے تمام شاگرد اسی ماحول میں رچ بس گئے۔ اعلیٰ عہدے حاصل کیے لیکن امام ابو حنیفہ نے زہر پی کر جان تو دی لیکن اس نظام کا حصہ نہ بنے، جو ظلم و تعدی کا آلہ تھا معاشی، معاشرتی، سیاسی اور اخلاقی پہلو سے۔

تحصیل علم فقہ اور امام ابو حنیفہؒ کی رائے

آہستہ آہستہ امام ابو حنیفہ کی توجہ فقہی مسائل کی طرف زیادہ ہونے لگی کیونکہ عمر اور تجربہ بڑھ چکا تھا پھر امام صاحب نے علم فقہ کو دین و دنیا کی حاجتوں سے وابستہ پایا۔ علم فقہ سیکھنے کے لیے آپ نے امام حمادؒ کی شاگردی اختیار کی۔ جو کوفہ کے مشہور امام اور استاد تھے انہوں نے انسؓ سے احادیث سنیں۔ اس وقت کوفہ میں انہی کا مدرسہ مرجع عام تھا۔

امام صاحب نے ۷۲۰ء / ۱۰۲ھ لغایتہ ۷۳۸ء / ۱۲۰ھ یعنی اٹھارہ سال علم فقہ کی تحصیل میں صرف کیے اتنا عرصہ امام صاحب امام حمادؒ کی شاگردی میں نہایت دلجمعی اور توجہ سے علم حاصل کرتے رہے آخر کوفہ میں فقہی حیثیت سے جانے پہچانے جانے لگے۔ امام زفرؒ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام صاحب نے فرمایا تھا۔

> "میرے (امام ابو حنیفہؒ) دل میں خیال پیدا ہوا کہ میں کیوں نہ اپنا حلقہ درس علیحدہ قائم کر لوں؟ کیونکہ ان کے حلقہ درس میں مجھے دس سال ہو چکے تھے لیکن الگ حلقہ درس قائم کرنے میں استاد کا ادب مانع رہا کچھ عرصہ بعد امام حمادؒ کوفہ سے باہر گئے تو امام اعظم کو اپنا جانشین کر گئے امام حمادؒ کے پیچھے آپؒ مسائل فقہ میں گھرے رہے اور بہت سے مسائل کا جواب اجتہاد سے دیتے رہے جس پر استاد نے اعتراض نہ کیا۔" (۹)

تحصیل علم حدیث اور مسند درس و افتاء کا قیام

امام صاحب نے علم فقہ کے ساتھ علم حدیث کی طرف بھی توجہ دی اور امام حمادؒ کے علاوہ دیگر اصحاب علم سے رابطہ رکھا کیونکہ مسائل فقہ کی مجتہدانہ تحقیق جو امام صاحبؒ کو مطلوب تھی علم حدیث کی تحصیل کے بغیر ممکن نہ تھی۔ کوفہ کے تمام محدثین ان میں سے اکثر تابعین بھی تھے۔ امام صاحب کے استاد بنے مثلاً انسؓ بن مالک، سہیل بن سعدؓ، بو طفیل عامر بن واثلہؓ وغیرہ۔ ملا علی قاری نے طبقات الحنفیہ میں بیان کیا ہے جس کا حوالہ فقیر محمد جہلمی صاحب نے اپنی کتاب میں دیا ہے کہ

> "امام ابو حنیفہ کا بعض صحابہ کو دیکھنا بالتحقیق ثابت ہے جبکہ اختلاف اس میں ہے کہ انہوں نے صحابہ سے روایت کی ہے یا نہیں۔ چنانچہ یہ بات سند الانام شرح مسند الامام میں بخوبی ثابت ہے کہ وہ (امام ابو حنیفہ) تابعین اعلام میں سے ہیں۔" (۱۰)

مولانا حبیب الرحمٰن خان شیروانی صاحب نے ابن الندیم کے حوالے سے لکھا ہے

> "امام ابو حنیفہؒ کو تابعین میں شمار کیا گیا ہے۔" (۱۱)

تحصیل علم حدیث کے لیے امام صاحب نے کوفہ کے علاوہ بصرہ کا سفر بھی کیا وہاں امام حدیث قتادہؓ اور شعبہؒ تھے۔ پھر امام ابو حنیفہؒ نے مکہ معظمہ سے استاد عطاءؒ اور عکرمہؒ سے علم حدیث سیکھا۔

مدینہ منورہ سے امام صاحب نے فقہ و حدیث کے استاد سالمؒ، سلیمانؒ وغیرہ سے استفادہ کیا۔ امام حمادؒ کے انتقال ۷۳۸ء / ۱۲۰ھ کے بعد کوفہ کے اندر فقیہ خلا پر کرنے کے لیے سب اہل علم کی نگاہ امام ابو حنیفہ پر پڑی اور آپ کو مسند فقہ سنبھالنے کی دعوت دی گئی۔

سرکاری عہدہ کی پیش کش

علم الکلام، علم فقہ، علم حدیث کی تحصیل جو کہ ۲۵ سالہ تحریک تھی ۷۱۳ء / ۹۶ھ -- ۷۳۸ء / ۱۲۰ھ مکمل کرکے آپ پختہ عمر اور طویل تجربہ کے ساتھ معاشرہ کی خامیوں کو جانچنے کے خوب ماہر ہو چکے تھے لیکن اس مقام پر صرف تنہا آپ ہی تھے کوئی دوسرا ساتھی عمر بن عبدالعزیز کی طرح کا خلیفۃ النبیؐ نہیں تھا بلکہ صرف اور صرف وہ حکمران امت مسلمہ پر مسلط تھے جو ایران و روم کے حکمرانوں کے رنگ ڈھنگ میں ڈھل چکے تھے۔ اقربا پروری، نسلی تعصب، اخلاقی برائیاں اور حکمرانی کا خمار سرچڑھ کر بول رہا تھا۔ ایسے میں امام ابوحنیفہؒ کی ندائے حق سننے والا کوئی نہ تھا اس لیے انہیں سرکاری عہدہ کی پیش کش ہوئی کہ وہ بھی اس نظام کا حصہ بن کر عیش و عشرت کی زندگی گزاریں لیکن ایسی زندگی کو امام ابوحنیفہ نے ٹھکرا دیا جبکہ آپ اپنی علمی و اخلاقی خوبیوں کی بدولت عوام الناس میں مقبول ہوتے جا رہے تھے۔ یہ بات عباسی خلیفہ ابو جعفر المنصور کو منظور نہ تھی اس نے سرکاری عہدہ قاضی القضاۃ پیش کیا۔ اس عہدہ کے پیش کرنے میں جہاں مذکورہ وجوہات تھیں وہاں سیاسی لالچ بھی تھا۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ اس وقت خلافت اسلامیہ کو اندرونی سازشوں کی وجہ سے خطرہ لاحق تھا۔ جس سے مروان بن عبدالملک کی حکومت کی جڑیں کمزور ہو رہی تھیں۔ زیادہ تر فساد کا مرکز عراق اور کوفہ ہی تھے۔ اس وقت وہاں کا گورنر یزید بن عمر بن ہبیرہ تھا۔ اس نے عراق اور کوفہ کے حالات کا جائزہ لینے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اس ملک میں اور سب کچھ ہے سوائے مذہبی پرزوں کے اس لیے اس نے عراق کے تمام فقہا کو جن میں ابن ابی لیلیٰؒ، داؤد بن ہند بھی تھے بلا کر بڑی بڑی ملکی خدمتیں پیش کیں جو انہوں نے قبول کر لیں۔ اس پس منظر کی روشنی میں امام ابوحنیفہ کی علمی شخصیت اور عوام الناس میں مقبولیت کے پیش نظر قاضی القضاۃ کے عہدہ کے ساتھ افسر خزانہ بھی مقرر کرنا چاہا۔

امام ابوحنیفہؒ نے یہ دونوں عہدے ٹھکرا دیے۔ عباسی گورنر یزید بن عمر بن ہبیرہ نے قسم کھا کر کہا کہ جبراً منظور کرنا ہوگا جس کے جواب میں امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا

> "یزید بن عمر بن ہبیرہ کہے کہ مسجد کے دروازے گن دو تو مجھ کو گوارا نہیں کیا یہ کہ وہ کسی مسلمان کے قتل کا فرمان لکھے اور میں اس پر دستخط کروں" (بحوالہ عقود الجمان باب سبت و کیم ص ۱۲)

یزید بن عمر بن ہبیرہ نے جواباً حکم دیا کہ امام صاحب کو روز دس درے لگائے جائیں۔ اس حکم کی تعمیل بھی ہوتی رہی لیکن امام ابوحنیفہؒ نہ مانے آخر مجبور ہو کر گورنر نے ان کو آزاد کر دیا یہ ظالمانہ برتاؤ امام صاحب سے ۷۵۳ء / ۱۳۵ھ میں کیا گیا۔ آزاد ہونے کے بعد آپ مکہ معظمہ چلے گئے اور ۷۵۴ء / ۱۳۶ھ تک وہیں مقیم رہے۔ (۱۲)

قیام مکہ معظمہ اور کوفہ واپسی

زمانہ قیام مکہ معظمہ میں امام صاحب کے مشاغل کے بارے میں اختلاف ہے بعض مورخین نے ذکر کیا ہے کہ یہاں آپ نے حلقہ درس و تدریس قائم نہیں کیا تھا۔ ان کا موقف یہ ہے کہ کوفہ اور بغداد کے علاوہ امام صاحب نے کہیں حلقہ درس قائم نہیں کیا۔ لیکن ابو زہرہ مصری نے اس رائے کی تردید کی ہے۔ یعنی ان کے بقول امام صاحب نے وہاں حلقہ درس قائم کیا تھا۔

ان دونوں رائے کے درمیان ہو سکتا ہے کہ لوگ قیام مکہ کے دوران امام صاحب سے استفادہ کے لیے آتے ہوں البتہ حلقہ

درس نہ ہو۔ یہاں امام ابو حنیفہؒ کا قیام عارضی تھا۔ دو سال بعد آپؒ نے کوفہ آمدورفت شروع کر دی تھی۔ پھر ۷۵۷ء / ۱۳۹ھ میں مستقل کوفہ واپس چلے گئے۔ (۱۳)

عباسی دور حکومت اور امام ابو حنیفہؒ پر مظالم

۷۵۰ء / ۱۳۲ھ کے بعد سے عباسی دور حکومت شروع ہوا یہ دور بنو امیہ کے عہد سے بھی زیادہ تکلیف دہ ثابت ہوا علماء صلحاء اور عوام الناس کے لیے۔ خلیفہ ابو العباس عبداللہ السفاح اور ابو جعفر المنصور کی سفاکیوں سے امام ابو حنیفہؒ پہلے سے ہی واقف تھے۔ آپؒ کی رائے میں یہ لوگ منصب خلافت کے شایاں نہیں تھے۔

ابراہم بن میمون جو ایک نہائیت دیندار عالم تھے امام ابو حنیفہؒ کے خاص دوستوں میں سے تھے۔ وہ اکثر کہتے کہ ان مظالم پر کیا ہم چپ رہیں تو امام ابو حنیفہؒ فرماتے تھے

"امر بالمعروف بلاشبہ فرض ہے مگر اس کے لیے سامان شرط ہے۔" (۱۴)

جب انہی ابراہیم بن میمون نے ۷۶۳ء / ۱۴۵ھ میں علم بغاوت بلند کیا تو دیگر مذہبی پیشواؤں کے ساتھ امام ابو حنیفہؒ نے بھی ان کی تائید کی۔ لیکن کسی وجہ سے شریک جنگ نہیں ہوئے۔ البتہ خط کے ذریعہ غیر حاضری کی معذرت اور بعض نصیحتیں کیں اس جنگ میں ابراہیم بن میمون نے اپنی بے تدبیری کی وجہ سے شکست کھائی اور بصرہ میں نہایت دلیری سے لڑ کر مارے گئے۔ اس مہم سے فارغ ہو کر ابو جعفر منصور ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوا جنہوں نے ابراہیم کی پشت پناہی کی تھی ان میں امام ابو حنیفہؒ بھی شامل تھے۔ ۷۶۴ء / ۱۳۶ھ میں ابو جعفر المنصور نے بغداد پہنچ کر امام ابو حنیفہؒ کے نام فرمان بھیجا کہ فوراً پایہ تخت میں حاضر ہوں۔

امام ابو حنیفہؒ کو دربار میں ان الفاظ سے مخاطب کیا گیا

"یہ دنیا میں آج سب سے بڑا عالم ہے۔"

منصور نے پوچھا کہ "تم نے کس سے علم حاصل کیا" امام ابو حنیفہؒ نے استادوں کے نام بتائے جن کا سلسلہ شاگردی بڑی بڑے صحابہ تک پہنچتا تھا چنانچہ ابو جعفر المنصور نے امام صاحب کے لیے قضاء کا عہدہ تجویز کیا۔ امام صاحبؒ نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ میں اس کی قابلیت نہیں رکھتا۔ منصور نے غصہ سے کہا "تم جھوٹے ہو" امام صاحب نے کہا اگر میں جھوٹا ہوں تو یہ دعویٰ پھر سچا ہے کہ میں عہدہ قضاء کے قابل نہیں ہوں کیونکہ جھوٹا شخص قاضی مقرر نہیں ہو سکتا۔ اس منطقی جواب کے بعد آپؒ نے مزید کہا اول: مجھ کو اپنی طبیعت پر اطمینان نہیں، دوئم: میں عربی النسل نہیں ہوں اس لیے عربی ناراض ہوں گے، سوئم: درباریوں کی تعظیم کرنی ہو گی جو میں نہیں کر سکتا۔ مسلسل انکار کے جواب میں ابو جعفر المنصور نے امام ابو حنیفہؒ کو قید میں ڈال دیا جس سے رہائی اس وقت پائی جب قید حیات سے رہائی ہوئی۔

دوران قید منصور اکثر امام صاحب کو بلا کر علمی بحثیں کرتا تھا۔ اس وقت تک امام ابو حنیفہ کی شہرت عروج پر تھی۔ اس لیے لوگ قید خانے تک استفادہ کے لیے پہنچنے لگے۔ جیل خانہ حلقہ درس بن گیا۔ بغداد کی علمی جماعت جس کا شہر میں بہت اثر تھا وہ بھی امام صاحب سے خلوص رکھتی تھی۔ امام محمدؒ نے اسی دور میں امام صاحبؒ سے تعلیم پائی۔ اب صورت حال یہ تھی کہ منصور کی جان پھنس گئی نہ تو وہ امام صاحبؒ کو آزاد کر سکتا تھا کہ لوگ ان کے حلقہ میں شامل ہو کر خلیفہ کے لیے محاذ نہ بنا دیں اور نہ ہی زیادہ دیر قید رکھ سکتا تھا کہ لوگ اس طرح بھی منصور کے خلاف ہو رہے تھے اس لیے اس نے امام صاحب کو زہر دلوا دیا۔ جب امام ابو حنیفہؒ کو

زہر کا اثر محسوس ہوا تو خدا کے حضور سجدہ کیا اور اسی حالت میں رحلت فرما گئے۔ اس وقت امام صاحب کی عمر ستر برس تھی جمعہ کا دن تھا اور شوال کا مہینہ۔ ۷۶۷ء / ۱۵۰ھ۔

شاعر ابو جعفر مسعود نے آپ کی قبر کے قریب یہ اشعار پڑھے۔

الم ترا ان العلم کان مبلدا

فجمعه هذا المغیث فی اللحد

کذلک کانت هذه الارض مینه

فانشرها فعل الحمید ابی سعد

امام ابو حنیفہؒ اور تدوین فقہ

امام صاحب نے تدوین فقہ کا کام ۷۳۹ء / ۱۲۱ھ سے شروع کر دیا تھا۔ اور یہ کام کم و بیش ۳۰ سال یعنی ۷۶۷ء / ۱۵۰ھ تک جاری رہا۔ اس مجلس میں ۴۰ فقہاء مجتہدین برابر شریک ہوتے تھے۔ اگر ایک بھی غیر حاضر ہوتا تو علمی کام آگے نہ بڑھتا تھا۔

یہاں دو باتیں اہم ہیں ایک یہ کہ اسی دوران اموی خلیفہ مروان بن عبدالملک کے ظلم کی وجہ سے آپؒ عارضی قیام کے لیے مکہ مکرمہ چلے گئے تھے تو کیا مجلس تدوین فقہ کے شرکاء آپ کے ساتھ تھے۔ اگر نہیں تو اس عرصہ میں آپ کوفہ آتے جاتے رہے اور تدوین فقہ کا کام نہ ہونے کے برابر ہوا ہو گا۔ دوسری یہ کہ عباسی خلیفہ المنصور نے تقریباً ۵ سال آپ کو قید رکھا وہاں بھی تدوین فقہ کا کام نہ ہونے کے برابر ہوا ہوگا۔ لوگ ملاقاتیوں کی صورت میں آتے ہوں گے مجلس کی اجازت نہ ہوگی۔ باقی عرصہ میں ہر وقت طالب علموں اور دوستوں کا مجمع رہتا تھا۔ صحیح معنوں میں کام اسی عرصہ میں ہوا۔ (۱۶)

امام ابو حنیفہؒ کی تدوین فقہ سے متعلق ناقدین کی رائے یہ ہے کہ

> "وہ برگزیدہ اور مقدس عالم جنہوں نے قانون اسلام کو ترتیب دے کر انسانیت پر احسان عظیم کیا ہے اور پرہیز گاری کی خاطر جنہوں نے کوڑے کھائے اور قید کی سختیاں جھیلیں لیکن باطل قوتوں سے مرعوب ہو کر روحانیت کو داغدار نہیں ہونے دیا۔" (۱۷)

جبکہ دوسری طرف لوگ امام ابو حنیفہؒ کے اصول تدوین فقہ (رائے / قیاس) سے شاکی نظر آتے ہیں۔

امام ابو حنیفہؒ "کثرت افتاء بالرائے کے باعث بہت زیادہ ہدف مطاعن بنائے گئے۔ شافعیوں نے تو انہیں راہ دین سے منحرف اور عاصی قرار دینے میں بھی تامل نہیں کیا' لیکن انہی شافعیوں میں سے بعض نے امام صاحبؒ کے مناقب میں کتابیں لکھیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ سیوطی نے جو خود شافعی تھے ایک کتاب لکھی جس کا نام ہے (تبییض الصحیفه فی مناقب الامام ابی حنیفه) (۱۸)

ان مختلف اور متضاد آراء کی روشنی میں اگر کتاب الخیرات الحسان کے اس حوالے کا جائزہ لیا جائے تو صورت حال کچھ واضح ہوگی

> "انسان کی بڑائی پر ایک یہ چیز بھی دلالت کرتی ہے کہ لوگ اس کے بارے میں مختلف اور متضاد رائیں رکھتے ہیں' مثلاً علیؓ کی وجہ سے دو گروہ ہلاکت کی منزل پر پہنچ گئے ایک وہ جو محبت میں غلو کرتے تھے دوسرے وہ جو بغض میں انتہا کو پہنچے ہوئے تھے۔" (۱۹)

بالکل یہی بات امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں صادق آتی ہے جبکہ امام ابو حنیفہؒ خود اصول تحقیق کے بارے میں بیان کرتے ہیں ۔

"نحن لا نقیس فی مسئالۃ الاعند الضرورۃ و ذلک اذالم نجد دلیلًا فی الکتاب والسنۃ ولا فی اقضیۃ الصحابہ فنعمل بما تتفق علیہ الصحابہ فان اختلفوا فینا حکمًا علی حکم اذا اشترکا فی العلۃ الجامعۃ بینھا حتی ینضح المعنی و ماجاء عن غیرھم فھم رجال و نحن رجال۔" (۲۰)

(کہ ہم کتاب اللہ سے اخذ کرتے ہیں۔ اگر وہاں کوئی مسئلہ نہ ملے تو سنت رسول سے لیتے ہیں پھر وہاں بھی نہ ملے تو صحابہؓ میں سے کسی کا قول مان لیتے ہیں ان کا قول چھوڑ کر دوسروں کا قول نہیں لیتے اگر معاملہ ان پر آ جائے (یعنی ابراہیم، شعبی، ابن سیرین، عطاء) تو یہ لوگ مجتہد تھے اس وقت میں بھی انہیں لوگوں کی طرح اجتہاد کرتا ہوں)

اسی طرح امام ابو حنیفہؒ نے جس قدر مسائل مدون کیے ان کی تعداد بارہ لاکھ نوے ہزار سے کچھ زیادہ ہے پھر امام اعظم نے جس طریق سے فقہ کی تدوین کا ارادہ کیا وہ بھی ایک دشوار کام تھی۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے آپؒ نے چالیس شاگردوں کی مجلس بنائی۔ اس طرح فقہ کا ایک ادارہ علمی تشکیل پذیر ہو گیا جس نے امام ابو حنیفہؒ کی سرکردگی میں تئیس برس تک کام کیا۔ امام اعظم کی زندگی ہی میں اس مجلس کے فتاویٰ نے حسن قبول حاصل کر لیا تھا۔ جیسے جیسے یہ فتاویٰ تیار ہوتے جاتے ساتھ ہی ساتھ تمام ملک میں پھیلتے رہے۔

امام ابو حنیفہؒ کی تالیفات و تصنیفات

امام صاحبؓ کے علم کی طرح ذہانت اور طباعی بھی ضرب المثل تھی۔ اس غیر معمولی ذہانت نے عظیم الشان ذخیرہ علم پر تصرف کر کے آپ کو بانیان علوم کی صف میں لا کھڑا کیا۔

امام عبداللہ بن المبارک ذکر کرتے ہیں

"آثار اور فقہ فی الحدیث کے لیے ایک مقیاس، صحیح پیدا کرنا وہ لازوال علمی کارنامہ ہے جو ہمیشہ امام ابو حنیفہؒ کے نام سے منسوب رہے گا۔" (۲۱)

امام صاحبؒ نے چونکہ چالیس شاگردوں کی مجلس بنائی تھی فقہی مسائل وہاں پیش ہوتے، بحثیں ہوتیں اور مرتب ہو کر فتاویٰ لوگوں تک چلے جاتے۔ امام صاحب کا مقصد کتابوں کے انبار چھوڑ جانا نہیں تھا بلکہ عوام الناس کی راہنمائی اور ان تک دینی فکر پہنچانا تھا سو ایسے ہی انہوں نے کیا۔

اس لیے یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے کہ کیا امام صاحب نے کوئی خاص کتاب مرتب کی ہے امام رازی نے مناقب الشافعی میں لکھا ہے کہ ابو حنیفہؒ کی کوئی تصنیف باقی نہیں رہی۔

الفہرست میں ابن الندیم نے امام صاحب سے چار کتب منسوب کی ہیں۔

(۱) الفقہ الاکبر

(۲) عثمان البتّی (البتّی کے نام خط)
(۳) العالم والمتعلم
(۴) الرد علی القدریہ (۲۲)

- امام صاحب کی واحد مستند تحریر جو ہم تک پہنچی ہے ان کا وہ خط ہے جو انہوں نے عثمان البتّی کو لکھا جس میں امام صاحب ؒ نے شائستہ طریقے سے اپنے نظریات کی مدافعت کی ہے۔
- فقہ اکبر عقائد کا ایک مختصر رسالہ ہے جو امام ابو حنیفہؒ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ جس میں خارجیوں، قدریوں، شیعوں اور جہمیوں کے مقابلے میں الخ العقیدہ مسلمانوں کے موقف کی وضاحت کی گئی ہے۔
- العالم والمتعلم یہ سوال و جواب کے طور پر ایک مختصر رسالہ ہے۔ یہ کتاب قاہرہ میں طبع ہو چکی ہے۔ ۱۹۴۹ء / ۱۳۲۸ھ میں۔

مذکورہ تمام کتب میں سے کوئی ایک بھی امام صاحب کی اپنی زندگی میں مدون نہیں ہوئی اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ تدوین و تالیف و تصنیف کا تمام کام آپ کی زندگی کے بعد آپ کے عظیم المرتبت شاگردوں کے ہاتھوں انجام پایا۔ جبکہ امام صاحب کے اقوال ان کے مسئلوں کے حل اور دیگر گفتگو تمام کی تمام ان کے شاگردوں کی تحریرات اور تصنیفات میں شامل ہو چکی ہے اس لیے ہمیں ان کے مسلک اور مسائل تک پہنچنے کے لیے ان کے شاگردوں کی کتب کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ کیونکہ کوئی کتاب خالصتاً امام صاحب کے حوالے سے ہم تک نہیں پہنچی۔

امام ابو حنیفہؒ کے تلامذہ

امام ابو حنیفہؒ کے شاگردوں میں سے اہم درج ذیل ہیں۔

- قاضی ابو یوسفؒ ۷۳۱ء / ۱۱۳ھ میں پیدا ہوئے۔
- امام زفرؒ بن الھذیل۔
- امام محمد بن حسن الشیبانی ۷۶۹ء / ۱۳۲ھ میں پیدا ہوئے۔
- امام حسن بن زیاد لؤلؤی۔
- عبداللہ بن المبارک۔

فقہ حنفی کی تکمیل کا سہرا انہی سب پر ہے یہ سب صاحب تصانیف ہیں۔ (۲۳)

حواشی

(۱) i- محمد طیب صدیقی، سیرۃ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ ص ۵

ii-ابن حجر مکی، الخیرات الحسان فی مناقب النعمان، ص ٦٦، مترجم سیّد شجاعت علی قادری

(۲) i-رئیس احمد جعفری، سیرت ائمہ اربعہ ص ۵۰

ii-مولوی فقیر محمد جہلمی، حدائق الحنیفہ ص ٦۴

iii-شبلی نعمانی، سیرۃ النعمان ص ۱۸

iv-ابو الحسن زید فاروقی دہلوی شاہ، سوانح بے بہائے امام اعظم ابو حنیفہ ص ۴۳

(۳) i-عبدالصمد صارم، سیرۃ امام اعظم ص ٦۵

ii- محمد ابو زہرہ مصری، امام ابو حنیفہ عہد و حیات فقہ و آراء، مترجم رئیس احمد جعفری ص ۱۰

(۴) i-شبلی نعمانی، سیرۃ النعمان ص ۲۰- ۲۲

ii-علی محمد ورادۃ، سیرۃ امام اعظم ص ۳

iii- عزیز الرحمٰن بجنوری، امام اعظم ابو حنیفہ، ص ۴۰- ۴۳

(۵) شبلی نعمانی، سیرۃ النعمان، ص ۲۳

(٦) i-اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۵ ص ۷۸۵

ii-مناظر احسن گیلانی، امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی، ص ۳۳

(۷) i-شبلی نعمانی، سیرۃ النعمان ص ۲۱

ii-ابن حجر مکی، الخیرات الحسان فی مناقب النعمان، مترجم سیّد شجاعت علی قادری- ص ۸٦- ۸۸

(۸) i-شبلی نعمانی، سیرۃ النعمان ص ۲۱

ii-مناظر احسن گیلانی، امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی، ص ۲۷- ۳٦

iii-عزیز الرحمٰن بجنوری، امام اعظم ابو حنیفہ ص ۴۳

(۹) i-مناظر احسن گیلانی، امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی ص ۳۴- ۳٦

ii-ابن حجر مکی، الخیرات الحسان فی مناقب النعمان ص ۸۹- ۹۰

iii-عزیز الرحمٰن بجنوری، امام اعظم ابو حنیفہ ص ۵۰

iv-علی محمد ورادۃ، سیرۃ امام اعظم ص ۴

(۱۰) i-فقیر محمد جہلمی، حدائق الحنیفہ ص ۲٦

ii- شبلی نعمانی' سیرۃ النعمان ص ۲۴

(۱۱) i-ابن الندیم' الفہرست۔(مترجم محمد اسحاق بھٹی۔) ص ۲۰۱

ii-حبیب الرحمٰن خان شیروانی' امام ابو حنیفہ اور ان کے ناقدین ص ۱۵

(۱۲) شبلی نعمانی' سیرۃ النعمان ص ۳۰

(۱۳) i-عزیز الرحمٰن بجنوری' مولانا امام اعظم ابو حنیفہ ص ۵۵

ii-علی محمد درامدۃ' سیرۃ امام اعظم ص ۱۱-۱۲

(۱۴) محمد ابو زہرہ مصری' امام ابو حنیفہ عہد و حیات فقہ و آراء(مترجم رئیس احمد جعفری) ص ۳۰

(۱۵) i-اردو دائرہ معارف اسلامیہ' جلد ۱۵ ص ۷۸۶-۷۸۹

ii-علی احمد عباسی حکیم سید' سیرۃ امام اعظم ابو حنیفہ ص ۵۰

iii-رئیس احمد جعفری' سیرۃ ائمہ اربعہ ص ۴۳

(۱۶) شبلی نعمانی' سیرۃ النعمان ص ۴۰

ii-اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۵ ص ۷۹۰

(۱۷) محمد طیب صدیقی' سیرۃ امام اعظم ابو حنیفہ ص ۱۲

(۱۸) ابو زہرہ مصری' ابو حنیفہ عہد و حیات فقہ و آراء(مترجم رئیس احمد جعفری۔) ص ۸-۶

(۱۹) ابن حجر کی شافعی' الخیرات والحسان فی مناقب النعمان(مترجم سید شجاعت علی قادری۔) ص ۳۳

(۲۰) اردو دائرہ معارف اسلامیہ' جلد ۵'ا ص ۷۹۰

(۲۱) رئیس احمد جعفری' سیرۃ ائمہ اربعہ ص ۵۴

(۲۲) ابن الندیم' الفہرست۔(مترجم مولانا محمد اسحاق بھٹی) ص ۲۰۳

(۲۳) i- شبلی نعمانی' سیرۃ النعمان ص ۲۰

ii- عزیز الرحمٰن بجنوری' امام اعظم ابو حنیفہ ص ۵۰

فصل II فقہ حنفی کا تاریخی ارتقاء
(دوسری صدی ہجری سے تیسری صدی ہجری تک)

تاریخ فقہ کی کتابوں میں جا بجا یہ ذکر ملتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے فقہ کی تدوین کے لیے اپنے شاگردوں میں سے ان چند نامور اشخاص کا انتخاب کیا تھا جو تکمیل فقہ کے لیے خاص خاص فنون کے استاد زمانہ تسلیم کیے گئے تھے۔ تدوین فقہ سے پہلے فتاویٰ جمع کرنے کا طریقہ حسب ذیل تھا:

استنباط مسائل کے لیے چالیس شاگردوں کی جماعت موجود تھی اس جماعت کے سامنے جو مسائل پیش کیے جاتے پہلے انہیں قرآن پاک پھر سنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد آثار صحابہؓ میں تلاش کیا جاتا تھا۔ جب پیش آمدہ مسئلہ کا حل نہ ملتا تو اس مسئلہ کو چالیس شاگردوں کی جماعت کے سامنے غور و خوض کے لیے رکھا جاتا۔ آخر میں جس حل پر سب متفق ہوتے اسے اختیار کیا جاتا۔ اس اعتبار سے امام صاحب کے فقہی اجتہاد کی مثال خلافت راشدہ کے دور میں جماعتی شوریٰ سے ملتی جلتی تھی۔ اگر تمام شاگرد مسئلہ کا حال نہ جان سکتے تو آخر میں امام ابوحنیفہؒ اپنی رائے دیتے تھے۔ اگر اس پر سب متفق ہوتے تو فتویٰ دے دیا جاتا۔ ورنہ اس مسئلہ کو علیحدہ رکھ دیا جاتا تھا۔ امام صاحب اور ان کے شاگردوں نے ایک نئی طرح ڈالی یعنی مفروضہ مسائل کا حل بھی کیا جانے لگا اس طرح بے شمار آئندہ پیش آنے والے مسائل بھی حل ہوتے گئے۔ (۱)

امام صاحب اور ان کے شاگردوں کی جماعت نے مسائل فقہ کی تدوین درجہ بدرجہ کی تھی پہلے وضو اور پاکیزگی کے مسائل کو لیا پھر عبادات اور بعد میں دنیاوی معاملات کی طرف آئے حتیٰ کہ معاملات میں بین الاقوامی قانون پر بھی بحث کی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ امام صاحب نے شاگردوں کی مدد سے ۲۳ برس میں پانچ لاکھ فقہی مسائل کے حل تلاش کیے۔ جو مختلف ابواب میں منقسم و مرتب ہیں۔

حنفی فقہ کی جن کتب کو امام صاحب کی طرف منسوب کیا جاتا ہے وہ فی الحقیقت امام صاحب کے ان لیکچروں کی یادداشتیں ہیں جو امام صاحب اپنے شاگردوں کو دیتے تھے۔ شاگرد آپؒ کے لیکچر نوٹ کر لیتے بعد میں انہی فقہی مسائل پر حنفی فقہ کی کتابیں تیار ہوئیں اس طرح شاگردوں نے استاد کے کام کو جاری رکھا۔ (۲)

امام ابوحنیفہؒ کے فوراً بعد ان کے کام کو جاری رکھنے والے اہم شاگردوں میں سے نمایاں امام ابو یوسفؒ تھے۔ امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم الانصاری الکوفی عربی النسل تھے۔ تاریخ پیدائش ۱۱۳ھ / ۷۳۱ء اور وفات ۱۸۲ھ / ۷۹۸ء کو ہوئی۔ ابن ابی لیلیٰ سے فقہ، مالک بن انس اور اللیث بن سعد سے حدیث کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد امام ابوحنیفہؒ کے درس میں شامل ہو گئے۔ فقہ حنفی میں امام ابوحنیفہؒ کے بعد آپ دوسری ممتاز شخصیت ہیں اور دیگر تمام حنفی فقیہوں سے زیادہ متبع حدیث تھے۔ اس کے علاوہ آپ پہلے شخص تھے جنہوں نے فقہ حنفی میں کتب لکھیں ان میں سے دو کتب اہم ترین ہیں۔ کتاب الخراج اور اختلاف ابی حنیفہ و ابن ابی لیلیٰ پہلی کتاب خلیفہ ہارون الرشید کے بھیجے ہوئے سوالات کے جواب میں لکھی ہوئی ہے۔ اس میں حکومت کے اہم قانون و انتظامی مسائل کی جزئیات درج ہیں۔ نام کی مناسبت سے صرف خراج ہی اس کا موضوع نہیں بلکہ مالیات، لگان، عدالت، جنایات، مزارعت، مساقات، عشر وغیرہ پر مبنی ہے۔ جبکہ دوسری کتاب میں دونوں فقہائے کبار جو ان کے اساتذہ بھی تھے کہ اختلافات کا تجزیہ کیا گیا ہے۔

اس میں بھی مزارعت و مساقات سے متعلق ابواب ہیں۔

خلیفہ ہارون الرشید نے آپ کو قاضی القضاۃ مقرر کر دیا اس طرح امام ابو یوسف کو معاملات و امور کی واقعی شکلوں سے جو عملی تجربہ ہوا اس سے انہوں نے استنباط میں بڑا فائدہ اٹھایا۔(۳)

امام ابو یوسف کا فقہی مقام و مسلک

مجموعی طور پر امام ابو یوسف کا عقیدہ امام ابو حنیفہؒ والا ہی تھا۔ یعنی طریق استنباط عراقی مسلک کی پوری نمائندگی کرتا ہے یعنی قرآن و حدیثؐ سے استناد اور اجماع صحابہؓ کے بعد عقل و تجربہ اور نفسیات انسانی کو مد نظر رکھا جاتا اور مقصد فریقین کے معاملے میں حق و انصاف کا حصول اور انہیں ضرر سے بچانا۔

البتہ امام ابو یوسف کے خاص اپنے فقہی فکر کو سمجھنے کے لیے وہ نکات زیادہ اہم ہیں جن میں انہوں نے امام ابو حنیفہ سے اختلاف کیا ہے۔ مثلاً اہم ترین تو ہمارے مقالہ کا موضوع ہی ہے مزارعت و مساقات امام ابو حنیفہؒ ان دونوں کو ناجائز معاملہ کہتے ہیں کہ یہ قفیز الطحان کی مانند ہے جبکہ امام ابو یوسف اسے جائز کہتے ہیں اور مضاربہ کی مانند قرار دیتے ہیں اور مقصد عوام الناس کی سہولت ہے البتہ جزئیات میں جائز و ناجائز کی وضاحت کی ہے۔

- امام ابو یوسف اپنے استاد کی نسبت احادیث پر زیادہ اعتماد کرتے ہیں۔ اس کی ایک وجہ اختلاف یہ ہو سکتی ہے کہ امام ابو حنیفہ کے عہد تک احادیث کا علم مدون و مرتب نہیں ہوا تھا البتہ بعد میں ابتدائی سطح پر معتبر اور صحیح احادیث سامنے آنے لگ گئی تھیں۔ اصول حدیث وضع ہونے لگے تھے۔ امام ابو حنیفہؒ اہمیت حدیث سے انکاری نہ تھے البتہ ثقہ ہونے اور نہ ہونے کے معاملے میں محتاط تھے۔
- امام ابو یوسف کے فقہی فکر میں استدلال کے بعض مرغوب طریقے بھی نظر آتے ہیں۔ مثلاً دلیل الخلف (Reductioad Absurdum) یعنی کسی اصول کے غلط ہونے کا ثبوت اس کے منطقی نتائج کو مہمل اور غلط ثابت کر کے دینا۔
- امام ابو یوسفؒ اکثر اپنے نظریات بدلتے رہتے تھے کیونکہ قاضی ہونے کی وجہ سے نئے نئے تجربات سے واسطہ پڑتا رہتا تھا۔ وفات سے پہلے آپؒ نے کہا تھا کہ میں بجز ان فتوؤں کے جو کتاب و سنتؐ کے مطابق ہیں باقی سب واپس لیتا ہوں۔(۴)

امام ابو حنیفہ کے دوسرے اہم شاگرد امام محمد بن حسن الشیبانی ہیں۔ یہ فرقہ شیبانی سے آزاد کردہ غلام تھے۔ امام محمدؒ ۱۳۲ھ / ۷۴۹ء میں پیدا ہوئے اور ۱۸۹ھ / ۸۰۴ء میں وفات پائی۔ امام ابو حنیفہؒ کی وفات کے وقت امام محمدؒ صرف سولہ سترہ برس کے تھے۔ امام ابو حنیفہؒ کے آخری ایام قید خانہ میں ہی آپ نے امام ابو حنیفہ سے عراقی طریقہ کار سیکھا ڈیڑھ سال امام ابو حنیفہ کی صحبت میں رہے۔ اس لیے امام محمدؒ کی تصنیف میں کوئی روایت امام اعظم سے براہ راست نقل نہیں ہوئی امام محمدؒ اس طرح روایت کرتے تھے

"محمد عن یعقوب عن ابی حنیفۃ"

امام ابو حنیفہؒ نے تدوین فقہ کی چالیس شاگردوں پر مشتمل جو جماعت تشکیل دے رکھی تھی اس سے بھی امام محمد مستفید نہ ہو سکے۔ اس سے یہی متبادر ہوتا ہے کہ امام محمدؒ نے بقیہ تعلیم امام ابو یوسف سے مکمل کی۔

جیسا کہ تاریخ القضاء فی الاسلام کے ص ۴۳ پر لکھا ہے۔

"واخذ قلیلاً عن ابی حنیفه لان ابی حنیفه توفی و محمد شباب فاتمر الطریقه علی ابی یوسف"(۵)

عباسی خلیفہ ہارون الرشید ہمیشہ امام محمدؒ کو ساتھ ساتھ رکھتا۔

فقہ حنفی کی تدوین میں سب سے زیادہ امام محمدؒ کا حصہ ہے اور سب سے زیادہ ان ہی کی کتب محفوظ ہیں۔ گویا اس وقت حنفی فقہ کا زیادہ تر دارومدار امام محمد کی کتب پر ہی ہے۔

فتاویٰ البزازیہ میں آیا ہے

"عن محمد بن سلمة قال.... و کان یجلس و قد خلع قمیصه' وحوله' الکراریس و کان یرفع کراسمًا و یضعه' ثمر یرفع آخر و کان بین یدیه طست من ماء و بین یدیه عشر جوار رومیات عاملات بالکتابة والعربیة یقران علیه العلم"

(محمد بن سلمہ سے روایت ہے کہ امام محمدؒ کتب تصنیف کرتے ہوئے اس حالت میں بیٹھتے تھیں کہ ان کی قمیض اتری ہوئی ہوتی اور ان کے ارد گرد کاغذات کا ڈھیر ہوتا تھا۔ آپ ایک کاغذ اٹھاتے اور رکھتے تھے اسی طرح پھر دوسرا اٹھاتے تھے۔ آگے ایک پانی کا تھال بھی ہوتا تھا اور سامنے دس عدد شرعی رومی لونڈیاں بھی ہوتی تھیں جو عربی زبان لکھنے اور پڑھنے کی عالم تھیں اور لکھنے پڑھنے میں مدد دیتی تھیں۔)(۶)

مذکورہ حوالہ سے مستشرقین نے یہ نتیجہ نکالا کہ حنفی فقہ پر کسی حد تک رومی قانون کے اثرات ہیں۔

امام محمدؒ کی کتب دو طرح کی ہیں:

- کتب ظاہر الروایہ یامسائل اصول مثلاً الجامع الصغیر۔ زیادات۔ الج' سیر صغیر و کبیر۔ الجامع الکبیر۔ المبسوط (یہ بہت جامع کتاب ہے مسائل کی زیادہ توضیح و تفصیل بیان ہوئی ہے۔ مزارعت و مساقات و عشر و خراج سب موضوعات ہیں)
- مسائل النوادر مثلاً موطا امام محمد۔ کتاب الاثار۔ الکرد علی اھل المدینہ (۷)

امام زفرؒ بن ہذیل بن قیس کوفی ۱۱۰ھ / ۷۲۷ء میں پیدا ہوئے۔ ان کی وفات ۱۵۸ھ / ۷۷۵ء میں ہوئی۔ آپ اہل الحدیث تھے بعد میں رائے کا غلبہ ہو گیا اور امام ابوحنیفہؒ کے تلامذہ میں سب سے زیادہ قیاس کرنے والے تھے۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے زبانی طور پر مذہب حنفی میں حصہ لیا تھا اس لیے ان کی کوئی تصنیف موجود نہیں۔ بصرہ کے قاضی مقرر ہو گئے تھے۔ امام ابوحنیفہؒ کے شاگردوں میں سب سے انہوں نے وفات پائی۔ (۸)

حسن بن زیاد لولوی ان کی تاریخ وفات ۲۰۴ھ / ۸۱۹ء ہے۔ تاریخ پیدائش کہیں نہیں لکھی البتہ ان کا زمانہ امام ابو یوسف اور امام محمد و زفر کا ہی ہے۔ حسن بن زیاد لولوی کوفی تھے۔ اور انصار کے غلام تھے۔ امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد تھے۔ پھر امام محمد کے شاگرد بھی رہے۔ یہ روایت حدیث کے لیے بہت مشہور ہیں۔ اس کے علاوہ امام ابوحنیفہؒ کی آراء کے بھی مشہور رواۃ میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ آپ نے امام ابوحنیفہؒ کے مذہب میں ہی بے شمار کتب تصنیف کی ہیں۔ حسن بن زیادہ لولوی کوفہ کے قاضی

بنے تو جلد ہی مستعفی ہو گئے۔ کیونکہ آپ علم فقہ کے ماہر تھے وہ کام طبیعت سے ہٹ کر تھا۔ آپ کی مشہور کتب یہ ہیں۔ ○۔ کتاب المجرد' ○۔ کتاب ادب القاضی' ○۔ کتاب الحصال' ○۔ کتاب الفرائض' ○۔ کتاب الخراج وغیرہ۔ لیکن ان کی کتب امام محمد کی تصنیفات جیسا مقام نہ لے سکیں۔ اہل حدیث کے ہاں ان کا درجہ پست ہے۔ تیسری صدی کے ایک اور مشہور حنفی مؤلف احمد بن عمر خصاف ہیں یہ ۲۶۱ھ / ۸۷۵ء میں فوت ہوئے۔ ان کی کتاب الاسعاف فی احکام الاوقات بہت مشہور ہے۔ (۹)

در حقیقت عراقیوں کا حنفی مسلک ان ہی چار بزرگوں یعنی ۱۔امام ابو یوسف' ۲۔امام محمد' ۳۔امام زفر بن ہذیل اور ۴۔ حسن بن زیاد لؤلؤی سے پھیلا اور لوگوں نے آگے انہی سے تعلیم پائی۔ امام ابو یوسف اور امام محمد کو عباسیوں کے دربار میں جو خصوصیات حاصل تھیں وہ کسی اور کو نہ تھی۔ اہل حدیث پر ان کے اقوال مقدم ہو گئے۔ فقہ کے مسائل بتانے اور ان کے جواب دینے میں بھی کوئی ان کا ثانی نہ تھا۔

صاحبین" کو امام ابوحنیفہ" سے مقلد کی نسبت نہیں بلکہ متعلم و معلّم کی نسبت تھی کیونکہ یہ خود بھی فتوے دیتے تھے صرف استاد کے فتوے پر ہی قناعت نہیں کرتے تھے۔ اگر کوئی وجہ مخالفت معلوم ہوتی تو ان کی مخالفت بھی کرتے تھے۔ اسی لیے کتب حنفیہ میں ان چاروں اماموں کے اقوال مع دلیل کے نقل کیے جاتے ہیں۔ اور بسا اوقات ایک مسئلہ میں آثار و معانی کے لحاظ سے چار' چار اقوال ہوتے ہیں۔ غرض یہ چار آئمہ امام ابوحنیفہ" کے سب سے زیادہ مشہور تلامذہ ہیں۔ فقہ حنفی کی اشاعت اور امام ابوحنیفہ" کے اقوال و اجتہادات کی جمع و تدوین کے باب میں ان چاروں میں سب سے زیادہ حصہ امام محمد بن الحسن کا تھا۔

(چوتھی صدی ہجری سے ساتویں صدی ہجری تک)

اس دور کا آغاز ابوحنیفہ" کے شاگردوں کے شاگردوں سے ہو کر زوال سلطنت عباسیہ تک محیط ہے۔ اس دور میں خاص خاص مذاہب کی پابندی کروائی گئی۔ تقلید اور مسالک کے بارے میں شدت اختیار کی گئی۔ اس دور میں جدل و مناظرے کو بہت فروغ ہوا۔ مختلف مسالک کے درمیان کڑی حد فاصل قائم ہوئی۔ فقہا اپنے اپنے مذاہب کو مکمل کرنے میں لگے رہے اور فقہ کی باریکیوں کو واضح کرتے رہتے تھے۔

اس دور کے فقہا کا امتیازی وصف یہ تھا کہ انہوں نے مسالک و احکام میں بانیان مسلک کے استنباط کی مزید تشریح و وضاحت کی۔ نئی نئی تصریحات ان ہی مسائل کے تحت کیں۔ جبکہ ایک محدود پیمانے پر اپنے اپنے خاص جغرافیائی دائرے میں پیش آمدہ مسائل کے متعلق داخلی اجتہادات کیے۔ (۱۰)

مشہور فقہائے حنفیہ

(۱) احمد بن محمد طحاوی متوفی ۳۲۱ھ / ۹۳۳ء مصری تھے۔ اور ان کی اہم کتب معانی الاثار۔ مشکل الاثار ہیں۔

(۲) ابو الحسن کرخی متوفی ۳۴۰ھ / ۹۵۱

(۳) احمد بن علی ابوبکر رازی الجصاص متوفی ۳۷۰ھ / ۹۸۱ء

(۴) احمد بن محمد قدوری بغدادی مشہور مؤلفین سے ہیں۔ ان کے بے شمار کتب ہیں ایک المختصر القدوری اہم ہے۔

(۵) امام محمد بن احمد ابو بکر السرخسی متوفی ۴۸۳ھ / ۱۰۹۲ء۔ ان کی کتب یہ ہیں۔ المبسوط' شرح الاصول' شرح الکتاب'

اصول فقہ۔

(۶) ابو بکر بن مسعود کاسانی متوفی ۵۸۷ھ حنفی فقیہ ان کی اہم کتاب البدائع شرح تحفۃ الفقہاء ہے۔

(۷) شیخ الاسلام برہان الدین ابی الحسن بن ابی بکر بن عبدالجلیل الرشدانی المرغینانیؒ متوفی ۵۹۳ھ / ۱۲۰۲ء۔ ان کی کتب الہدایہ' شرح بدایہ المبتدی ہیں۔

(۸) امام فخرالدین حسن بن منصور الاوزجندی متوفی ۵۹۲ھ / ۱۲۰۱ء۔ ان کی کتاب فتاویٰ قاضی خان مشہور ہے۔ (۱۱)

(۹) افتخار الدین عبدالمطلب بن الفضل عباسی بلخی ثم الحلبی متوفی ۶۱۶ھ ان کی کتاب شرح الجامع الکبیر مشہور ہے۔ حلب میں یہ فقہ حنفی کے جید امام تھے۔

(۱۰) محمود بن احمد جمال الدین البخاری الحصیری متوفی ۶۳۷ھ۔ ان کی کتب الجامع الکبیر کی شرح اور السیر الکبیر کی شرح اہم ہیں۔

(۱۱) بدرالدین محمد بن محمود الکردری متوفی ۶۵۱ھ یہ خواہر زادہ کے نام سے مشہور ہیں۔

(آٹھویں صدی ہجری سے دسویں صدی ہجری تک)

ساتویں صدی ہجری کے بعد فقہ کی تعمیر رک گئی۔ محض پھیلاؤ باقی رہا۔ اجتہاد ناپید ہو گیا۔ علماء کے نفوس میں تقلید محض کی روح جاگزیں ہو گئی اور سوائے چند علماء کے کوئی رتبہ اجتہاد کو نہ پہنچ سکا۔

مشہور فقہائے حنفیہ

(۱) عبداللہ نسفی متوفی ۷۱۰ھ ہیں ان کی کتاب کنز الدقائق مشہور ہے۔

(۲) عثمان بن محمد زیلعی متوفی ۷۴۳ھ ہیں۔

(۳) علامہ کمال الدین الشہیر ابن الہمام متوفی ۸۶۱ھ ان کی مشہور کتاب فتح القدیر ہے جو کہ ہدایہ کی شرح ہے۔

(۴) ابراہیم بن محمد حلبی متوفی ۹۵۶ھ

(۵) زین العابدین بن ابراہیم مصری متوفی ۹۷۰ھ ہیں۔ ان کی کتاب بحرالرائق ہے اور الاشباہ النظائر۔

○ اس دور کے اختتام تک فقہ حنفی عراق کے علاوہ شام اور مشرق میں خراسان ماوراء النہر' افغانستان' برصغیر پاک و ہند' اور وسطی ایشیا میں ترکستان اور چین تک رائج ہو گئی تھی۔

○ اس کے علاوہ فقہ حنفی ترکیہ کے سلجوقی فرمانرواؤں اور عثمانی سلاطین کا مرجع مذہب ہو چکا تھا۔ مندرجہ بالا تمام علاقوں میں فقہ حنفی کو تقریباً سرکاری سرپرستی حاصل رہی۔ حتیٰ کہ بعض ایسی جگہوں پر جہاں ملکی آبادی کی اکثریت غیر حنفی رہی وہاں بھی اس فقہ کو سرکاری قرار دیا گیا مثلاً مصر' سوڈان' اردن' اسرائیل' لبنان اور شام وغیرہ۔

امام ابن خلدون لکھتے ہیں :

"امام ابو حنیفہؒ کے مقلدین آج عراق' ہند' چین' ماوراالنہر بلاد عجم میں بکثرت پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کی کثرت کی وجہ در اصل یہ ہوئی اول تو اس مذہب حنفی نے دارالاسلام عراق میں جنم لیا اس لیے

غیر عرب لوگوں میں یہ فقہ مقبول ہو گئی دوم فقہ حنفی کے شاگردوں نے خلفائے عباسیہ کی صحبت میں رہ کر تالیفات کے انبار لگا دیے۔ شافعیوں سے مناظرے ہوئے۔ مسائل میں حنفی عمیق النظر بن گئے۔ (۱۳)

برصغیر پاک و ہند میں تاریخ فقہ حنفی

برصغیر میں مسلمانوں کی آمد

برصغیر میں مسلمان، خلیفہ راشد ثانی عمر فاروقؓ کے عہد مبارک ۱۳ھ / ۶۳۴ء- ۲۳ھ / ۶۴۵ء میں پہنچ چکے تھے۔ اور ہندوستان کے جنوبی ساحل پر عرب تاجروں کی مستقل آبادیاں بن گئی تھیں۔

اس کے بعد سندھ میں محمد بن قاسم کی ۹۳ھ / ۷۱۲ء میں فاتحانہ پیش قدمی نے یہاں اسلامی انقلاب برپا کر دیا۔ مقامی اور غیر مقامی مسلمانوں کی تعداد بڑھنے لگی۔ اسلام کی آمد کے ساتھ ہی دیگر علوم اسلامیہ بھی ہندوستان میں پہنچ گئے۔ نئے دیس میں نئے مذہب اسلام کی وجہ سے فقہی مسائل ابھرنے لگے تب سے ہی حنفی فقہ یہاں رائج ہو گئی۔ حنفی فقہ رائج ہونے کی اہم وجہ یہ تھی کہ اس میں مسائل کے استنباط کے لیے باقی فقہوں کی نسبت زیادہ لچک ہے۔ جس کی یہاں اشد ضرورت تھی۔

کیونکہ برصغیر پاک و ہند ایک ایسا خطہ ہے جہاں شروع زمانے سے ہی بہت سے مذاہب کے لوگ آباد رہے ہیں۔ مثلاً بدھ، ہندو، سکھ، مسلمان، عیسائی۔ پھر یہاں کے قدیم رسوم و رواج کو بھی بہت اہمیت رہی ہے جسے تمام مذاہب کے لوگ مانتے تھے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ یہاں کا سیاسی، معاشی، معاشرتی، اخلاقی نظام کچھ اس نہج کا تھا کہ اسے کوئی ایک مذہب یا نظام اپنے ساتھ لے کر نہیں چل سکتا تھا بلکہ ہر مذہب اور نظام یہاں اپنے آپ کو سمو دیتا تھا۔ اسلام برصغیر میں آیا تو اپنے ساتھ جو کچھ لایا وہ یہاں کے لوگوں کے لیے اجنبی تھا یعنی عربی زبان، قرآن، رہن سہن اور لباس وغیرہ۔ اس وجہ سے کوئی مسلم حکمران مقامی لوگوں کی مدد کے بغیر یہاں کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ محمد بن قاسم سے لے کر بہادر شاہ ظفر تک سب یہاں کہلائے تو مسلم حکمران لیکن نظام حکومت غیر اسلامی رہا۔ یہ خلفائے راشدین جیسے نہیں بلکہ محض ملوک اور بادشاہ تھے۔ یہاں کے بے شمار مسائل میں سے ایک مسئلہ جو ہمیشہ حل طلب رہا یہ ہے کہ برصغیر کی زمین خراجی ہے یا عشری؟ جبکہ یہاں زمین اور زراعت کا نظام رواجی تھا۔ زمین کی ملکیت اسلامی نہیں بلکہ حکمرانوں کی صوابدید پر تھی۔ مثلاً (جاگیر، عطا وغیرہ) زمین کی ملکیت و حقوق ہمیشہ نظام ملوکیت اور بادشاہت کے محتاج رہے ہیں۔

دراصل اٹھارویں صدی عیسوی میں انگریزوں کی آمد تک برصغیر کا نظام جمود و تعطل کا شکار ہی رہا کیونکہ یہاں کبھی کوئی مسئلہ حل نہ کیا گیا تھا حالانکہ یہ وہ دور تھا جب باقی دنیا میں تبدیلیاں رونما ہو رہی تھیں۔

پندرھویں سے اٹھارھویں صدی عیسوی تک یورپ، روس، جرمن، فرانس سب ایک ہی مسئلہ کو حل کر رہے تھے کہ کسان اور زمین کیونکہ وہاں فیوڈل ازم رائج رہا تھا۔ ایک شخص زمین کا مالک اور باقی اس کی رعایا شمار ہوتے تھے۔ انہوں نے اس سسٹم کو تبدیل کرنا چاہا اور تبدیل کر لیا۔ لیکن یہاں نظام کو بدلنے اور اصلاح کے لیے علماء، فقہا سے کسی قسم کی مدد نہیں لی جاتی رہی، سوائے انفرادی مسائل کے دریافت کرنے کے۔

فقہ حنفی سرکاری سرپرستی میں

اس پس منظر کے اندر اب ہم دیکھیں گے کہ فقہ حنفی برصغیر میں کیا کردار ادا کرتی رہی اور یہاں مذہبی انقلاب لائی یا خود کو یہاں کے مذاہب اور رسوم و رواج میں ڈھال لیا ابتدا میں عرب ممالک سے علمائے دین برصغیر میں آکر آباد ہوتے۔

محمود غزنوی جس کا عہد حکومت (۳۸۰ھ / ۹۹۷ ---- ۴۱۳ھ / ۱۰۳۰ء)۔ اس دور میں علی ہجویری" المعروف داتا برصغیر میں آئے۔ بے شمار لوگ آپ کی وجہ سے دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ لاہور میں آپ آباد ہوئے۔ یہیں مدفون ہیں۔ آپ نے فقہ کی اہم کتاب کشف المحجوب لکھی جس کے تقریباً ہر زبان میں تراجم موجود ہیں۔ اس کے علاوہ پیر مکی" اور شاہ شمس تبریزی" بھی اس دور میں آئے اور یہاں کے لوگوں کو دینی تعلیمات سے روشناس کرایا۔ اس کے علاوہ یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ سلطان محمود غزنوی خود بھی فقہ حنفی کے عالم تھے۔ اور انہوں نے ایک کتاب التفرید فی الفروع لکھی تھی۔ جو کہ بلاد غزنہ میں بہت مقبول ہوئی۔ (۱۴)

عہد سلاطین میں فقہ کے ضمن میں بہت کم پیش رفت ہوئی۔ اگرچہ سرکاری فقہ حنفی ہی تھی لیکن اسے عملی طور پر رائج نہ کیا گیا۔

قطب الدین ایبک جس کا عہد حکومت ۵۸۹ھ / ۱۲۰۶ء -- ۵۹۳ھ / ۱۲۱۰ء۔ اس دور میں ایک عالم جمال الدین احمد بن محمد بن سعید بن نوح القابی الغزنوی الحنفی نے یہ کتاب لکھی۔ المقدمۃالغزنویہفی فروع الحنفیہ(۱۵)

غیاث الدین بلبن جس کا عہد حکومت ۶۶۴ھ / ۱۲۶۶ء -- ۶۸۶ھ / ۱۲۸۷ء ہے اس کے عہد میں ایک حنفی فقہی مخطوطہ الفتاویٰ الغیاثیہ لکھا گیا۔ یہ فتاویٰ پنجاب یونیورسٹی مین لائبریری میں موجود ہے۔ فتاویٰ کے آخری حصہ میں کتاب المزارعہ تھی۔ جس کے صفحات ہی اکھاڑ لیے گئے ہیں۔ یہ قلمی نسخہ ہے۔ کتاب کا بقیہ حصہ بھی خستہ حالت میں ہے اور عربی زبان میں لکھا گیا ہے۔ بلبن کے زمانے میں بجز ہندوستان کے پورا عالم اسلامی سخت فتن و آلام میں مبتلا تھا۔ اسلامی ممالک چنگیزوں کے دست تظلّم کا شکار ہو رہے تھے۔ جس کی وجہ سے مختلف اسلامی ممالک سے متعدد علماء و مشائخ اور شہزادے دہلی میں آبسے تھے۔ (۱۶)

جلال الدین فیروز خلجی جس کا عہد حکومت ۶۸۸ھ / ۱۲۹۰ء -- ۶۹۵ھ / ۱۲۹۷ء۔ اس دور میں ایک فقہی مخطوطہ جو مسائل فقہ احناف پر مشتمل ہے فارسی زبان میں لکھا گیا اس فتاویٰ قراخانی کو قبول قراخان نے مرتب کیا تھا اور مصنف مولانا صدر الدین یعقوب مظفر کرمانی تھے۔ (۱۷)

فیروز شاہ تغلق کا عہد حکومت، ۷۵۲ھ / ۱۳۵۱ء -- ۷۹۰ھ / ۱۳۸۹ء۔ اس دور میں بے شمار علماء صوفیا اور صلحاء کا پتہ چلتا ہے۔ ایک کتاب ہمام صدر الملت والدینؒ یعقوب مظفر کرمانی کی فقہ فیروز شاہی ہے اور فتاویٰ فوائد فیروز شاہی بھی اہم علمی اضافہ ہے۔ اس کے مصنف شرف محمد عطائی تھے۔ یہ فارسی زبان میں حنفی مسلک پر لکھی گئی۔ ابتدائیہ عربی اور فارسی میں ہے۔ تمام موضوعات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ (۱۸)

عہد مغلیہ تک مسلمان برصغیر میں پوری طرح چھا چکے تھے مگر انہوں نے یہاں اسلامی حکومت قائم نہیں کی البتہ کسی حد تک حنفی فقہ رائج تھی۔

ظہیر الدین بابر جس کا آغاز عہد حکومت ۹۰۹ھ / ۱۵۲۶ء ہے۔ فتاویٰ بابری اسی عہد میں لکھا گیا۔ اس کے علاوہ بابر بادشاہ نے اصول مذاہب پر ایک کتاب لکھی۔ خوند میر نے ہمایوں بادشاہ کے ایماء پر قانون ہمایوں کے نام سے فقہ پر ایک کتاب لکھی۔ (۱۹)

اورنگ زیب عالمگیر کا عہد حکومت۔ ۱۰۶۸ھ / ۱۶۵۷ء -- ۱۱۱۸ھ / ۱۷۰۷ء۔ یہ بادشاہ باقیوں کی نسبت علوم و فنون کا دلدادہ تھا۔ حنفی فقہ کا ماننے والا تھا۔ اس نے برصغیر میں ایسی فقہی کتاب کی ضرورت محسوس کی جس سے ایک عام شخص بھی استفادہ کر سکے اور جسے سرکاری آئین کا درجہ حاصل ہو اور جس پر سب عوام و علما متفق ہوں۔ جو پیچیدگیوں سے مبرا ہو۔اس لیے عالمگیر نے جید علماء کرام اطراف و اکناف سے اکٹھے کیے اور ان کے ذمہ ایک جامع قسم کا فتاویٰ لکھنے کا فرض سونپا۔ یہ کتاب فتاویٰ عالمگیری کے نام سے موسوم ہوئی۔ یہ عربی زبان اور حنفی مسلک پر لکھی گئی۔ اس کے فارسی' اردو' انگریزی اور دیگر زبانوں میں تراجم ہوئے۔ برصغیر کے باہر عرب ممالک' شام و مصر اور قاہرہ میں یہ کتاب فتاویٰ ہندیہ کے نام سے موسوم ہے۔ اس میں مزارعت و مساقات کے ابواب خاصی تفصیل سے دیے گئے ہیں۔

○۔ اس کے فارسی مترجم ہیں: قاضی نجم الدین علی خان کاکوروی۔ (پیدائش ۱۱۵۷ھ)

○۔ اس کے اردو مترجم ہیں: سید امیر علی ملیح آبادی (پیدائش ۱۲۷۴ھ)

یہ تو تھا برصغیر کے نامور حکمرانوں کا دور جنہوں نے کسی حد تک حنفی فقہ کو برصغیر میں جاری رکھا۔ اورنگ زیب عالمگیر نے باقیوں کی نسبت زیادہ بہتر کام کیا لیکن اسے ملکی حالات نے مزید موقع نہ دیا کہ وہ یہاں اسلامی شرعی نظام رائج کر سکتا۔ کیونکہ اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد ہندوستان ایک طرف جنگ تخت نشینی لڑتا رہا۔ دوسری طرف علمی و ثقافتی اور اخلاقی پستی نے ملک کو آگھیرا۔ آخرکار انگریز ہندوستان کے سیاہ و سفید کے مالک بن گئے۔ فقہ ناپید ہو گئی۔ علمی فکری و نظری انحطاط شروع ہو گیا۔ (۲۰) اور فتاویٰ عالمگیری قانون بن کر رائج ہونے کی بجائے کتب خانوں میں طالب علموں کے استفادہ کے لیے رکھ دیا گیا۔

عہد برطانیہ

بہادر شاہ ظفر کی حکومت ۱۲۷۴ھ / ۱۸۵۷ء کے بعد جب انگریز برصغیر میں آئے تو قیام پاکستان ۱۳۶۷ھ / ۱۹۴۷ء تک وہ بھی یہاں کوئی باقاعدہ نظام نہ دے سکے۔ بلکہ مقامی لوگوں کے رحم و کرم اور اپنی مطلق العنانیت سے ملی جلی حکومت قائم کر سکے۔ جس کا نتیجہ برصغیر میں بدامنی' سازشوں اور خون خرابے کی صورت میں ظاہر ہوا۔ آخرکار مذہب ہی کی بنیاد پر اس خطے کو تقسیم کر دیا گیا اور اسلام کے نام لیواؤں کے لیے پاکستان بنا دیا گیا۔

فقہ حنفی اہل علم کی سرپرستی میں

برصغیر میں مسلم ممالک سے بے شمار اہل علم آکر آباد ہوئے اور انہوں نے بے شمار مقامی لوگوں کو اپنے فکر و عمل کی بدولت حلقہ بگوش اسلام کیا۔ ان میں سے بے شمار نے تصوف کی راہ اختیار کی۔ جن علماء نے یہاں کے عوام کو شریعت اسلام سے متعارف کروایا ان میں علی ہجویریؒ' شاہ ولی اللہؒ اور مجدد الف ثانیؒ نمایاں ہیں۔

علی ہجویریؒ محمود غزنوی کے عہد میں ۳۸۰ھ -- ۴۱۳ھ بمطابق ۹۹۷ء -- ۱۰۳۰ء میں برصغیر میں آئے آپ نے یہاں لاہور میں قیام کیا۔ لاکھوں لوگ مسلمان ہوئے۔ آپ نے شریعت اسلام پر چلنے کی تلقین کی۔ فقہ پر ایک کتاب کشف المحجوب لکھی جس میں عقائد و عبادات کو وضاحت سے بیان کیا گیا۔

مجدد الف ثانیؒ ۹۷۴ھ / ۱۵۶۴ء میں پیدا ہوئے۔ ان کا تعلق سرہند سے تھا۔ آپ نے اکبر اعظم اور جہانگیر کے زمانہ

حکومت میں دینی، فکری و نظری تحریک چلائی۔ آپ فقہ حنفی کے حامی تھے۔ اکبر کے دین الٰہی کے خلاف آپ نے کامیاب مہم چلائی۔ نور جہاں اور آصف خان شیعہ تھے۔ برصغیر میں انہوں نے شیعہ مسلک کو پھیلانا چاہا آپ نے اس تحریک کو بھی کچلا۔ ایک موقع پر آپ نے فرمایا کہ

"اسلامی شعائر میں سے ایک نشان اسلامی شہروں میں قاضیوں کا تقرر ہے جو گزشتہ زمانہ سے ہی محو ہے۔ سرہند میں جو اسلام کے بڑے شہروں میں سے ہے کئی سال سے کوئی قاضی نہیں رہا۔" (۲۰)

شاہ ولی اللہؒ محدث دہلوی ۱۱۱۴ھ / ۱۷۰۳ء میں پیدا ہوئے۔ یہ مغل حکمران اورنگ زیب کی وفات کے بعد کا دور تھا۔ ہر طرف معاشی، معاشرتی، مذہبی اور اخلاقی بدحالی، افراتفری اور مایوسی کا عالم تھا۔ ایسے حالات میں شاہ ولی اللہ صاحب نے ہندوستان کے مسلمانوں کے اندر مذہبی بیداری کی تحریک کا آغاز کیا۔ آپ نے فقہ حنفی پر خصوصی توجہ دی ہدایہ اور فتاویٰ عالمگیری سے بھی بلند پایہ کتب تحریر کیں۔ اجتہاد اور تقلید کی اسلام میں اہمیت پر روشنی ڈالی۔ اصول تفسیر اور اصول فقہ مرتب کئے۔ چاروں فقہوں کا تقابل کیا۔ اختلافی مسائل کو حل کیا۔ عقیدہ و عمل کی اصلاح کی۔ ان کی اہم کتب میں سے عقد الجید، الفوز الکبیر، حجۃ اللہ البالغہ وغیرہ ہیں۔ (۲۱)

حجۃ اللہ البالغہ میں شاہ صاحب لکھتے ہیں :

والارض کلھا فی الحقیقہ بمنزلہ مسجدا و رباط جعل و قفا علی ابناء السبیل و ھم شرکاء فیہ فیقدم الاسبق فالاسبق و معنی الملک فی حق الادمی کونہ احق بالانتقاع من غیرہ"

(زمین ساری کی ساری در اصل بمنزلہ مسجد یا سرائے کے ہے جو مسافروں پر وقف کی گئی ہو اور وہ سب اس میں برابر کے شریک ہیں پس پہلے آنے والے کا حق مقدم ہو گا اور ملک کے معنی آدمی کے حق میں ہیں کہ وہ دوسروں کی نسبت اس چیز سے انتفاع کا زیادہ حق دار ہے) (۲۲)

ایک دوسری جگہ شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں :

ان کان امتنماء فیھا لیس لہ دخل فی التعاون او بما ھو تراض یشبہ الاقتصاب فلیس من العقود المرضیۃ ولا الاسباب الصالحۃ وان ھو باطل و صحت باصل الحکمۃ الملینۃ

(اگر معاشرہ کے ارتقاء میں افراد کا تعامل اس طرز کا ہو کہ اس میں تعاون کو دخل نہ ہو یا ان کی رضامندی حقیقت و معنی کے لحاظ سے ظلم و ناانصافی کا حکم رکھتی ہو تو ایسے معاملات پسندیدہ نہیں ہیں۔ اور نہ ہی وہ معیشت کے اسباب صالحہ سے ہیں بلکہ وہ حکمت مدنیہ کے لحاظ سے باطل و حرام ہیں) (۲۳)

غرض شاہ صاحب کے نزدیک نزاع و فساد کا باعث بننے والا ہر عمل اسلام میں ناجائز ہے۔ اس کے لیے ہر معاملہ میں اسلام نے قاعدہ اور کلیہ واضح کر دیا ہے جس کو اختیار کرنا سب پر لازم ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے مزارعت کے جواز میں فتویٰ دیا ہے البتہ یہاں بھی اس کے اندر نزاع و فساد پیدا کرنے والی صورتوں کو حرام ہی کیا ہے۔

حجۃ اللہ البالغہ میں ہی آگے لکھتے ہیں :

"مخابرت و آں عمل کردن در زمین است بشرط بعض خارج زمین و بذر از یکے باشد و عمل از دیگرے جائز است یا نہ؟ میں فقیر دریں مسئلہ ۔مذہب امام احمد است از جواز ہر دو" (۲۴)

حواشی

(۱) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد ۱۵ ص ۸۰۰ (بحوالہ الذھبی العبر)

(۲) i-رفیع اللہ شہاب، حنفی فقہ کی تدوین، (رسالہ فکر و نظر ۱۹۶۷ء) ص ۶۰

ii-عبدالسلام ندوی مولانا، تاریخ فقہ اسلامی ص ۳۲۵

(۳) i-رفیع اللہ شہاب، حنفی فقہ کی تدوین (رسالہ فکر و نظر ۱۹۶۷ء) ص ۶۰-۶۲

ii-اردو دائرہ معارف اسلامیہ، الحنیفہ۔ ص ۶۸۶

iii-اردو دائرہ معارف اسلامیہ، فقہ امام ابو یوسف ص ۹۳۶

(۴) ابن الندیم، الفہرست ۔(مترجم مولانا محمد اسحاق بھٹی ۔)ص ۲۰۳

(۵) i-شبلی نعمانی، سیرت النعمان ص ۳۹۶

ii-مناظر احسن گیلانی، امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی ص ۳۶۶

(۶) i-رئیس احمد جعفری، آثار امام محمد و امام ابو یوسف ص ۴۳

ii-صبحی محمصانی ڈاکٹر، فلسفہ شریعت اسلام ص ۴۲

iii-اردو دائرہ معارف اسلامیہ فقہ ۴۰۸

iv-حافظ الدین محمد بن شہاب المعروف بابن البزار الکردری، فتاوٰی البزازیہ مناقب امام الاعظم ابی حنیفہ جز ۲، ص ۱۶۲، مطبوعہ، حیدر آباد دکن

(۷) اردو دائرہ معارف اسلامیہ فقہ جلد ۱۵ ص ۴۰۹

(۸) i-اردو دائرہ معارف اسلامیہ الحنیفہ جلد ۲ ص ۶۸۶

ii-عبدالسلام ندوی، تاریخ فقہ اسلامی، ص ۳۲۵

iii-ابو زہرہ مصری، امام ابو حنیفہ مترجم رئیس احمد جعفری ص ۳۷۸

(۹) i-شبلی نعمانی مولانا، سیرت النعمان ص ۱۶۳

ii-ابو زہرہ مصری، امام ابو حنیفہ، مترجم رئیس احمد جعفری ص ۳۸۰-۳۷۹

(۱۰) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، فقہ ص ۴۱۰، جلد ۱۵

(۱۱) عبدالسلام ندوی، تاریخ فقہ اسلامی ص ۳۳۰

(۱۲) i-ابو زہرہ مصری، امام ابو حنیفہ، مترجم رئیس احمد جعفری ص ۳۸۰

ii-اردو دائرہ معارف اسلامیہ، الحنیفہ، جلد ۲ ص ۶۸۶

iii-محمد راغب، تاریخ افکار و علوم اسلامیہ، ص ۵۷-۵۹

(۱۳) امام ابن خلدون، مقدمہ ابن خلدون، (مترجم مولانا راغب رحمانی ۔)ص ۴۶۸

(۱۴) i-ابو الوفا افغانی، جواہر الحنفیہ، ص ٦

ii-محمد زاہد الحسینی قاضی، خلاصہ فقہ اسلامی ص ۲۰

iii-محمد اسحاق بھٹی مولانا، برصغیرپاک و ہند میں علم فقہ، ص ۱۴

(۱۵) i-اردو دائرہ معارف اسلامیہ، فقہ جلد ۱۵، ص ۸۰۲

ii-عبدالحیٔ لکھنوی، اسلامی علوم و فنون ہندوستان میں ص ۵۰

(۱٦) محمد اسحاق بھٹی مولانا، برصغیرپاک و ہند میں علم فقہ، ص ۱۵

(۱۷) i-محمد اکرام شیخ، آب کوثر ص ٦۰

ii-محمد اسحاق بھٹی مولانا، برصغیرپاک و ہند میں علم فقہ، ص ۱٦

(۱۸) عبدالحیٔ لکھنوی، اسلامی علوم و فنون ہندوستان میں ص ۵۴

(۱۹) i-محمد اسحاق بھٹی مولانا، برصغیرپاک و ہند میں علم فقہ، ص ۱۷

ii-فقیر محمد جہلمی، حدائق الحنفیہ ص ٦۰

iii-عبدالستار حافظ، مراۃ التصانیف، حامد اینڈ کمپنی لاہور ۱۴۰۰ھ

(۲۰) i-شیخ محمد اکرام، رود کوثر، ص ۵۴

ii-محمد اسحٰق بھٹی مولانا، برصغیرپاک و ہند میں علم فقہ، ص ۲۰

(۲۱) i-شاہ ولی اللہ، عقد الجید، مترجم مولوی محمد حسین صدیقی ص ۳۰

ii-اردو دائرہ معارف اسلامیہ، لاہور، شاہ ولی اللہ، جلد ۱۸ ص ۴۰۰

iii-رحیم بخش مرحوم، حیات ولی، ص ۸۰

(۲۲) شاہ ولی اللہ امام، حجتہ اللہ البالغہ (مترجم مولانا عبدالرحیم) جلد ۲، ص ۱۰۴

(۲۳) شاہ ولی اللہ امام، حجتہ البالغہ، (مترجم مولانا عبدالرحیم) جلد ۲، ص ۱۰۳

(۲۴) شاہ ولی اللہ امام، حجتہ البالغہ، (مترجم مولانا عبدالرحیم) جلد ۲، ص ۱۰۳

فصل III فقہ حنفی کی خصوصیات

یہاں فقہ حنفی کی ان خصوصیات کا ذکر کیا جائے گا جو تمام ادوار میں حنفی فقہا میں یکساں نظر آتی ہیں۔ انہی خصوصیات کی وجہ سے دیگر فقہی مذاہب میں اس فقہ کو نمایاں مقام حاصل ہے جس کے نتیجہ میں متعدد اسلامی حکومتوں میں اس فقہ کو آئینی دستور العمل مانا گیا۔ ان میں سے سب سے اہم قیاس ورائے ہے۔

۱۔ قیاس ورائے کا استعمال

حنفی فقہ میں کتاب و سنت ؐ کو بنیادی ماخذ مانا جاتا ہے لیکن قیاس ورائے کا استعمال بھی درست کہا گیا ہے۔ اپنے اسی ماخذ کی پیروی کی بنا پر احناف اہل الرائے کہلائے اور بیشتر اوقات کمزوری اور طعن کا پہلو لیے ہوئے ہیں۔ حنفی فقہ میں اس کی اجازت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد مبارکہ سے اخذ کی گئی ہے جب انہوں نے معاذ بن جبلؓ کو یمن کا حاکم مقرر کرتے وقت آخر میں قیاس کی اجازت دی تھی۔(۱)

حدیث نبویؐ ہے :

"عن معاذ بن جبلؓ أنّ رسولَ اللّٰہ لمّا بعثہ الی الیمن قال کیف تقضی اذا عرض تلک قضاء قال اقضی بکتاب اللّٰہ قال فان لم تجد فی کتاب اللّٰہ قال فبسنّۃ رسولَ اللّٰہ و قال فان لم تجد فی سنۃ رسولَ اللّٰہ قال أجتھد برای ولا لو قال فضرب رسولَ اللّٰہ علی صدرہ و قال الحمد اللّٰہ الذی وفق رسول اللّٰہ بما یرضی بہ رسول اللّٰہ "(۲)

قیاس کے بارے میں امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں :

نحن لا نقیس فی مسالۃ الا عند الضرورۃ و ذلک اذا لم نجد دلیلاً فی الکتاب والسنۃ ولا فی اقضیۃ الصحابہ فنعمل بما تنفق علیہ الاصحابہ فان اختلوا قسنا حکمًا علی حکم اذا اشتر کا فی العلۃ الجامعۃ بینھا حتی یضع المعنی و ما جاء عن غیرھم فھم " (۳)

نیکولس پی ایگنیڈس اپنی کتاب میں قیاس ورائے کے متعلق لکھتا ہے :

"It is true that Abu-Hanifah also introduced the Principle of Istihsan which was really a case of using ra'y, but all the schools were quitly of that practice. The only difference between abu-Hanifah and the rest was that Abu-Hanifah was conscious of what he was doing and was not afraid of openly admiting it, while the others did the same thing in a more or less concealed way."(۵)

قیاس ہی کی ایک شاخ استحسان ہے احناف اسے قیاس خفی کہتے ہیں۔ استحسان کے معنی ہیں کسی مسئلے کو اس کے حکم کے باب میں اس کے نظائر سے کاٹ دینا۔ یعنی از روئے قیاس ظاہر جو حکم ہونا چاہیے اس سے ہٹ کر کوئی اور فیصلہ کیا جانا۔ احناف کا اس

بارے موقف یہ ہے کہ استحسان کے اصول کا مقصد یہ ہے کہ حدود شرع میں رہ کر انسانوں کے مابین زیادہ سے زیادہ مصلحت، عدل و انصاف، دفع ضرر، تیسر (آسانی) اجتماعی و انفرادی خیر کی صورتیں میسر ہوں۔(۶)

۲۔ اولیّن مدوّن فقہ

نیکولس نے ہی اپنی کتاب میں مزید لکھا ہے کہ اصول فقہ کو مدوّن کرنے کا کام پہلی دفعہ امام ابو حنیفہ نے ہی کیا تھا۔

"......he made the first attempt to codify the Mohammedan law, using q̄iyas as one of his bases. In doing this abu-Hanifah incidently evolved a theory of law (us̄ulal-fiqh) for the first time."(۷)

امام ابو حنیفہؒ کے دور سے پہلے فقہ کی تدوین صرف زبانی روایت تھی۔ پھر جو کچھ لکھا جاتا فن کی حیثیت سے نہ تھا نہ استنباط و استدلال کے قواعد مقرر تھے۔ احادیث میں مراتب کا امتیاز نہ تھا۔ قیاس اور شبہ النظیر علی النظیر کے قواعد مقرر تھے۔

امام ابو حنیفہؒ نے اس کے برعکس فقہ کو باقاعدہ مدون کرنے کے اصول و ضوابط وضع کیے اور مجموعہ قوانین تیار کیے بعد میں امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے اس مجموعہ کے قوانین کو توضیح و تفصیل سے لکھا اور ہر مسئلہ پر استدلال و برہان کے ایسے حاشیے اضافہ کیے کہ انہیں کو رواج عام ہو گیا۔(۸)

۳۔ لچک

فقہ حنفی کی ایک اور خصوصیت لچک ہے۔ اس وجہ سے فقہ حنفی بہت جلد تمام ممالک میں پھیلا اور اسلامی حکومتوں نے اس فقہ کو آئین دستور العمل بنایا۔ کسی بھی آئین کی خوبیوں میں سے ایک اس کا لچکدار ہونا ہے۔ یعنی درجہ بدرجہ ماخذ فقہ کو مسئلہ کے حل کے لیے استعمال کیا جاتا ہے قرآن، حدیث، قیاس، استحسان، اجتہاد وغیرہ۔ فقہ حنفی میں لچک کی ایک صورت حیلہ بھی ہے۔ حیلہ کی وجہ سے فقہ کو معروضی حالات کے مطابق بنایا جا سکتا ہے۔ اس ضمن میں حنفی فقہی امام محمدؒ اور الکساف نے بڑا کام کیا ہے۔ اسی طرح لچک کے سلسلہ میں حنیفہ کا امتیازی اصول استحسان ہے۔ اس لیے معاشیات کے متعلق لٹریچر کی فقہ حنفی میں کبھی کمی محسوس نہیں ہوتی۔ اور ان کا مناسب اضافہ شروط کے لٹریچر کا اضافہ ہے۔ پھر یہ سوال کہ مختلف معاشی معاہدوں کو کیا قانونی شکل دی جائے یہ اس اہم فقہی شعبہ کا مرکزی مدعا رہا ہے اور اس سلسلہ میں فقہ حنفی کی خدمات کبھی بھی نظرانداز نہیں کی جا سکتیں۔(۹)

مولانا شبلی نعمانی کے خیال میں فقہ حنفی کا قبول عام اس وجہ سے نہیں ہوا کہ قاضی ابو یوسف عباسیوں کے قاضی تھے بلکہ اس کی وجہ درج ذیل ہے

"..... کہ امام ابو حنیفہؒ کا طریقہ فقہ، انسانی ضرورتوں کے لیے نہایت مناسب اور موزوں واقع ہوا ہے اور بالخصوص تمدن کے ساتھ جس قدر ان کی فقہ کو مناسبت تھی کسی اور فقہ کو نہ تھی۔"(۱۰)

۴۔ قابل عمل فقہ

امام صاحب تعلیم و تدریس سے پہلے منجھے ہوئے تاجر بن چکے تھے معاشرتی معاملات تجارتی معاملات اور مسائل سے خوب واقفیت تھی۔ حصول تعلیم کے بعد آپ علمی اور عملی زندگی پر مسائل کو احسن طریقہ سے تطبیق کر سکتے تھے۔ اس طرح آپ کی فقہ

زیادہ قابل عمل ثابت ہوئی اور اصول عقلی کے مطابق بھی۔(۱۱)

پھر یہ فقہ شورائی طریقہ کار کے تحت مدون کی گئی۔ فقہ حنفی کے مسائل سہل ہیں۔ اس کے احکام کی تعمیل مسلمان آسانی سے کر سکتے ہیں۔

۵۔ معاشی مسائل پر خاص توجہ

دیگر موضوعات کے علاوہ امام ابو حنیفہ نے معاشی موضوعات کو زیادہ اہمیت دی ہے۔
اوڈووچ لکھتے ہیں کہ

"Taken as a whole, Islamic law reflects and fits the social and economic conditions of the early Abbasid Period.(۱۲)

امام صاحب نے بنیادی معاشی مسائل زکوۃ، زراعت، سود، وراثت، بیع و شراء، شراکت، مضاربت، مساقات، قرض، ہبہ وغیرہ کے متعلق بہت ہی وضاحت سے بیان کیا ہے۔

امام صاحب کو اجتہاد میں تمام آئمہ پر فوقیت حاصل ہے کیونکہ اجتہاد کا مدار زیادہ تر استنباط اور استخراج پر ہے اس پر امام صاحب خوب قدرت رکھتے تھے۔ اس لیے اکثر معاشی مسائل وراثت زکواۃ وغیرہ میں امام صاحب نے امام شافعی اور امام مالک اسے اختلاف کیا ہے۔(۱۳)

تاہم امام ابو حنیفہؒ نے یہ گنجائش باقی رکھی ہے کہ بعد میں زمانے کے تقاضوں سے جو نئے نئے مسائل ابھریں اگر ان کے متعلق آئمہ مذہب سے کچھ منقول نہ ہو تو علمائے وقت ان کا فیصلہ دیں جسے آئندہ حنفی مذہب کا جزو شمار کیا جائے۔(۱۴)

حواشی

(۱) i-اردو دائرہ معارف اسلامیہ ' فقہ جلد ۱۵ ص ۴۲۱

ii-رفیع اللہ شہاب پروفیسر ' فقہ حنفی کی تدوین ' ص ۵۴۰ (رسالہ فکر و نظر ۱۹۶۷ء)

(۲) امام ولی الدین محمد بن عبداللہ خطیب ' مشکواۃ المصابیح جلد ۵ (باب العمل فی القضاء والخوف منہ ') مکتبہ رحمانیہ ' لاہور

(۳) نظام الدین الشاشی ' اصول الشاشی ' مترجم پروفیسر غازی احمد ' المکتبہ العلمیہ ' لاہور

(۴) امام ابو حنیفہ ' مسند الامام ابو حنیفہ ' تقدیم و تحقیق صفوۃ الصفا (مکتبہ ربیع حلب السعر)

(۵) Nicolas P. Aghnides: Mohammedan Thesies of Finance, New York, 1916, P-139.

(۶) اردو دائرہ معارف اسلامیہ ' فقہ ' جلد ۱۵ ص ۴۲۲

(۷) Nicolas P. Aghnides: Mohammedan Thesies of Finance, New York, 1916, P-140.

(۸) i-حمید اللہ محمد ' امام ابو حنیفہ کی تدوین قانون اسلامی ' ص ۵۰ ' اردو اکیڈمی کراچی ۱۹۶۵ء

i-محمد یوسف الدین ' اسلام کے معاشی نظریے ' کراچی ۱۹۸۴ء

(۹) اردو دائرہ معارف اسلامیہ ' جلد ۱۴ ص ۴۰۹

(۱۰) اردو دائرہ معارف اسلامیہ ' فقہ ' جلد ۱۵ ' ص ۴۲۳

(۱۱) i-اردو دائرہ معارف اسلامیہ ' جلد ۱۵ ' فقہ ' ۴۳۳

ii-احمد حسن خطیب ' فقہ الاسلام ' مترجم رشید احمد ارشد ' ص ۸۴

(۱۲) Adovitch, Abraham L: Partnership & profit in Medieval Islam. P-13

(۱۳) اردو دائرہ معارف اسلامیہ ' فقہ ' جلد ۱۵ ' ص ۴۲۴

(۱۴)(رفیع اللہ شہاب پروفیسر ' فقہ حنفی کی تدوین ' ص ۵۳۳ (رسالہ فکر و نظر ۱۹۶۷ء)

فصل IV طبقات فقہائے حنفیہ

فقہاء کے سات طبقات ہیں

۱۔ مجتہد مطلق: جو قواعد و اصول مقرر کر کے بدون کسی کی تقلید کے استنباط احکام کرتے ہیں۔ مثلاً امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالک، امام حنبل

۲۔ مجتہد مطلق منتسب: جیسے امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر۔ یعنی یہ لوگ امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب ہیں۔ اسی طرح مندرجہ بالا فقہا کے شاگرد اس میں آتے ہیں۔

۳۔ مجتہد فی المذہب: بعد میں آنے والے فقہا کو جہاں کوئی مسئلہ صراحۃ اپنے امام کی فقہ میں نہ ملا تو انہوں نے اپنے امام کے قواعد و کلیہ سے اس کو اجتہاد کر کے ثابت کیا۔ یہاں امام طحاوی، امام کرخی، امام سرخسی، امام خصاف آتے ہیں۔

۴۔ اصحاب التخریج: جو اجتہاد پر ہرگز قادر نہیں مگر اپنے امام کی فقہ کے فروع و اصول میں کمال رکھتے ہیں۔ یعنی اگر کوئی حکم مبہم / مجمل امام حنیفہ یا ان کے شاگردوں سے منقول ہے جس کے دو معنی ہو سکتے ہیں تو یہ لوگ اس کی تفصیل یا تاویل کر دیتے ہیں۔ اس طبقہ میں امام قاضی خان، امام ابی بکر رازی، امام المرغینانی (صاحب ھدایہ) داخل ہیں۔

۵۔ اصحاب الترجیح: یہ لوگ نہ اجتہاد کی طاقت رکھتے ہیں نہ تخریج کر سکتے ہیں لیکن قوی و ضعیف میں تمیز کر سکتے ہیں۔ اس طبقہ میں ابی الحسین احمد قدوری آتے ہیں۔

۶۔ اس طبقہ کے اصحاب صرف یہ تمیز کر سکتے ہیں کہ یہ روایت قوی مفتی بہ ہے یا نہیں یا یہ مسئلہ ظاہر الروایت کا ہے۔ یا روایت نوادر کا۔ اس طبقہ میں شمس الائمہ محمد کروری جمال الدین کروری مصری (صاحب کنز۔ صاحب المختار) وغیرہ آتے ہیں۔

۷۔ اس طبقہ میں مقلد لوگ آتے ہیں جن کو کسی قدر بھی طاقت نہیں اور حقیقت میں یہ لوگ فقہا میں داخل ہیں۔(۱)

حواشی

(۱) صبحی محمصانی، فلسفہ شریعت اسلام، ص ۳۰

بابِ دوّم

باب دوم: مزارعت و مساقات قرآن و سنت و آثار کی روشنی میں

باب دوم: مزارعت و مساقات قرآن و سنت و آثار کی روشنی میں

آیت قرآنی انّ الارض للہ یورثھا من یّشاء من عبادہٖ○

"زمین تو اللہ ہی کی ہے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے" (القرآن الحکیم الاعراف: ۱۲۸)

حدیث نبویؐ انّ الارض ارض اللہ والعباد اللہ من احیاء ارضاً میتۃ" فھی لہ

(زمین بھی اللہ کی ہے اور بندے بھی اللہ کے ہیں جو شخص بنجر زمین کو مزروعہ بنائے گا وہ اس کی ہوگی) (الجامع الصحیح المسلم۔ باب زراعت، جلد ۲)

فصل I مزارعت و مساقات قرآن حکیم میں

قرآن پاک میں مزارعت و مساقات سے متعلق صراحت سے ذکر موجود نہیں البتہ زراعت، باغبانی اور آبپاشی کی ضرورت اور اہمیت تفصیلاً" بیان کی گئی ہے۔ کیونکہ مزارعت و مساقاۃ ایک معاشی معاہدہ ہے اور معاشی معاملات و معاہدات کے جواز و عدم جواز سے متعلق قرآن نے اصولی اور کلی مبداء عام واضح کردیا ہے۔ اس لیے تمام معاشی معاہدات جس پر پرکھے جائیں گے وہ سورۃ بقرہ کی یہ آیہ ہے۔

واحلّ اللہ البیع و حرّم الربٰو○

"اور اللہ نے معاملہ بیع کو حلال اور معاملہ ربو کو حرام ٹھہرایا ہے"۔ (۱)

بعینہ اگر مزارعت و مساقات معاملہ بیع کے مشابہ ہے تو ازروئے قرآن حلال اور جائز ہے اور اگر معاملہ ربو کے مماثل ہے تو حرام اور ناجائز ہے۔ یہ غور کرنا علمائے دین، مفسرین قرآن اور فقہا کا کام ہے جس پر تفصیلی بحثیں ہمیشہ ہر دور میں ہوتی رہی ہیں۔ مفسرین حضرات میں سے علامہ ابن کثیر تحریم ربو کی آیات کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

"انّما حرمت المخابرۃ وھی المزارعہ ببعض مایخرج من الارض، والمزابنہ وھی اشتراء الرطب فی رؤوس النّخل بالتمر علی وجہ الارض، والمحاقلہ وھی اشتراء الحب فی سنبلہ فی الحقل بالحب علی وجہ الارض، انما حرمت ھذہ الاشیاء وما شاکلھا المادہ الربو" (۲)

(سوائے اس کے نہیں کہ حرام ٹھہرائے گئے ہیں مخابرہ جو پیداوار زمین کے ایک حصہ پر مزارعت کا نام ہے اور مزابنہ جو نام ہے، درخت پر لگی تازہ کھجوروں کو زمین پر پڑے خشک چھوہاروں کے عوض خریدنا اور محاقلہ جو خوشوں میں محفوظ غلہ کو جو کھڑی کھیتی میں ہو۔ خشک غلہ کے بدلے خریدنا یہ اور اس قسم کے دوسرے معاشی معاملات صرف اس لیے حرام ٹھہراتے گئے ہیں کہ ربو کا کلی طور پر خاتمہ ہوجائے)۔ **اس** عبارت میں جن چند اقسام کا ذکر کیا ہے انہیں سود کے قریب ہونے کی وجہ سے حرام قرار دیا گیا ہے۔ یہاں یہ واضح ہو رہا ہے کہ دیگر اقسام جن میں ان حرام کردہ اقسام کی خصوصیات نہ ہوں جائز ہیں۔ جن کو آگے بیان کیا جائے گا۔

مفسر علامہ القرطبی نے تحریم ربو کی آیت قرآنی فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب مّن اللہ و رسولہ کی تفسیر میں درج ذیل عبارت لکھی ہے۔

"هذا الوعيد الذی وعدالله به فی الربو من المحاربة فلورد عن النبیؐ مثله فی المخابرة عن جابر بن عبدالله قال سمعت رسول الله یقول من لم یذر المخابرة فلیوذن بحرب من الله ورسوله و هذا دلیل علی منع المخابرة وهی اخذ الارض بنصف او ثلث او ربع یسمی المزارعه و اجمع اصحاب مالک کلهم والشافعی وابوحنیفه واتباعهم وداؤد علی انہ' لا یجوز دفع الارض علی الثلث والربع ولا علی جزو ممایخرج من الارض" (۳)

(اللہ اور اس کے رسولؐ سے جنگ کی یہ وعید و دھمکی جو ربو کو نہ چھوڑنے والوں کے لیے اللہ نے اس ایت میں فرمائی ہے ٹھیک اسی طرح کی وعید رسول اللہ نے مخابرہ کو نہ چھوڑنے والوں کے لیے بھی فرمائی ہے جابرؓ بن عبداللہ راوی ہیں کہ میں نے رسول اللہ سے سنا آپؐ نے فرمایا جو مخابرہ کو نہ چھوڑے اس کے لیے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ ہے۔ یہ حدیث مخابرہ کے ممنوع ہونے کی دلیل ہے اور مخابرہ نام ہے زمین کو کاشت کے لیے نصف تہائی یا چوتھائی پیداوار پر لینا دینا اسی کا دوسرا نام مزارعت ہے تمام مالکی "علماء امام شافعی"' امام ابوحنیفہؒ اور ان کے کچھ متبعین اور داؤد ظاہری کا اس پر اجماع ہے کہ زمین کو پیداوار کے تہائی' چوتھائی اور کسی حصہ پر دینا جائز نہیں)۔ اس حوالے کی رو سے معاشی معاہدات میں جہاں کہیں کسی ایک فریق سے زیادتی پائی جاتی ہو یا سود کا راستہ نکلتا ہو اس کی روک تھام مقتدر وقت ہر طریقے سے کر سکتا ہے۔ حتکہ جنگ بھی کرے گا حکم کی اس شدت کے سبب مذکورہ آئمہ نے مزارعت کی تمام اقسام حرام و ناجائز قرار دیں جبکہ دیگر آئمہ اس کی ناجائز اقسام کی نشاندہی کر کے باقی جائز اقسام کو درست مانتے ہیں کیونکہ زراعت وکھیتی باڑی اس کے بغیر نہ ہونے کے مترادف رہ جاتی ہے۔ عوام الناس کو اس کے بغیر زندگی کا تصور مہیا نہیں کیا جا سکتا۔

موضوع زیر بحث (مزارعت و مساقات) کی وضاحت کی لیے قرآن پاک کی روشنی میں زراعت و باغبانی کی اہمیت کا جائزہ لیا جانا بہت ضروری ہے تاکہ زراعت و باغبانی میں خود کاشتی کی بناء پر جو دوسری شکلیں از خود پیدا ہو سکتی ہیں ان کو زیر بحث لایا جائے۔

زراعت و باغبانی کی فضیلت از روئے قرآن

قرآن پاک میں زراعت و باغبانی کے پیشے کا ذکر کئی مقامات پر کیا گیا ہے اور اسے خیر و برکت والا ذریعہ معاش قرار دیا گیا ہے۔

اللہ تعالی فرماتا ہے۔ :

هوالذی مدالارض وجعل فیها رواسی وانهر ومن کل الثمرات جعل فیها زوجین اثنین ..... ○(۴)

(اور وہی ہے جس نے زمین کو پھیلایا اور اس میں پہاڑ بنائے دریا جاری کئے اور ہر طرح کے پھلوں

کی دو دو قسمیں پیدا کیں----)

قرآن پاک میں ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

هوالّذی خلق لکم مّافی الارض جمیعاO (۵)

(وہی ہے جس نے تمہارے لیے وہ سب کچھ پیدا کیا جو زمین میں ہے)

موضوع زیر بحث سے متعلق مزید اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اللّٰہ الّذی خلق السّمٰوت والارض وانزل من السّمآء ماء" فاخرج بہ من الثمّرات رزقاً لّکمO

(۶)

(اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی برسایا پھر اس کے ذریعہ سے تمہارے رزق کے لیے پھل نکالے)

مذکورہ آیات قرآنی میں زراعت و باغبانی کی ترغیب دی گئی ہے جبکہ آنے والی آیات میں ان نعمتوں کے حاصل کرنے کے بعد بے شمار ذمہ داریاں بھی عائد کردی ہیں کہ انسان یہ سب لینے کے بعد خود غرض اور ظالم نہ بن جائے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوا ہے۔

افرائیتم ماتحرثون ئانتم تزرعونہ ام نحن الزارعون' لونشاء لجعلناہ حطاما" فظلتم تفکھون انا لمغرمون بل نحن محرومونO (۷)

(بھلا بتاؤ تم کھیتی کرتے ہو اور تم پیداوار بناتے ہو یا ہم اگر ہم چاہیں تو اس کو چورا چورا کریں اور تم پھر باتیں بناؤ گے کہ بلاوجہ ہم پر تاوان ڈالا ہم تو محروم رہ گئے)۔

اللہ تعالیٰ نے پھر ان نعمتوں کے بارے زبانی ہی شکر گذار ہونے کا نہیں کہا بلکہ شکر گزار ہونا فرض عبادت قرار دیا کہ زکوۃ اور عشر ادا کرو جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

و اتوا حقّہ یوم حصادہO (۸)

(فصل کاٹنے کے دن زمین کی پیداوار میں سے خدا کا حق ادا کرو)۔

اپنی محنت پر گھمنڈ کرنا اترانا اور لالچ بغض حرص طمع یہ سب عادات اللہ کو سخت ناپسند ہیں اس کے بارے فرمایا کہ زکوۃ و عشر کے علاوہ مساکین غربا کا حق صدقہ و خیرات کی صورت میں ادا کرو۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

ان اغدوا علی حرثکم ان کنتم صارمینO (۹)

(اور یہ کہ صبح سویرے چلو اپنے کھیتوں پر اگر تم اسے کاٹنے والے ہو۔)

یہ آیت باغ والوں کے قصہ سے تعلق رکھتی ہے جو سورہ قلم میں بیان ہوا ہے کہ جب باغ اور کھیت تیار ہو جاتے تو وہ لوگ فصل اکٹھی کرنے آدھی رات کو چل پڑتے کہ صبح تک اسے سمیٹ لیں تاکہ مسکین اور فقیر لوگ آکر اپنا حق نہ مانگیں اور ہمیں دینا

نہ پڑے تو اللہ نے صدقہ و خیرات سے منحرف ہونے کی سزا میں ایسی آفت سماوی بھیجی کہ ان کے کھیتوں کو تہس نہس کردیا۔ اور جب کھیتوں پر گئے تو آزردہ ہوئے اور ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے اور اپنی زیادتی اور سرکشی کی معافی مانگنے لگے۔ (۱۰)

قرآن پاک کی مذکورہ آیات کا بغور جائزہ لیں تو اس سے کہیں ایسا اشارہ نہیں ملتا کہ یہ خود کاشتی کے بارے اہمیت زراعت ہے یا معاہدہ مزارعت و مساقات بلکہ محض کھیتی باڑی سے متعلق حکم ہے۔ اس لیے مزارعت و مساقات کی شرعی حیثیت متعین کرنا علمائے دین کی ذمہ داری ہے۔

جیسا کہ قرآن پاک سے استدلال کرتے ہوئے میر غلام قادر ہمدانی خاکسار لکھتے ہیں۔ :

زمین پر جو حقوق خود کاشتی کی بنا پر قائم ہوتے ہیں وہ اصح اور خارج از بحث ہیں یہ حق ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ زمین پر حقوق کی دوسری شکلیں جو از خود پیدا ہوسکتی ہیں۔ درج ذیل ہیں یعنی ھبہ۔ بیعہ۔ ترکہ کی صورت میں اگر مزارعت و مساقات کے معاہدہ کو کلیۃ" حرام کردیا جائے تو قرآن کے وہ احکامات جو ھبہ' بیعہ اور ترکہ کے بارے میں قرآن سے ثابت ہیں ان پر براہ راست زد پڑتی ہے۔ اس لیے خود کاشتی کے علاوہ کاشت کے وہ طریقے بھی درست شمار ہونگے جن میں دوسرے کی حق تلفی نہ ہو اور ربو کی کوئی آلائش نہ ہو۔ اس صورت کو وہ مضاربہ اور شراکت اور اجارہ پر مبنی کرتے ہیں۔ یعنی اس طرح درج ذیل جائز صورتیں سامنے آتی ہیں۔

۱۔ خود کاشتی

۲۔ زمین ایک کی آلات' محنت' بیج دوسرے کی تو یہ زمین کو اجارہ لینا ہوا۔

۳۔ زمین' بیج اور آلات ایک کے محنت دوسرے کی یہ مضاربہ پر مبنی ہے

۴۔ زمین بیج آلات اور محنت میں دونوں فریق شامل ہوں یہ شراکت ہے اور پیداوار میں برابر شریک ہوں۔ یا یومیہ اجرت بھی دی جاسکتی ہے۔

اس کے علاوہ تمام شکلیں حرام اور ربو سے مشابہ ہونگی۔

یہاں یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ استثنائی حالت میں خود کاشتی کے علاوہ باقی مذکورہ تین صورتیں جائز ہونگی ۔

مثلاً اگر کسی کو زمین ایک مسلمہ مالک قابض سے بیع۔ ھبہ اور ترکہ سے پہنچے تو جسے زمین ملے گی اس کے نام حق انتفاع قائم ہوجائے گا۔ اگر نیا مالک درج ذیل وجوہ کی بنا پر کھیتی خود کاشت کرنے کے قابل نہ ہو تو مصنف کے خیال میں استثنائی صورت پیدا ہوجائے گی۔

جیسا کہ

الف۔ اگر وہ کھیتی باڑی کے علاوہ کسی اور مشغلہ میں زندگی گزار رہا ہو۔

ب۔ اگر وہ تجارت کرتا ہو ۔

ج۔ اگر حکومت کے عمّال کی حیثیت سے ملازم ہو۔

د۔ اگر وہ صناع ہو۔

ہ۔ اگر وہ عورت ہو۔

و۔ اگر وہ اس قابل ہی نہیں کہ وہ زمین میں کاشت کاری اپنے ہاتھ سے کر سکے (یعنی معذور ذہنی یا جسمانی)

تو مصنف کی رائے میں ایسی تمام صورتوں میں مالک زمین اپنی زمین انتفاع کی خاطر بیان کردہ تین صورتوں میں سے کسی ایک کو اختیار کر کے مزارعت کا اہتمام کر سکتا ہے۔ مندرجہ بالا پابندیوں کے ساتھ مزارعت کی رخصت محض ان محدود استثنائی صورتوں کے لیے ہے جہاں زمین کسی ایسے شخص کے پاس مذکورہ صورتوں میں سے کسی ایک صورت سے پہنچ جائے جو خود بہ عذر معقول کاشت کرنے سے معذور ہو ورنہ اصل روح کے لحاظ سے اولی فیصلہ وہی ہے کہ زمین خود کاشت کی بنیاد پر تقسیم ہو۔ (۱۱)

حواشی

۱۔ i۔ القرآن الحکیم، بقرہ: ۲۷۵

ii۔ حیدر زمان صدیقی، مسئلہ مزارعت پر تحقیقی نظر (ترجمان القرآن جلد ۳۴) ص ۲۲

iii۔ عبدالغفار حسن، مزارعت پر تحقیقی نظر (ترجمان القرآن جلد ۳۳) ص ۱۰۸

۲۔ امام ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر جلد ۱، ص ۳۲۷

۳۔ علامہ القرطبی، تفسیر الجامع لاحکام القرآن جلد ۳، ص ۳٦۷

۴۔ القرآن الکریم، الرعد: ۳

۵۔ القرآن الکریم، بقرہ: ۲۹

٦۔ القرآن الکریم، ابراھیم: ۳۲

۷۔ القرآن الکریم، واقعہ: ٦۳

۸۔ القرآن الکریم، الانعام: ۱۴۲

۹۔ القرآن الکریم، قلم: ۲۲

۱۰۔ ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن جلد ٦، ص ٦۲ ۔ ٦۳

۱۱۔ میر غلام قادر ہدانی خاکسار، مسئلہ ملکیت زمین و مزارعت ص ۱۵۳ ۔ ۱۵۴ و ۱۷۲

فصل II مزارعت و مساقات سنت نبویؐ میں

اس فصل میں مزارعت و مساقات کے بارے نبی اکرمؐ کی تعلیمات اور احکامات کا جائزہ لیا جائے گا۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ احادیث نبویؐ دراصل قرآن ہی کی تشریح ہے۔ جیسا کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں

"کان خلقه القرآن" (۱)

اس لیے قرآن اور حدیث کی تعلیمات میں فرق ہو ہی نہیں سکتا۔

ذیل میں وہ احادیث نبویؐ دی جارہی ہیں جن سے مزارعت و مساقات کو درست معاشی معاہدہ قرار دینے والوں کے مؤقف کی تائید ہوتی ہے۔

عہد خلافت کا رواج اور جواز مزارعت والی احادیث

مدینہ اور خیبر میں رسول اللہ نے باغات کے پھلوں کی بٹائی پر معاملہ کیا تھا۔ زمانہ خلافت میں مساقاۃ کا رواج پایا جاتا تھا۔ جیسا کہ مدینہ میں مہاجرین کی بے سرو سامانی دیکھ کر انصار نے رسول اللہ کی خدمت میں گزارش کی تھی کہ ہمارے جو کھجور کے درخت اور باغات ہیں وہ ہم دونوں میں تقسیم کردیے جائیں رسول اللہ نے اس تقسیم سے انکار کردیا پھر بعد میں انہوں نے کہا کہ اچھا ان کی طرف سے محنت ہو اور پھل میں ہم دونوں شریک ہوں رسول اللہ نے اس بات کو منظور فرمالیا تھا۔ صحیح بخاری میں یہ واقعہ اس طرح منقول ہے۔

"عن ابی هریرة قال قالت الانصار للنبی صلی اللّٰه علیه و سلم اقسم بیننا و بین اخواننا النخیل قال لا فقالوا تکفونا المؤنه و نشرککم فی الثمرة قالو اسمعنا واطعنا"۔ (۲)

عہد خلافت کا ہی ایک دوسرا واقعہ خیبر والوں کے ساتھ معاملہ باغات کرنے کے بارے میں ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر فتح کرنے کے بعد وہاں کی زمین اور باغات دونوں کو اہل خیبر کے پاس رہنے دیا تھا۔ اور آدھا آدھ پر معاملہ کرلیا تھا۔ خیبر کے اس واقعہ کو محدثین کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے جس میں امام بخاری و مسلم اور امام مالک جیسے جلیل القدر آئمہ حدیث شامل ہیں۔ علاوہ ازیں روایت کا ایک ہی طریقہ اور اسناد نہیں ہیں بلکہ مختلف طرق اور متعدد اسانید کے ساتھ کئی صحابیوں سے یہ واقعہ منقول ہے۔ اس لئے اس میں کسی احتمال کی گنجائش نہیں ہے۔ صحیح بخاری میں بیان ہوا ہے۔

"لما فتحت خیبر سأل الیهود رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ان یقرهم فیها علی ان یعملوا علی نصف ماخرج منها من الثمر والزرع فقال رسول اللّٰه نقرکم علی ذلک ماشئنا"۔ (۳)

اسی معاملہ کے مطابق جب فصل کٹنے کا وقت آتا یا پھل توڑنے کا موسم آتا تو خلافت کی جانب سے کچھ آدمی بھیج دیے جاتے۔ اور حسب معاہدہ پھل اور غلہ تقسیم کرکے لے آتے تھے۔ یہ معاملہ رسول اللہؐ اور ابوبکرؓ کے زمانہ خلافت تک باقی رکھا گیا، عمرؓ کے ابتدائی زمانہ خلافت میں بھی اس پر عملدرآمد رہا لیکن جب اہل خیبر معاہدہ کی خلاف ورزی کرنے لگے جس کی بنا پر نقص امن کا اندیشہ ہوگیا تو مجبوراً اس معاملہ کو فسخ کرکے انہیں دوسری جگہ منتقل کرنا پڑا۔ (۴)

جواز مزارعت میں یہ دو ہی مستند حدیثیں پیش کی جاتی ہیں۔

مزارعت سے ممانعت والی احادیث

یہاں وہ احادیث بیان کی جائیں گی جن سے یہ اخذ کیا جاتا کہ شریعت اسلامیہ زمین کی شخصی ملکیت کو صرف خود کاشتی تک محدود کردینا چاہتی ہے۔ اور اسی وجہ سے بٹائی اور نقد لگان کی ممانعت کی ہے۔ پھر اگر وہ خود کاشت نہیں کرسکتا تو اپنے بھائی کو زمین مفت کاشت کے لیے دے دے ورنہ زمین چھوڑ دے۔ اس سلسلہ احادیث کی سب سے پہلی حدیث نبویؐ رافع بن خدیجؓ سے مروی ہے۔

"عن اسیدبن رافع قال قال رافع بن خدیجؓ نھاکم رسول اللّٰہ عن امر کان لنا نافعا و طاعنہ رسول اللّٰہ انفع لنا قال من کانت لہ ارض فلیزرعھا فان عجز عنھا فلیزرعھا اخاہ"۔ (۵)

(اسید بن رافع نے روایت کرتے ہوئے کہا کہ ان کے باپ رافع بن خدیج نے فرمایا رسول اللہ نے انہیں ایک ایسے معاملہ سے روک دیا ہے جو تمہارے لئے نفع بخش تھا لیکن رسول اللہ کی اطاعت ہمارے لیے زیادہ نفع مند ہے' آپؐ نے فرمایا جس کے پاس زمین ہو وہ خود اسے کاشت کرے اور اگر وہ اس سے عاجز ہو تو اپنے بھائی کو کاشت کے لیے دے دے مفت)

دوسری حدیث مبارکہ میں آیا ہے

"عن ابی نجاش مولی رافع بن خدیج قال سمعت رافع بن خدیج عن عمہ ظھیر بن رافع قال ظھیر لقد نھانا رسول اللّٰہ عن امر کان بناء افقا قلت ما قال رسول اللّٰہ فھو حق قال دعانی رسول اللّٰہ قال ماتضعون بمحاقلکم قلت نواجرھا علی الربع والربیع وعلی الاوسق عن النمر والشعیر قال لاتفعلوا ازرعوھا اومسکنھا۔ قال رافع قلت سمعھا وطاعنہ"۔ (٦)

(ابوالنجاش غلام رافع بن خدیج نے روایت کرتے ہوئے کہا کہ میں نے حضرت رافع بن خدیج سے سنا انہوں نے اپنے چچا ظہیر سے روایت کیا یہ کہ ظہیر نے کہا کہ رسول اللہ نے ہمیں ایک ایسے معاملہ سے روک دیا ہے جو ہمارے لیے آسان و مفید تھا۔ میں نے کہا رسول اللہ نے جو بھی فرمایا حق ہے انہوں نے کہا کہ مجھے رسول اللہ نے بلوایا اور پوچھا کہ تم اپنے کھیتوں کے ساتھ کیا معاملہ کرتے ہو میں نے عرض کیا ہم اجارے پر دیتے ہیں بعوض چوتھائی پیداوار یا نالیوں کے کنارے کی پیداوار کے یا چھوہاروں' گیہوں اور جو کی متعین مقدار کے بدلے یہ سن کر حضورؐ نے فرمایا ایسا مت کرو یا دوسرے کو کاشت کے لیے دو یا اپنے پاس روک رکھو حضرت رافع نے فرمایا ہم نے سنا اور مانا)

ایک اور حدیث مبارکہ ہے

"عن سعید بن المسیب عن رافع بن خدیج قال نھی رسول اللّٰہ عن المزابنہ والمحاقلہ وقال انما یزرع ثلاثہ رجل لہ ارض فھو یزرعھا اورجل منح ارضا فھوزرعھا ما منح او رجل من استکری ارضا بذھب اوفضتہ"۔ (۷)

(سعید بن المسیب، رافع بن خدیج سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے مزابنہ اور محاقلہ سے منع فرمایا اور کہا رافع نے یا سعید نے کہ کاشت صرف تین آدمیوں کو کرنی چاہیے ایک اس کو جس کی زمین اپنی ہو۔ دوم اس کو جسے زمین مفت کاشت کے لیے دی ہو سوم اس کو جس نے زمین سونے اور چاندی یعنی نقدی کے عوض کرائے پر لی ہو)۔

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے

عن عطاء عن جابرؓ قال کانوا یزرعونها بالثلث والربع والنصف فقال النبیؐ من کانت له ارض فلیزرعها او لیمنحها فان لم یفعل فلیمسک ارضه"۔ (۸)

(عطاء جابرؓ سے روایت کرتے ہیں، جابرؓ نے کہا کہ لوگ تہائی چوتھائی اور نصف پیداوار پر زمین کاشت کرتے کراتے تھے۔ پس نبیؐ نے فرمایا جس کی زمین ہو وہ اسے خود کاشت کرے یا پھر دوسرے کو کاشت کے لیے مفت بلا معاوضہ دے دے اور اگر نہیں کر سکتا تو زمین چھوڑ دے)

مذکورہ بالا احادیث کی روشنی میں کچھ دیگر اصحاب نے مزارعت و مساقات کو حرام قرار دیا ہے۔

امام حاکم "المستدرک" میں لکھتے ہیں :

"عن ابی الزبیر عن جابرؓ بن عبداللّٰه قال لما نزلت الّذین یاکلون الرّبو لا یقومون الّا کما یقوم الّذی یتخبّطه الشیطان من المسّ الآیه قال رسول اللّٰه من لم یذر المخابرة فلیوذن بحرب من اللّٰه و رسوله هذا حدیث صحیح علی شرط المسلم"۔ (۹)

(ابو زبیر نے جابرؓ سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ جب تحریم ربو سے متعلق قرآن پاک کی یہ آیات نازل ہوئیں۔ الّذین یاکلون الرّبو--------الخ اس وقت رسول اللہ نے فرمایا جو مخابرت کو نہ چھوڑے اس کے لیے اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے اعلان جنگ ہے)

یا یہ کہ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ سے برسرپیکار ہے یہاں مخابرہ سے مراد مزارعت ہے مذکورہ حدیث جسے امام حاکمؒ نے امام مسلمؒ کی شرط پر صحیح بتلایا ہے اس پر دلالت کرتی ہے کہ مخابرت و مزارعت کا معاملہ ربو کے معاملہ کی طرح ہے ایک اس وجہ سے کہ یہ حدیث اس وقت ارشاد فرمائی گئی جب سورۃ بقرہ میں تحریم ربو کی آیات نازل ہوئیں۔ دوسرے اس وجہ سے کہ اس میں مخابرہ نہ چھوڑنے والوں کے لیے بعینہٖ دھمکی کے وہی الفاظ ہیں جو قرآن مجید میں ربو کو نہ چھوڑنے والوں کے لیے فرمائے گئے ہیں۔

امام طبرانیؒ اپنی کتاب میں مذکورہ احادیث کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

"عن المسورؓ بن مخرمه قال مر رسول اللّٰه بارض لعبدالرحمٰن بن عوف فیها زرع فقال یا اباعبدالرحمٰن لا تاکل الربو ولا تطعمه ولا تزرع الا فی الارض ترثها او نورثها او تمنحها"(۱۰)

(حضرت مسورؓ بن مخرمہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ عبدالرحمٰن بن عوف کی ایک زمین کے پاس سے گزرے جس میں کھیتی تھی آپؐ نے فرمایا اے ابو عبدالرحمٰن نہ ربو کھاؤ اور نہ کھلاؤ اور کاشت نہ کرو مگر ایسی زمین میں جس کے تم وارث ہو یا فرمایا وارث بنا دیئے گئے یا تمہیں مفت دی گئی ہو)

مولانا محمد طاسین لکھتے ہیں۔

"کہ مزارعت و مخابرت کا یہ معاملہ ربو کی طرح کا معاملہ ہے جس طرح ربو حرام و ناجائز ہے اسی طرح یہ معاملہ بھی حرام و ناجائز ہے۔ اسی لئے نبیؐ نے رافع بن خدیج کو قبل از وقت ہی اسے فسخ کرنے کا حکم دیا اور عبدالرحمن بن عوف کو نہی کے ساتھ منع فرمایا"۔ (۱۱)

مزارعت سے متعلق جواز اور عدم جواز کی احادیث پر عقلی دلائل

مذکورہ بالا تمام احادیث جن میں مزارعت و مساقات کی جواز اور عدم جواز کی شہادت ملتی ہے اگر ان کا بغور جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ممانعت والی ہر حدیث میں مزارعت کی وہی صورت واضح کی گئی ہے جس میں سود کے آثار ہیں۔ غرض یہ معاملہ ایسا ہی ہوا کہ تجارت حلال ہے اور سود حرام یہاں سودی کیفیت سے آگاہ کیا گیا ہے تاکہ لوگ مزارعت و مساقات میں حرام و حلال سے واقف ہوں جبکہ اس کی جائز اقسام فصل اول میں دی گئی ہیں۔ ممانعت والی تمام احادیث ان اقسام سے خارج ہیں۔ جیسا کہ اول قصیرۃ الطحان کا معاملہ دوم درخت پر لگے پھل کا خشک پھل سے معاملہ سوم کھیت میں زیادہ زرخیز جگہ کی پیداوار کسی ایک کے لیے مخصوص کرنا وغیرہ

مولانا تقی امینی موضوع زیر بحث سے متعلق فرماتے ہیں۔

جن بعض حدیثوں میں ممانعت ثابت ہوتی ہے اس کی وجہ وہی ہے۔ جو مزارعت کے باب میں گزر چکی ہے مثلاً" یہ روایت ہے۔

"عن رسول اللہ انہ مر علی حائط فسائل لمن هو فقال رافع بن خدیج لی استاجرته فقال لا تستاجره بشئی منه"" (بحوالہ کتاب الخراج)

(رسول اللہ ایک باغ کے پاس سے گزرے اور آپ نے پوچھا کہ یہ کس کا باغ ہے رافع بن خدیج نے کہا کہ میرا ہے میں نے اس کو کرایہ پر لیا ہے آپ نے فرمایا کہ اس کو کسی شے کے بدلے کرایہ پر مت لو)

یعنی ممانعت کی حدیثیں انہی صورتوں پر محمول ہونگی جن میں باہمی نزاع اور حق تلفی کا اندیشہ ہو اور یا یہ کہ رسول اللہ کا ممانعت سے مقصد پھل کھانے کے لیے مفت باغ دینے پر رغبت دلانا ہو نہ کہ بالکلیۃ منع کردینا۔ (۱۲)

عبدالتواب محدث ملتانی لکھتے ہیں:

"رافع بن خدیج صحابی نے ان حدیثوں کا مطلب اور معنی بتا دیا ہے کہ جن سے یہ خیال پڑتا ہے کہ زمین کو کسی طرح بھی مزارعت پر دینا درست نہیں۔ جبکہ ہر صورت منع نہیں بلکہ بعض صورتیں کہ جن میں کسی ایک فریق کو دھوکہ اور نقصان پڑنے کا احتمال ہو وہی جائز نہیں اور جو صورتیں اس خطرہ سے پاک صاف ہوں وہ جائز ہیں" (۱۳)

شاہ ولی اللہؒ کا زاویہ نظر :

"وقد اختلف الرواۃ فی حدیث رافع بن خدیج اختلافا فاحشا وکان وجوہ التابعین یتعاملون بالمزارعہ ویدل علی الجواز حدیث معاملہ اھل خیبر و احادیث النبی عنھا محمولہ علی الاجارۃ بما علی الماذیانات او قطعہ معینہ وھو قول رافع اوعلی التنزیہ والا رشاد وھو قول ابن عباسؓ اوعلی مصلحۃ خاصۃ بذالک الوقت من جھہ کثرۃ مناقشتھم فی ھذہ المعاملہ حینئذ وھو قول زید بن ثابت"۔ (۱۴)

(رافع بن خدیج کی حدیث کے راویوں میں نہایت واضح اختلاف پایا جاتا ہے مشہور تابعین کا مزارعت پر عمل در آمد تھا۔ اس کا جواز حدیث خیبر سے ثابت ہے۔ حرمت مزارعت پر مشتمل روایات سے "ماذیانات" یا معین حصہ زمین والی صورتیں مراد ہیں جیسا کہ رافع بن خدیج کی تصریح ہے یہ یہ نہیں تنزیہی ہے عبداللہ بن عباس کا مسلک یہی ہے یا مناقشات اور تنازعات کی کثرت کی وجہ سے خاص وقتی مصلحت کے طور پر ممانعت فرمادی تھی جیسا کہ زید بن ثابت کے قول سے معلوم ہوتا ہے)۔

عبدالرحمن الجزیری ایک مصری عالم کا نقطہ نظر :

افادہ سے خالی نہیں انہوں نے مختلف احادیث مزارعت کے درمیان جو تطبیق دی درج ذیل ہے۔

"کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو مزدور کاشت کار کی شدید ضرورت و حاجت کے مواقع تلاش کرتے رہتے ہیں ایسے افراد اسی وقت زمین اس کے حوالہ کرتے ہیں جبکہ "غبن فاحش" کا امکان انہیں نظر آتا ہے۔ اس موقع پر کوئی بیچارا اپنی ضرورت و مجبوری کی بناء پر پھنس جاتا ہے۔ تو اس کی محنت کا پھل مالک زمین طے شدہ شرائط سے زیادہ لے اڑتا ہے اس قسم کے دھوکہ اور نقصان کی صورت اس شریعت میں جائز نہیں ہوسکتی جو مضطر اور مصیبت زدہ انسانوں کی مدد واجب قرار دیتی ہے لہٰذا ایسی مزارعت سے لوگوں کو بچانا چاہیے جس میں کاشت کار اپنی محنت کا پھل نہ پاسکے اور زمیندار اسے اس کی مجبوری اور ناداری کی بنا پر اپنی غلامی کے طوق و سلاسل پہنادے لیکن جب خیر نیکی اور ہمدردی کا جذبہ لوگوں میں عام ہو اور دونوں فریق میں سے کوئی بھی اپنے حق سے زیادہ لینا نہ چاہتا ہو اور نہ کسی فریق کی حق تلفی کا کوئی اندیشہ ہو تو پھر مزارعت کے جواز کا فتوی دیا جاسکتا ہے" (۱۵)

الغرض یہ وہ احادیث ہیں جن پر ہمارے علماء کے اس مکتب فکر کی عمارت تعمیر ہوتی ہے جو مزارعت کو جائز اور شریعت اسلامی کی روح کے عین مطابق قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مزارعت نبیؐ' ابوبکرؓ' عمرؓ' علیؓ' وغیرہم سب کراتے تھے۔

حواشی

۱۔ الجامع الصحیح البخاری، (کتاب الاخلاق باب ۵۰) ص ۲۰۰

۲۔ الجامع الصحیح البخاری (کتاب المزارعت باب ۱۴۴۹) ص ۸۰۵

۳۔ الجامع الصحیح البخاری (کتاب المزارعت باب ۱۴۴۹) ص ۸۰۶

۴۔ تقی امین محمد مولانا اسلام کا زرعی نظام، ص ۱۹۱

۵۔ سنن نسائی (کتاب الشروط فیہ المزارعت والوثائق) ص ۵۵

۶۔ الجامع الصحیح البخاری (کتاب المزارعت باب ۱۴۶۲) ص ۸۱۰

۷۔ سنن نسائی (کتاب الشروط فیہ المزارعہ والوثائق) ص (۵۹)

۸۔ الجامع الصحیح البخاری کتاب المزارعت باب ۱۴۶۲ ص (۸۱۰)

۹۔ امام حاکم المستدرک جلد ۲ ص ۲۸۶

۱۰۔ امام طبرانیؒ، معجم اللاوسط (بحوالہ مجمع الزوائد) ص ۱۲۰۔ جلد ۴

۱۱۔ طاسین محمد مولانا، مروجہ نظام زمینداری اور اسلام، ص ۷۸

۱۲۔ تقی امین محمد مولانا، اسلام کا زرعی نظام، ص ۱۹۳

۱۳۔ عبدالتواب محدث ملتانی، بلوغ المرام من ادلہ الاحکام، نشرالسنہ ملتان۔ ص ۲۹۶

۱۴۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حجتہ اللہ البالغہ (باب التبرع والتعاون) (مترجم: مولانا عبدالرحیم) جلد ۲، ص ۸۷

۱۵۔ عبدالرحمٰن الجزیری مصری، کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعہ جلد ۳، ص ۲۴

فصل III مزارعت و مساقات آثار صحابہؓ میں

جواز مزارعت و مساقات کے مسلک کی تائید آثار صحابہ سے بھی ہوتی ہے۔ جبکہ عدم جواز کے قائلین صحابہ سے بھی کئی آثار کتب احادیث سے ہم تک پہنچے ہیں۔ سب سے پہلے وہ آثار ذکر کیے جائیں گے جن کو وہ حضرات اپنے موقف کی تائید میں شد و مد کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔

محدث امام بخاریؒ الجامع الصحیح البخاری میں لکھتے ہیں :

"قال قیس بن مسلم عن ابی جعفر قال مابالمدینہ اھل بیت ھجرۃ الایزرعون علی الثلث والربع وزارع علیؓ و سعدبن مالکؓ و عبداللّٰہ بن مسعود و عمر بن عبدالعزیز والقاسم وعروۃ بن الزبیر و آل ابی بکر و آل علی وبن سیرین"۔ (۱)

(قیس بن مسلم ابی جعفر سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ مدینہ میں مہاجرین کا کوئی گھرانہ ایسا نہیں جو زمین کو تہائی یا چوتھائی پر مزارعت کے لیے نہ دیتا ہو علیؓ سعد بن مالکؓ عبداللہ بن مسعودؓ عمر بن عبدالعزیزؒ، قاسمؒ، عروہ بن زبیرؒ آل ابی بکرؓ آل علیؓ اور ابن سیرینؒ ان سب حضرات نے زمین کی بٹائی کا معاملہ کیا ہے)

محدث امام بخاریؒ مزید لکھتے ہیں:

"وقال الحسن لاباس ان تکون الارض لاحدھما فینتفعان جمیعاً فما خرج فھو بینھما ورائی ذلک الزھری"۔ (۲)

(حسن بصری کہتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ ایک کی زمین ہو اور دونوں فریق اس سے فائدہ اٹھائیں اور زمین کی پیداوار دونوں میں تقسیم ہو۔ زہری کا خیال بھی یہی ہے)۔

اس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ اس میں شرکت فی الزراعت کا معاملہ بیان ہوا ہے۔ جو درست قسم مزارعت ہے۔
آثار صحابہؓ کے حوالہ سے عمرؓ کا جواز مزارعت سے متعلق ایک معاملہ درج ذیل ہے۔

"وعامل عمرؓ النّاس علی ان جاء عمر بالبذر من عندہ فلہ الشطر و ان جاؤ وابالبذر فلھم کذا"

(عمرؓ نے کاشت کار لوگوں سے اس طرح کا معاملہ طے کیا کہ اگر بیج عمرؓ کی طرف سے ہو تو اس کے لیے پیداوار نصف ہوگی اور اگر بیج وہ اپنے پاس سے ڈالیں تو ان کے لیے اتنا حصہ ہوگا) (۳)

تاریخ کی کتب سے پتہ چلتا ہے کہ اس روایت کے اندر عمرؓ کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ ان کا ذاتی معاملہ نہ تھا۔ بلکہ ملکی معاملہ تھا اس واقعہ کی تفصیل ابن حجر عسقلانی اپنی کتاب فتح الباری میں ذکر کرتے ہیں۔

"عن اسمعیل بن ابی حکیم عن عمر بن عبدالعزیز قال لما استخلف عمرؓ اجلی اھل نجران و اھل فدک و تیماء واھل منیہ فاعطی البیاض یعنی بیاض الارض علی ان کان البذر والبقر والحدید من عمر فلھم الثلث والعمر الثلثان وان کان منھم فلھم الشطر ولہ الشطر واعطی النخل العنب علی ان لعمر الثلثین ولھم الثلث ھذامرسل ایضاً"۔ (۴)

(اسمٰعیل بن ابی الحکیم سے مروی ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے روایت کرتے ہوئے فرمایا جب عمرؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے اہل نجران' اہل فدک وتیماء اور اہل خیبر کو جلا وطن کیا اور ان کی زمینیں اور جائیدادیں خرید لیں اور یعلی بن منیہ کی عامل مقرر کیا اور زمین کاشت کاروں کو دی اس معاہدے پر کہ اگر بیج بیل اور ہل وغیرہ عمرؓ کی طرف سے ہوں تو ان کے لیے ایک تہائی اور عمرؓ کے لیے دو تہائی اور اگر یہ سب چیزیں ان کی طرف سے ہوں تو دونوں کے لیے نصف نصف اور کھجوروں اور انگوروں کے باغ دیئے اس معاہدے پر کہ عمرؓ کے لیے دو تہائی اور ان لوگوں کے لیے ایک تہائی پیداوار ہوگی گویا اس واقعہ کی صورت معاملہ خیبر جیسی ہے۔

الغرض ان آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ کرام کی ایک جماعت مزارعت کو جائز تصور کرتی تھی یا وہ خود عقد مزارعت کے ذریعہ بٹائی کا معاملہ کرتی تھی' صحابہؓ سے وہ آثار جو عدم جواز مزارعت سے متعلق آئے ہیں پچھلی فصل میں شامل کئے گئے ہیں۔ اب آئندہ ابواب میں مزارعت و مساقات کو حنفی فقہاء کے حوالے سے تفصیلاً" زیر بحث لایا جائے گا۔

حواشی

۱۔ امام بخاری، الجامع الصحیح، کتاب المزارعت (باب المزارعہ بالشطر ونحو) جلد ۱۔ ص ۳۱۳

۲۔ امام بخاری، الجامع الصحیح البخاری (کتاب المزارعت)، باب ۱۴۵۲۔ ص ۸۰۶

۳۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری۔ جلد ۶۔ ص ۱۳۵

۴۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری۔ جلد ۶۔ ص ۱۳۵

باب سوّم

باب سوم: فقہ حنفی میں مزارعت و مساقات

مزارعت

فصل I مزارعت کے معنی و مفہوم
فصل II جواز مزارعت
فصل III عدم جواز مزارعت
فصل IV رکن مزارعت
فصل V شرائط مزارعت (i) صحیحہ (ii) مفسدہ
فصل VI احکام مزارعت (i) صحیحہ (ii) مفسدہ
فصل VII انواع مزارعت (i) صحیحہ (ii) مفسدہ

مساقات

فصل I مساقات کے معنی و مفہوم
فصل II جواز مساقات
فصل III عدم جواز مساقات
فصل IV رکن مساقات
فصل V شرائط مساقات (i) صحیحہ (ii) مفسدہ
فصل VI احکام مساقات (i) صحیحہ (ii) مفسدہ
فصل VII مزارعت و مساقات میں فرق

مزارعت

یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ فقہ حنفی کے بانی امام ابو حنیفہ کی مزارعت و مساقات سے متعلق کوئی تصنیف نہیں ہے۔ اس موضوع پر امام ابو حنیفہ کی آراء و فتاویٰ سے آگاہی ان کے شاگردوں کی کتب سے ہوتی ہے۔ جنہوں نے فقہ حنفی کو صحیح معنوں میں عروج دیا اور اپنے استاد کے فقہی مسلک کو ایک نہج پر استوار کیا اس لیے موضوع زیر بحث پر برصغیر پاک و ہند کے تناظر میں بحث کرنے سے پہلے یہ جاننا ازحد ضروری ہے کہ فقہ حنفی کے بلند پایہ فقہاء نے مزارعت و مساقات سے متعلق کیا فکر دی ہے۔ کیونکہ انہیں فقہائے احناف کی آراء و تعلیمات کو بنیاد بنا کر برصغیر کے فقہاء نے ہندوستان میں حنفی فقہ کو فروغ دیا۔ جن کی تعلیمات کا جائزہ الگ باب میں لیا جائے گا۔

عالم اسلام کے علمائے احناف کی ایک طویل فہرست ہے جنہوں نے تمام اسلامی ممالک میں اپنے اپنے حالات رسوم و رواج اور ضرورتوں کو مدنظر رکھ کر فقہ حنفی سے مسائل اخذ کیے کیونکہ فقہ حنفی مسائل کے استنباط میں دیگر فقہوں کی نسبت زیادہ لچک رکھتی ہے۔ اس لیے اسے علاقائی وسعت بھی زیادہ ملی، لیکن یہاں موضوع کی وضاحت کے لیے ان تمام فقہائے احناف کی تعلیمات کا احاطہ کرنا مقالہ کی طوالت کا باعث ہوگا۔ اس لیے امام ابو حنیفہ کے بعد آنے والے ان چند حنفی فقہاء کو لیں گے جنہوں نے مزارعت و مساقات پر نہایت عمیق گفتگو کی ہے تاکہ خالص حنفی نظریات سے آگاہی ہو سکے اور اس پس منظر میں برصغیر کے اندر فقہ حنفی کی بارہ سو سالہ تاریخ کا جائزہ لیا جا سکے۔ یہاں اس باب میں عالم اسلام کے حنفی فقہاء میں سے امام ابو یوسفؒ، امام کاسانیؒ اور امام مرغینانیؒ کے فتاویٰ کی روشنی میں مزارعت و مساقات کا جائزہ لیا جائے گا۔ موضوع زیر بحث پر گفتگو سے پہلے تینوں حنفی فقہاء کا مختصراً تعارف نہایت ضروری ہے۔

امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم (۱۳۳ھ / ۷۳۱ء ---- ۱۸۲ھ / ۸۰۰ء) آپ کا تعلق کوفہ (عراق) سے ہے۔ آپ امام ابو حنیفہ کے شاگردوں میں سے نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ اپنے استاد و امام ابو حنیفہ کی فقہ کو صحیح معنوں میں متعارف کرانے والے امام ابو یوسف ہی ہیں۔ انہوں نے بے شمار کتب لکھی ہیں۔ قاضی القضاۃ کے عہدہ پر فائز رہے۔ عباسی خلیفہ ہارون الرشید نے فقہ حنفی کو سرکاری مذہب قرار دیا۔ اور امام ابو یوسف کی خاص پذیرائی کی۔ امام ابو یوسف کی اہم کتب کتاب الخراج اور اختلاف ابی حنیفہ و ابن ابی لیلیٰ ہیں۔ عربی زبان میں یہ کتب مطبوعہ ہیں اور دستیاب ہیں۔

امام علاء الدین الکاسانیؒ نے (۵۸۷ھ / ۱۱۹۱ء) میں وفات پائی۔ اپ کا تعلق علاقہ کاسان سے ہے جو کہ فرغانہ میں دریائے سیحون کے پاس شمال میں واقعہ ہے۔ آپ عباسی خلیفہ ظاہر بامر اللہ کے دور کے حنفی فقیہ ہیں۔ امام کاسانی کی اہم کتاب بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ہے۔ عربی زبان میں لکھی گئی حنفی مسلک پر یہ کتاب مطبوعہ اور دستیاب ہے۔

امام برہان الدین المرغینانیؒ (۵۱۱ھ / ۱۱۲۰ء ---- ۵۹۳ھ / ۱۲۰۲ء) آپ کا تعلق علاقہ مرغینان سے ہے جو کہ فرغانہ کے پاس دریائے سیحون کے جنوب میں واقع ہے۔ آپ عباسی خلیفہ ظاہر بامر اللہ کے دور کے مشہور حنفی فقیہ ہیں۔ امام المرغینانی کی اہم کتاب الهدایہ ہے۔ جو حنفی مسلک پر عربی زبان میں لکھی گئی ہے اور مطبوعہ ہے تمام کتب خانوں میں موجود ہے۔

ان جلیل القدر حنفی فقہاء کے سرسری تعارف کے بعد ہم آئندہ فصل میں مزارعت کے معنی و مفہوم دیکھیں گے۔

فصل I مزارعت کے معنی و مفہوم

جہاں تک مزارعت کے لغوی معنی ہیں ان میں فقہاء کے ہاں کوئی اختلاف نہیں۔ اس کی تفصیلاً وضاحت امام کاسانی اپنی کتاب البدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع کے باب مزارعت میں یہ لکھتے ہیں۔

"فالمزارعة فی اللغة مفاعله من الزرع۔ و هوالانبات۔ والانبات المضاف الی العبد مباشرة فعل اجری اللّٰہ سبحانہ و تعالٰی العادة بحصول النبات عقیبہ لا بتخلیقہ وایجادہ۔ و فی عرف الشرع عبارة عن العقد علی المزارعة ببعض الخارج بشرائطہ الموضوعة لہ شرعا۔ فان قیل المزارعة من باب المفاعله فیقتضی وجود الفعل من اثنین کالمقابلة والمضاربة و نحوهما۔ و فعل الزرع یوجد من العامل دون غیره۔ بدلیل انہ یسمی هو مزارعا۔ دون رب الارض والبذر و من لا عمل من جهتہ فکیف یسمی هذا العقد مزارعة فالجواب عنہ من وجهین۔ احدهما ان المفاعلة جاز ان تستعمل فیما لا یوجد الفعل الا من واحد المداواة والمعالجة وان کان الفعل لا یوجد الا من الطبیب والمعالج و قال اللّٰہ تعالٰی عزشانہ قاتلهم اللّٰہ انی یؤفکون ولا احد یقصد مقاتلة اللّٰہ عز شانہ فکذلک المزارعة جاز ان تکون کذلک۔ والثانی ان کان اصل الباب ماذکر فقد وجد الفعل هنا من اثنین لان المزارعة مفاعلة من الزرع والزرع هو الانبات لغة و شرعا۔ والانبات المتصور من العبد هو التسبیب لحصول النبات۔ و فعل التسبیب یوجد من کل واحد منهما۔ الا ان التسبیب من احدهما بالعمل و من الاخر بالتمکین من العمل باعطاء الالات والاسباب التی لا یحصل العمل بدونها عادة۔ فکان کل واحد منهما مزارعا حقیقة لوجود فعل الزرع منہ بطریق التسبیب۔ الا انہ اختص العامل بهذا الاسم فی العرف۔ و مثل هذا جائز کاسم الدابة و نحوه علی ما عرف فی اصول الفقہ۔" (۱)

اما ابو یوسف اور امام المرغینانی نے مزارعت کے لغوی معنی اپنی کتب میں ذکر نہیں کیے۔ عرف شرع میں مزارعت عبارت ہے پیداوار کے بعض حصے کے عوض میں ان شرائط کے ساتھ معاملہ کرنا جو اس کے لیے موضوع ہیں۔ مزارعت کے اصطلاحی مفہوم میں مجوزین مزارعت کے نزدیک کوئی اختلاف نہیں ہے۔

امام ابو یوسف اپنی کتاب الخراج میں لکھتے ہیں :

"وهو عندی بمنزلة مال المضاربة قد یدفع الرجل الی الرجل المال مضاربة بالنصف والثلث فیجوز و هذا مجهول لا یعلم مبلغ ربحہ لیس فیہ اختلاف بین العلماء فیما علمت و کذلک الارض عندی هی بمنزلة المضاربة الارض البیضاء منها والنخل والشجر سواء(۲)

امام کاسانی لکھتے ہیں :

وفی عرف الشرع عبارة عن العقد علی المزارعة ببعض الخارج بشرائطہ الموضوعة لہ شرعا (۳)

امام المرغینانی لکھتے ہیں :

"وفی الشریعۃ ھی عقد علی الزرع ببعض الخارج۔"(۴)

بیان کردہ تینوں حنفی فقہاء کے نزدیک مزارعت کے مفہوم میں اتفاق پایا جاتا ہے۔

جہاں تک مزارعت کے لغوی معنی ہیں ان کے اندر تمام علماء میں اتفاق ہے۔ اس لئے امام کاسانی کے حوالے سے جامع لغوی معنی ذکر کئے گئے ہیں۔ جیسا کہ وہ بیان کرتے ہیں۔ کہ مزارعت مفاعلہ باب سے ہے جس کا مادہ زرع ہے۔ یعنی کھیتی اگانا مفاعلہ کے باب سے ہونے کے سبب مزارعت سے مراد ہے دو فریقوں میں معاملہ ہونا یعنی دونوں طرف سے شرکت لازم ہے۔ اب اگر ایک آدمی زمین فراہم کرے دوسرا کھیتی اگائے تو فقہاء اسے دونوں کا عمل شمار کریں گے یعنی ایک کا زمین دینا دوسرے کا کاشت کرنا۔

اسی طرح مزارعت کے اصطلاحی معنی میں بھی تمام فقہاء کے ہاں اتفاق ہے۔ فصل ھذا میں تینوں فقہاء امام ابو یوسف امام کاسانی اور امام المرغینانی کی کتب سے مزارعت کے اصطلاحی معنی لئے گئے ہیں۔ جن سے واضح ہوتا ہے کہ وہ مزارعت کو مضاربہ اور شراکت جیسا معاملہ شمار کرتے ہیں یعنی پیداوار کے بعض حصے کے عوض میں شرائط صحیحہ کے ساتھ معاملہ کرنا الغرض مزارعت کے لغوی و اصطلاحی معنوں میں مزارعت کو جائز قرار دینے والوں کے ہاں کوئی اختلاف نہیں۔

حواشی

(۱) علاء الدین الکاسانی، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع کتاب المزارعہ ص ۱۸۵

(۲) امام ابو یوسف، کتاب الخراج، باب ۱۰، ص ۸۸

(۳) امام کاسانی، بدائع الصنائع فی ترتیب الشراع کتاب المزارعہ ص ۱۸۵

(۴) امام المرغینانی، الہدایہ، کتاب المزارعہ ص ۴۲

فصل II جواز مزارعت

علمائے احناف میں سے جنہوں نے مزارعت کے جواز پر فتوئی دیا ہے ان کے نزدیک مزارعت میں عوام الناس کی سہولت ہے۔ اس لیے فتوئی اس کے جواز کے حق میں ہے۔ دلیل اس کی یہ دی جاتی ہے کہ مزارعت پر شروع اسلام سے عمل ہوتا رہا ہے یعنی عہد نبویؐ، عہد خلفائے راشدین اس لیے اموی دور میں اور اس کے بعد بھی اس پر عمل درست ہے۔

صحابہؓ، تابعینؒ اور فقہاء میں سے جو مزارعت کے حامی ہیں وہ اس کے جواز میں یہود خیبر کا معاملہ سامنے رکھتے ہیں

"عن ابن عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم عامل اهل خیبر بشطر ما یخرج من ثمر او زرع"

(عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے خیبر والوں سے غلہ یا پھل کی نصف پیداوار پر معاملہ کیا) (۱)

ایک اور روایت میں مذکور ہے

"عن ابو جعفر محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب قال ما بالمدینہ اهل بیت هجرة الا یزرعون علی الثلث والربع"

(ابو جعفر روایت کرتے ہیں کہ مدینہ میں کوئی ایسا مہاجر گھر نہ تھا جو تہائی یا چوتھائی پر کاشت نہ کرتا ہو۔) (۲)

زمین کو بٹائی پر دینے کے ثبوت میں مذکورہ دونوں حوالے مشہور ہیں۔ لیکن ان میں دو احتمال ہیں۔

(i) ایک یہ کہ یہ معاملہ ایسی زمین کے لیے مخصوص ہو جہاں نخلستان ہے۔ کیونکہ خیبر کی تمام زمین ایسی ہی تھی۔

(ii) دوسرا یہ کہ یہ حکم ہر قسم کی زمین کے لیے ہو خواہ وہاں نخلستان ہو یا نہ ہو۔ ایسے اصحاب جو زمین کو پیداوار کے عوض ٹھیکہ پر لینے یعنی بٹائی کی اجازت دیتے ہیں ان کی رائے میں یہ حدیث عام معنوں میں ہے اور اس حکم کا صرف اراضی خیبر کے لیے مخصوص ہونا درست ہے۔ دلیل یہ دی جاتی ہے کہ اگر ایک شخص اراضی کا مالک ہے لیکن کھیتی باڑی کا کام نہیں کر سکتا اور اجرت پر کام کرنے والا دستیاب نہیں ہوتا۔ دوسری طرف ایک شخص کے پاس زمین نہیں ہے لیکن کھیتی باڑی کا کام کر سکتا ہے اور اس پر تیار ہے کہ متعین مقررہ حصہ کے عوض زمین پر کاشت کاری کرے۔ اب اگر اس کی ممانعت کی جائے تو یہ دونوں فریقین کی بہتری کو نظر انداز کرنا ہے۔ کیونکہ شریعت کے پیش نظر عوام الناس کی بہتری اور سہولت اول ہے۔

امام ابو یوسف اپنے استاد امام ابو حنیفہ کے برخلاف جواز مزارعت پر فتوئی دیتے ہیں

"وهو عندی جائز علی ما اشترطا علیه علی ما جاءت به الا ثار"(۳)

امام کاسانی لکھتے ہیں :

"واما شرعیة المزارعة فقد اختلف فیها قال ابو حنفیه علیه الرحمة انها غیر مشروعه وبه اخذ الشافعی"۔ وقال ابو یوسف و محمد رحمها اللہ انها مشروعة (وجه) قولهما ما روی ان رسول اللہ دفع نخل خیبر معاملة وارضها مزارعة وادنی درجات فعله علیه الصلاة والسلام الجواز۔ و کذا هی شریعة متوارثة لتعامل السلف والخلف ذلک من غیر انکار (وجه)(۴)

جیسا کہ عبارت سے واضح ہے امام کاسانی مزارعت کی مشروعیت میں اختلاف کا حوالہ دیتے ہیں امام ابو حنیفہ اور امام شافعی

کے فتوی کی روشنی میں۔ اور صاحبینؒ کے جواز اور جواز پر ان کی دلیل حدیث خیبر ہی کو مانتے ہیں۔ امام کاسانی فرماتے ہیں کہ نبیؐ کے فعل کا ادنی درجہ جواز ہی بنتا ہے۔ اس لیے سلف و خلف کا تعامل بھی اس کے جواز کی تصدیق کرتا ہے۔

امام المرغینانی بھی علمائے سلف کی طرح مزارعت کے جواز پر فتوی دیتے ہیں۔ کہ یہ مضاربت کی طرح کا معاہدہ ہے اور پھر معاملہ خیبر بھی اس پر واضح دلیل ہے۔

"وقالا هی جائزة لما روی ان النبی علیه السلام عامل اهل خیبر علی نصف ما یخرج من ثمر او زرع ولانه عقد شرکة بین المال والقوی علیه لا یجد المال فمست الحاجة الی انعقاد هذا العقد بینهما بخلاف دفع الغنم والدجاج ودود القز معاملة بنصف الزوائد لانه لا اثر هناک العمل فی تحصیلها فلم نتحقق شرکة" (۵)

الغرض عالم اسلام کے وہ فقہاء جو مزارعت کے جواز پر فتوی دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک اس میں امت کی آسانی اور بھلائی ہیں۔ وہ اس کے جواز پر درج ذیل دلائل پیش کرتے ہیں۔

(۱) نبیؐ نے اہل خیبر سے زمین کی پیداوار پھل یا کھیتی کے ایک حصہ کے عوض معاہدہ کیا تھا۔ اور نبیؐ کا عمل جواز ہی بنتا ہے۔

(۲) پھر یہ کہ مزارعت و مساقات پر چاروں خلفائے راشدین ان کے اہل خانہ تمام مدینہ کے لوگ اور بعد کے دور کے سب لوگ عمل کرتے رہے ہیں۔ جبکہ نبیؐ کا فرمان ہے کہ میری امت جہالت پر کبھی جمع نہ ہوگی۔

حواشی

(۱) الجامع الصحیح المسلم، باب مزارعت، ج ۲، ص ۱۴

(۲) ایضاً۔

(۳) امام ابو یوسف، کتاب الخراج، باب ۱۰، فصل ۲ ص ۸۸

(۴) امام کاسانی، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، کتاب المزارعہ ص ۳۸

(۵) امام المرغینانی، الہدایہ، کتاب المزارعہ ص ۴۲

فصل III عدم جواز مزارعت

امام ابو حنیفہؒ بانی فقہ حنفی کی فقہ پر اپنی کوئی تصنیف نہیں ہے۔ اس لیے ان کے نظریات جاننے کے لیے دیگر حنفی فقہاء کی کتب سے رہنمائی لینی پڑتی ہی۔ جہاں تک موضوع زیر بحث کا تعلق ہے امام ابو حنیفہؒ مزارعت و مساقات کو ناجائز معاملہ کہتے ہوئے اس کے عدم جواز پر فتویٰ دیتے ہیں ان کے نزدیک مزارعت و مساقات کامعاملہ قفیز الطحان (بھاڑا) کا معاملہ ہے۔ جو کہ درست نہیں۔ ان کے اس موقف کاذکر درج ذیل فقہاء کی کتب میں ملتا ہے۔

امام کاسانی لکھتے ہیں :

"واما شرعیۃ المزارعۃ فقد اختلف فیھا قال ابو حنیفہ انھا غیر مشروعۃ وبہ اخذ الشافعی و قال ابو یوسف و محمد انھا مشروعۃ"(۱)

امام المرغینانی بیان کرتے ہیں :

"لا تجوز المزارعۃ والمساقاۃ عند ابی حنیفہ"(۲)

غرض فقہ حنفی کی ابتدائی اور بنیادی کتب جو امام ابو حنیفہ کے شاگردوں اور متقدمین نے لکھی ہیں۔ ان میں پوری صراحت سے امام ابو حنیفہؒ کی رائے بیان کی گئی ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مزارعت کا معاملہ باطل، فاسد، مکروہ، غیر مشروع اور ناجائز ہے۔ ظاہر ہے کہ مجموعی طور پر یہ سارے الفاظ اس پر دلالت کرتے ہیں کہ امام اعظم ابو حنیفہ کی نظر میں اس معاملہ کی نہی تنزیہی نہ تھی بلکہ تحریمی تھی۔ اور وہ شدت و سختی کے ساتھ اس معاملہ کے مخالف اور اسے بالکل ختم کر دینے کے حق میں تھے۔ اس سلسلے میں جو قیاسی دلائل احادیث نبویہؐ میں سے دیئے جاتے ہیں۔ درج ذیل ہیں۔

(i) ایک وہ حدیث جس میں آپؐ نے مخابرہ سے منع فرمایا اور مخابرہ کے متعلق ایک حدیث میں ہے کہ جو اسے نہ چھوڑے اس کے لیے اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے اعلان جنگ ہے۔ ربٰو کو نہ چھوڑنے والوں کے لیے بھی قرآن میں ایسی ہی وعید ہے۔ لہٰذا اس سے مخابرت کا حرام ہونا ثابت ہے۔ جو امام ابو حنیفہ کے نزدیک مزارعت ہی کا دوسرا نام ہے۔

(ii) دوسری دلیل جو قیاسی نوعیت کی ہے یہ کہ ایک حدیث میں رسول اللہ نے معاملہ قفیز الطحان سے منع فرمایا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس طرح سے چکی والے سے آٹا نہ پسوایا جائے کہ اس کی اجرت پسے ہوئے آٹے میں سے ایک پیانہ ہو۔ مطلب یہ کہ جو چیز اجیر و مزدور کی محنت سے وجود میں آئے اس میں سے کچھ اس کی اجرت نہ مقرر کی جائے بلکہ الگ سے اجرت ہونی چاہیے۔ کاشتکار کو بھی اسی پیداوار میں سے حصہ ملنا لازم ٹھہرایا جاتا ہے۔ اس لیے یہ درست نہیں۔

(iii) تیسری دلیل بھی قیاسی قسم کی ہے کہ رسول اللہ نے ایک حدیث میں اجارے کے ایسے معاملے سے منع فرمایا ہے جس میں اجیر کے لیے اس کی اجرت کمیت و کیفیت کے لحاظ سے مجہول اور غیر یقینی ہو۔ مزارعت میں بھی کاشتکار کی اجرت مجہول اور غیر یقینی ہوتی ہے۔ لہٰذا اس حدیث کے مطابق معاملہ مزارعت ممنوع و ناجائز قرار پایا ہے۔

(iv) حدیث خیبر کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ اہل خیبر کے ساتھ رسول اللہ نے جو معاملہ طے فرمایا تھا وہ مزارعت کا معاملہ نہ تھا بلکہ خراج مقاسمت کا معاملہ تھا۔ جو آج بھی جائز ہے اور مسلمان سربراہ حکومت اپنے غیر مسلم ذمیوں کے ساتھ ایسا

معاملہ کر سکتا ہے۔ غرضیکہ مزارعت کے عدم جواز سے متعلق امام ابو حنیفہ کے مذکورہ دلائل ثابت اور واضح کرتے ہیں کہ ان کے نزدیک یہ معاملہ بنیادی طور پر ممنوع اور ناجائز تھا اور وہ اس کی کسی شکل کو جائز و درست نہ سمجھتے تھے۔

حواشی

(۱) امام کاسانی، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع کتاب المزارعہ ص ۱۷۵

(۲) امام المرغینانی، الھدایہ، کتاب المزارعہ ص ۴۲

فصل IV رکن مزارعت

مجوزین مزارعت کے نزدیک رکن مزارعت ایک ہی ہے یعنی ایجاب و قبول اور وہ صاحب ارض کا عامل کو کہنا ہے کہ میں نے زمین تجھے مزارعت پر اتنے عوض کے بدلے میں دی۔ اور عامل کہے کہ میں نے قبول کیا یا کہے کہ میں راضی ہوں یا اور کوئی ایسی بات جو اس کے قبول و رضا پر دلالت کرے۔ پس جب ایجاب و قبول پائے گئے تو دونوں کے درمیان عقد پورا ہو گیا۔ جیسا کہ امام کاسانی لکھتے ہیں

"واما رکن المزارعة فهوا لا یجاب والقبول وهو ان یقول صاحب الارض للعامل دفعت الیک هذه الالارض مزارعة بکذا۔ و یقول العامل قبلت اورضیت او ما یدل علی قبوله و رضاه فاذا وجدا تم العقد بینهما۔"(۱)

غرض اس رکن مزارعت ایجاب و قبول کے الفاظ میں یہ امور شامل ہیں۔ کاشتکار کی محنت، قابل زراعت زمین، آلات کشاورزی جن سے زراعت میں کام لیا جائے اور وہ بیج جو زمین میں ڈالا جائے۔ امام ابو یوسف اور امام المرغینانی نے رکن مزارعت اپنی اپنی کتب میں بیان نہیں کیے کیونکہ یہ اختلافی مسائل میں سے نہیں ہے۔

حواشی

(۱) امام کاسانی، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، کتاب المزارعت ص ۱۷۶

فصل V شرائط مزارعت

مزارعت کی شرائط دو طرح کی ہیں صحیحہ اور مفسدہ۔

(i) شرائط مزارعت صحیحہ

مزارعت کو صحیح کرنے والی شرائط فقہا کے نزدیک درج ذیل ہیں

امام کاسانی بیان کرتے ہیں

"واما الشرائط فہی فی الا صل نوعان شرائط مصححہ للعقد علی قول من یجیز المزارعۃ و شرائط مفسدہ لہ (اما) المصححۃ فانواع بعضہا یرجع الی المزارع وبعضہا یرجع الی الزرع و بعضہا یرجع الی ما عقد علیہ المزارعۃ و بعضہا یرجع الی الا لۃ للمزارعۃ و بعضہا الی الخارج و بعضہا یرجع الی المزروع فیہ و بعضہا س یرجع الی مدۃ المزارعۃ"(۱)

امام الرغینانی نے اپنی کتاب الہدایہ میں شرائط مزارعت صحیحہ درج ذیل بیان کی ہیں۔

"ثم المزارعۃ لصحتہا علی قول من یجیزھا شروط (احدھا کون الا رض صالحہ للمزراعۃ) لا ن المقصود لا یحصل بدونہ (والثانی ان یکون رب الا رض والمزارع من اھل العقد وھو لا یختص بہ) لا ن عقدا ما لا یصح الا من الا ھل (والثالث بیان المدۃ) لا نہ عقد علی منافع الا رض او منافع العامل والمدۃ ھی المعیار لھا لیعلم بہا (والرابع بیان من علیہ البذر) قطعًا للمنازعۃ واعلا ما للمقصود علیہ و ھو منافع الا رض او منافع العامل (والخامس بیان نصیب من لا بذر من قبلہ) لا نہ یستحقہ عوضا بالشرط فلا بدان یکون معلوما و ما لا یعلم لا یستحق شرطا بالعقد (والسادس ان یخلی رب الا رض بینہا و بین العامل حتی لو شرط عمل رب الا رض یفسد العقد) لفوات التخلیۃ (والسابع الشرکۃ فی الخارج بعد حصولہ) لا نہ ینعقد شرکۃ فی الا نتہا و یقطع ھذا الشرکہ کان مفسد اللعقد (والثامن بیان جنس البذر) یصیر الا جر معلوما۔"(۲)

امام ابو یوسفؒ کی نسبت امام کاسانیؒ اور امام الرغینانیؒ نے شرائط مزارعت صحیحہ اور مفسدہ تفصیلاً ذکر کی ہیں۔ امام کاسانیؒ کے ہاں شرائط مزارعت صحیحہ کی تعداد سات ہے ایک وہ جو مزارع پر عائد ہوں دوسری وہ شرائط جو بوئی جانے والی جنس کے بارے میں تیسری شرائط پیداوار سے متعلق ہیں چوتھی شرائط جو زمین سے متعلق ہیں یعنی جس میں زراعت مطلوب ہے پانچویں شرائط آلات کشاورزی کے بارے ہیں۔ چھٹی شرائط یہ ہیں کہ بیج کس کی طرف سے ہوگا مالک یا کاشتکار؟ ساتویں شرائط مدت معاہدہ بیان کرنے سے ہیں۔ امام الرغینانیؒ نے کل آٹھ شرائط بیان کی ہیں۔ انہوں نے امام کاسانیؒ کی مذکورہ سات شرائط سے اتفاق کیا ہے۔ اور ایک شرط تخلیہ بین المزارع اور مالک زمین لکھی ہے۔

مذکورہ شرائط صحیحہ کی تفصیل درج ذیل ہے

امام کاسانی لکھتے ہیں :

(۱) "(اما) الذی یرجع الی المزارع فنوعان الاول ان یکون عاقلا فلا تصح المزارعة المجنون والصبی الذی لا یعقل المزارعة دفعًا واحدا لان العقل شرط اهلیة التصرفات (واما) البلوغ فلیس بشرط الجواز المزارعة حتی تجوز مزارعة الصبی المانون دفعًا واحدا لان المزارعة استجار ببعض الخارج والصبی المانون یملک الاجارة لانها تجارة فیملک المزارعة و کذلک الحریة لیست بشرط لصحة المزارعة فتصح المزارعة من العبدالمانون دفعًا واحدًا لما ذکرنا فی الصبی المانون۔

والثانی ان لا یکون مرتدًا علی قیاس ابی حنیفہ فی قیاس قول من اجاز المزارعة فلا تنفذ مزارعة للحال بل هی موقوفہ و عندهما هذا لیس بشرط لجواز المزارعة و مزارعة المرتد نافذه للحال' بیان ذلک انه اذا دفع المرتد رضا الی رجل مزارعة بالنصف او بالثلث او بالربع فعمل الرجل واخرجت الارض زرعا ثم قتل المرتد اومات علی الردة او لحق بدار الحرب و قضی بلحاقه بدار الحرب فهذا علی وجهین اما ان دفع الارض والبذر جمیعا مزارعة فالخارج کله للمزارع ولا شئی لورثة المرتد لان مزارعة کانت موقوفة فاذا مات او لحق بدار الحرب تبین انه لم یصح اصلا فصار کان العامل زرع ارضه ببذر مغصوب و من غصب من آخر مبا و بذربه ارضه فاخرجت کان الخارج له دون صاحب البذر و علی العامل مثل ذلک البذر لانه مغصوب استهدکه وله مثله فیلزمه مثله۔ وان دفع الیها الارض دون البذر فالخارج له ایضا لانه لما ظهرانه لمالم تصح المزارعة صار کانه غصب ارضا و بذرها ببذر نفسه فاخرجت ولو کان کذلک کان الخارج له کذا هذا الا انه یاخذ من ذلک قدر بذره و نفقة و ضمان النقصان ان کانت المزارعة نقصتها و یتصدق بالفضل لما ذکرنا و ان کانت لم تنقصها فقیاس قول ابی حنیفه علی قیاس قول من اجاز المزارعة ان یکون الخارج کله للعامل ولا یلزمه نقصان الارض ولا غیره وفی الاستحسان الخارج بین العامل و بین ورثة المرتد علی الشرط"

(۲) واما الذی یرجع الی الزرع فنوع واحد وهوان یکون معلوما بان بین مایزرع لان حال المزروع یختلف باختلاف الزرع بالزیادة والنقصان فرب زرع یزید فی الارض و رب زرع ینقصها و قدیقل النقصان و قدیکثر فلا بد من البیان لیکون لزوم الضرر مضافا الی التزامه الا اذا قال له ازرع فیها ما شئت فیجوز له ان یزرع فیها ماشاء لانه لما فوض الامر الیه فقد بالضرر الا انه لا یملک الغرس لان الداخل تحت العقد الزرع دون الغرس۔"

(۳) "و اما الذی یرجع الی المزروع فیه و هو الارض فانواع (منها) ان تکون صالحة للزراعة حتی لو کانت سبخة اونزة لا یجوز العقد لان المزارعة عقد استئجار لکن ببعض الخارج ولا رض السبخة و والنزه لا تجوز اجازتها فلا تجوز مزارعتها (فاما) اذا کانت صالحة الزراعة فی المدة لکن لا تمکن زراعتها وقت العقد الارض من انقطاع الماء و زمان الشتاء ونحوه من العوارض التی هی علی شرف الزوال فی المدة تجوز مزارعتها کما یجوز اجازتها۔

(ومنها) ان تکون معلومة فان کانت مجهولة لا تصح المزارعة لانها تؤدی الی المنازعة ولو دفع الارض مزارعة علی ان ما یزرع فیها حنطة فکذا وما یزرع فیها شعیرا فکذا یفسد العقد لان المزروع فیه مجهول لان کلمه من للتبحیض فیقع علی بعض الارض و انه غیر معلوم و کذا لو قال علی ان یزرع بعضها حنطة و بعضها شعیر الا ان النصیص علی التبعیض تنصیص علی التجهیل ولو قال علی ان مازرعت فیها حنطة فکذا و مازرعت فیها شعیرا فکذا جاز لانه جعل الارض کلها ظرفا لزرع الحنطة او لزرع الشعیر فانعدم التجهیل ولو قال علی ان ازرع فیها بغیر کراب فکذا و مازرع فیها شعیرا فکذا و منهم من اشتغل بتصیحح جواب الکتاب والفرق بین الفصلین علی وجه لم یتضح ولو قال علی انه ان زرع حنطة فکذا و ان زرع شعیر فکذا و ان زرع سمسما فکذا ولم یذکر منها فهو جائز لا نعدام جهالة المزروع فیه و جهالة الزرع للحال لیس بضائر لانه فوض الاختیار الیه فای ذلک اختاره یتعین ذلک العقد باختیاره فعلا کما قلنا فی الکفارات الثلاث ولو زرع بعضها حنطة و بعضها شعیرا اجاز لانه لو زرع الکل حنطة اوالکل شعیر الجاز فاذا زرع البعض حنطة والبعض شعیرا اولی۔"

(۴) واما الذی یرجع الی مدة المزارعة فهو ان تکون المدة معلومة فلا تصح المزارعة الا بعد بیان المدة لانها استئجار ببعض الخارج ولا تصح الاجارة مع جهالة المدة وهذا هو القیاس فی المعامله ان لا تصح الا بعد بیان المدة لانها استئجار العامل ببعض الخارج فکانت اجاره بمنزلة المزارعت الا انها جازت فی الاستحسان لتعامل الناس ذلک من غیر بیان المدة و تقع علی اول جزء یخرج من الثمرة فی اول السنة لان وقت ابتداء المعاملة معلوم (فاما) وقت ابتداء المزارعت فتفاوت حتی انه لو کان فی موضع لا یتفاوت یجوز من غیر بیان المدة و هو علی اول زرع یخرج کذا ذکر محمد ابن سلمة ان بیان المدة فی دیار نالیس بشرط کما فی المعامله"

(۵) (و منها) ان تکون الارض مسلمة الی العامل مخلاة و هو ان یوجد من

صاحب الارض التخلیة بین الارض و بین العامل حتی لو شرط العمل علی رب الارض لا تصح المزارعة لا نعدام التخلیة فکذا اذا اشترط فیه عملهما فیمنع التخلیة جمیعا لما قلنا و لهذا لو شرط رب المال فی عقد المضاربة العمل مع المضارب لا تصح المضاربة لا نه شرط یمنع وجود ما هو شرط لصحة العقد و هوا لتخلیة کذا هنا۔

و علی هذا اذا دفع ارضا و بذرا و بقرا علی ان یزرع العامل و عبد رب الارض و للعامل الثلث ولرب الارض الثلث و لعبده الثلث فهو جائز علی ما اشترط لا ن صاحب الارض صار مستاجر اللعامل ببعض الخارج الذی هو نماء ملکه فصح و شرط العمل علی عبده لا یکون شرطا علی نفسه لا ن العبد الماذون له ید نفسه علی کسبه لا بدالبنایة عن مولاه فیصیر بمنزلة الا جنبی فلا یمنع تحقیق التخلیة فلا یمنع الصحة و یکون نصیب العبد لمولا

و ان کان البذر من العامل لا تصح المزارعة لا نه یصیر مستا جرا الارض والبقر و العبد ببعض الخارج الذی هو نماء ملکه و مالا یصح علی ما نذکر و یکون الخارج له و علیه اجر مثل الارض والبقر والعبد لا ن هذا حکم المزارعة الفاسدة علی ما یذکر فی موضعه

و کذا لو کان شرط عمل رب الارض مع ذلک کان له ایضا اجر مثل عمله لا ن هذا شرط مفسد للعقد واللہ اعلم"

(۲) واما الذی یرجع الی الخارج من الزرع فانواع

(منها) ان یکون مذکورا فی العقد حتی لو سکت عنه فسد العقد لا ن المزارعة استئجار والسکوت عن ذکرا لا جرة یفسد الا جارة۔

(و منها) ان یکون لهما حتی لو شرطا ان یکون الخارج لا حدهما یفسد العقد لا ن معنی الشرکة لازم لهذا العقد و کل شرط یکون قاطعا للشرکة یکون مفسدا للعقد۔

(و منها) ان نکون حصة کل واحد من المزارعین بعض الخارج حتی لو شرطا ان یکون من غیره لا یصح العقد لا ن المزارعة استئجار ببعض الخارج به تنفصل عن الا جارة المطلقة۔

(و منها) ان یکون ذلک البعض من الخارج معلوم القدر من النصف والثلث والربع و نحوه لا ن ترک التقدیر یوذی الی الجهالة المفضیة الی المنازعة ولهذا شرط بیان مقدار الا جرة فی الا جارات کذا هنا۔

(و منها) ان یکون جزا شائعا من الجملة حتی لو شرط لا حدهما قفزانا معلومة لا یصح العقد لا ن المزارعة فیها معنی الا جارة والشرکة تنعقد اجارة ثم تتم شرکة (اما) معنی

الاجارة فلان الاجارة تمليک المنفعة بعوض والمزارعة كذلك لان البذر ان كان من رب الارض فالعامل يملك منفعة نفسه من رب الارض بعوض وهونماء بذره وان كان البذر من قبل العامل فرب الارض يملك منفعة ارضه من العامل بعوض هونماء بذره فكانت المزارعة استئجارا اما للعامل واما للارض لكن ببعض الخارج واما معنى الشركة فلان الخارج يكون مشتركا بينهما على الشرط المذكور و اذا ثبت ان معنى الاجارة والشركة لازم لهذا العقد فاشتراط قدر معلوم من الخارج ينفي لزوم معنى الشركة لاحتمال ان الارض لا تخرج زيادة على القدر المعلوم و لهذا اذا شرط في المضاربة سهم معلوم من الربح لا يصح كذا هذا۔

و كذا اذا ذكر جزء شائعا و شرط معه زيادة اقفزة معلومة انه لا يصح لما قلنا و على هذا اذا شرط احدهما البذر لنفسه و ان يكون الباقي بينهما لا تصح المزارعة لجواز ان لا تخرج لارض الا قدر البذر فيكون كل الخارج له فلا يوجد معنى الشركة ولان هذا في الحقيقة شرط قدر البذر ان يكون له لا عين البذر لان عينه تهلك في التراب و ذالا يصح لما ذكرنا و هذا بخلاف المضاربة لان قدر راس المال يرفع و يقسم الباقي على الشرط لان المضاربة تقتضي الشركة في الربح لا في غيره و دفع راس المال لا نعدام معنى الشركة في الربح (فاما) المزارعة فتقتضي الشركة في كل الخارج واشتراط قدر معلوم من الخارج يمنع تحقق الشركة في كله فهوالفرق بين الفصلين

و كذا اذا شرطا ما على الماذيانات والسواقي لا يصح العقد لان ما على الماذيانات والسواقي معلوم فشرطه يمنع لزوم الشركة في العقد و قدوري انهم كانوا يشترطون في عقد المزارعة لا حدهما ما على الماذيانات والسوا في فلما بعث النبي المكرم عليه افضل التحية ابطله"

(۷) (اما) الذي يرجع الى آلة المزارعة فهو ان يكون البقر في العقد تابعا فان جعل مقصودا في العقد تفسد المزارعة"(۳)

امام ابو یوسفؒ اور امام الرغینانیؒ کی نسبت امام کاسانیؒ نے شرائط مزارعت صحیحہ کی تعداد بیان کرنے کے بعد ہر قسم کی علیحدہ علیحدہ وضاحت بھی کی ہے۔ اس طرح امام کاسانیؒ کے بقول شرائط مزارعت صحیحہ کس کس طرح طے ہونی چاہیے وہ ہم نے فصل ھذا میں جانا۔

جیسے کہ امام کاسانیؒ لکھتے ہیں پہلی قسم کی وہ شرائط جو یرجع الی المزارع ہیں دو اقسام پر مبنی ہیں۔ ایک تو مزارع اور کاشتکار میں سے کوئی مجنوں یعنی پاگل یا دیوانہ نہ ہو دوسرا ایسا کم عمر بچہ نہ ہو جو مزارعت اور اس کے دیگر معاملات کو سمجھتا نہ ہو تیسرا ان کے مرتد ہونے میں فقہا کے ہاں

اختلاف ہے امام ابو حنیفہ مرتد سے مزارعت کو جائز نہیں کہتے۔ جبکہ صاحبین کے نزدیک مرتد سے معاملہ مزارعت درست ہے۔

دوسری قسم کی شرائط کا تعلق اس جنس کے واضح بیان کردینے سے ہے جو زمین میں کاشت کار بوئے گا تاکہ بعد میں اس مسئلہ پر مالک زمین اور مزارع کے درمیان جھگڑا نہ ہو۔

تیسری قسم کی شرائط کا تعلق زمین سے ہے جس میں زراعت مطلوب ہے۔ اگر وہ زمین قابل کاشت ہی نہیں تو معاہدہ مزارعت نافذ نہیں ہوگا۔ یعنی اگر زمین بنجر سیم زدہ یا کسی اور مصرف میں ہے تو مزارع وہاں کاشت کرنے سے عاجز رہے گا اور معاہدہ باطل ہوجائے گا۔ اس لئے زمین قابل کاشت اور زرخیز ہونی چاہیے دوسری بات جو شرط میں ہے کہ جس زمین کے بارے معاہدہ مزارعت ہوا ہے۔ اس کا صحیح رقبہ اور حدود اربعہ متعین ہونا چاہیے تاکہ کس قسم کا جھگڑا نہ ہو تیسری بات یہ کہ اگر زمین مذکورہ میں ایک جنس سے زیادہ کاشت کرنی ہو تو ہر جنس کے لیے رقبہ واضح کرنا چاہیے۔ اگر مالک زمین مذکورہ تمام معاملات کاشت کار کی صوابدید پر چھوڑے تو معاہدہ صحیح ہوگا۔

چوتھی قسم کی شرائط کا تعلق مدۃ مزارعت بیان کرنے سے ہے۔ اگر مدت واضح کردی جائے تو معاہدہ مزارعت کے لئے بہت ہی بہتر ہے لیکن اگر ایسا نہ کیا جائے تو فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ مدت پہلی فصل کے پک کر کٹنے تک شمار کی جائے گی یعنی تقریباً" ایک سال اس کے بعد تجدید معاہدہ کرنا ہوگا۔

پانچویں قسم کی شرائط کا تعلق کاشت کار اور مالک زمین کے درمیان تخلیہ سے ہے۔ مالک زمین کاشت کار کے کام میں مداخلت کا مجاز نہیں اگر وہ ایسا کرے گا تو وہ مزارعت نہیں ہوگی۔ کیونکہ مضاربہ میں بھی ایسا کرنا شرط ہے۔ کہ سرمایہ لگانے والا کام کرنے والے کے معاملات میں مداخلت نہ کرے۔

چھٹی قسم کی شرائط کا تعلق پیداوار کی تقسیم سے ہے کیونکہ دونوں فریق مزارعت میں پیداوار کے حصول کے لئے ہی شرکت کرتے ہیں۔ اگر ہر ایک کا حصہ پہلے سے ذکر نہ کیا جائے تو بعد میں جھگڑا یقینی ہے۔ کسی ایک کے ساتھ بھی زیادتی ہونا معاہدہ مزارعت کے خلاف جائے گا۔ کیونکہ مزارعت کا مطلب ہی عوام الناس کو زیادہ آسانی سہولت اور زیادہ پیداوار دینا ہے۔ اس لئے اگر پیداوار کسی ایک کے لئے طے پاتی تو درست نہیں اور اگر پیداوار ہونے والی جنس کے علاوہ کچھ اور جنس طے پاتی تب بھی درست نہیں اگر کاشت کئے گئے خطہ زمین میں سے خاص خاص ٹکڑوں کی پیداوارکسی ایک کے لئے مخصوص کردی جائے۔ یعنی زیادہ زرخیز یا نالیوں کے ساتھ والے خطے تو درست نہیں۔

ساتویں قسم کی شرائط کا تعلق آلات مزارعت سے ہے' یہ کاشت کار کی طرف سے ہی ہونگے مالک زمین کی طرف سے ہونگے تو معاہدہ باطل ہو جائے گا۔

آٹھویں قسم کی شرط کا تعلق یہ بیان کرنے سے ہے کہ بیج کس کی جانب سے ہوگا۔ مالک زمین یا کاشت کار یہ وضاحت بہت ضروری ہے۔ تاکہ بیج والے کے حقوق کا تعین ہوسکے کیونکہ اس کا حق مقدم ہوتا ہے۔ اور حق تلفی نہیں ہونی چاہیے۔

(ii) شرائط مزارعت مفسدہ

شرائط مزارعت مفسدہ بھی چند اقسام پر مشتمل ہیں جیساکہ امام کاسانی بیان کرتے ہیں۔

"واما الشرائط المفسدہ للمزارعة فانواع و قد دخل بعضها فی بیان الشرائط المصححة

(i) (ومنها) شرط کون الخارج لا حدهما لا نه شرط یقطع الشرکة التی هی من خصائص العقد

(ii) (و منها) شرط العمل علی صاحب الارض لان ذلک یمنع التسلیم و هو التخلیة

(iii) (و منها) شرط البقر علیه لان فیه جعل منفعة البقر مقصودا علیها مقصوده فی باب المزارعة ولا سبیل الیه

(iv) (و منها) شرط الحمل والحفظ علی المزارع بعد القسمة لا نه لیس من عمل المزارعة (و منها) شرط الحصاد والرفع الی البیه والدیاس والتذرية لان الزرع لا یحتاج الیه اذله یتعلق به صلاحه والاصل ان کل عمل یحتاج الیه الزرع قبل تناهیة وادراکه و جفافه مما یرجع الی اصلاحه من السقی والحفظ و قلع الحشاوة و حفر الانهار و تسویة المسناة و نحوها فعلی المزارع لان ما هو المقصود من الزرع و هوالنماء لا یحصل بدونه عادة فکان من توابع المعقود علیه فکان من عمل المزارعة فیکون علی المزارع و کل عمل یکون بعد تناهی الزرع و ادراکه و جفافه قبل قسمة الحب مما یحتاج الیه لخلوص الحب و تنقیة یکون بینهما علی شرط الخارج لا نه لیس من عمل المزارعة و لهذا قالوا لو دفع ارضا مزارعة و فیها زرع قد استحصد لا یجوز لانقضاء وقت عمل المزاعة اذا العمل فیه بعد الادراک مما لا یفیده و کل عمل یکون بعد القسمة من الحمل الی البیت و نحوه مما یحتاج الیه لا حراز المقسوم فعلی کل واحد منهما فی نصیبه لان ذلک مؤنة ملکه فیلزمه دون غیره و روی عن ابی یوسف انه اجاز شرط الحصاد و رفع البیدو الدیاس والتذرية علی المزارع لتعامل الناس و بعض مشایخنا ماوراء النهر یفتون به ایضا و هوا ختیار نصیر بن یحیٰی و محمد بن سلمة من مشایخ خراسان والجذاذ فی باب المعاملة لا یلزم العامل بلا خلاف (اما) فی ظاهر الروية فلا یشکل و اما علی روایة ابی یوسف فلا انعدام التعامل فیه ولو باع الزرع قصیلا

فا جتمعا على ان يقصلاه كان القصل على كل واحد منهما فى قدر شرط الحب لا نه بمنزلة شرط الحصاد۔

(٧) (ومنها) شرط التبن لمن لا يكون البذر من قبله و جملة ان هذا لا يخلو من ثلا ثه اوجه اما ان شرطا ان يكون التبن بينهما واما ان سكتا عنه واما ان شرطا ان يكون لا حدهما دون الا خر فان شرطا ان يكون بينهما لا شك انه يجوز لا نه شرط مقرر مقتضى العقد لا ن الشركه فى الخارج من الزرع من معانى هذا العقد على ما مروان سكتا عنه يفسد عنه ابى يوسف و عند محمد لا يفسد و يكون لصا حب البذر منهما و ذكر الطحاوى ان محمد" رجع الى قول ابى يوسف (وجه) قول محمد ان ما يستحقه صاحب البذر يستحقه ببذره لا بالشرط فكان شرط التبن والسكوت عنه بمنزله واحدة (وجه) قول ابى يوسف ان كل واحد منهما اعنى الحب والتبن مقصود من العقد فكان السكوت عن التبن بمزلة السكوت عن الحب واذا مفسد بالا جماع فكذا هذا وان شرطا ان يكون لا حدهما دون الا خر فان شرطاه لصاحب البذر جاز و يكون له لا ن صاحب البذر يستحقه من غير شرط لكونه نماء ملكه فالشرط لا يزيده الا تاكيدا وان شرطاه لمن لا بذرله فسدت المزارعة لا ن استحقاق صاحب البذر التبن بالبذر لا بالشرط لا نه نماء ملكه و نماء ملك الا نسان ملكه فصار شرط كون التبن لمن لا بذر من قبله بمنزلة شرط كون الحب له و ذا مفسد كذا هذا۔

(٧١) (ومنها) ان يشترط صاحب الارض على المزارع عمل يبقى اثره و منفعته بعد مدة المزارعة كبناء الحائط والسرقند و استحداث حفرا النهرو رفع المسناة و نحو ذلک مما يبقى اثره و منفعة الى ما بعد انقضاء المدة لا نه شرطه لا يقتضيه العقد و اما الكراب فلا يخلوفى الا صل من وجهين (اما) ان شرطاه فى العقد و اما ان سكتا عنه فان سكتا عنه هل يدخل تحت عقد المزارعة حتى يجير المزارع عليه لو امتنع اولا فستذكره فى حكم المزارعة الصحيحة ان شاء اللّٰہ تعالٰی و ان شرطاه فى العقد فلا يخلوا يضا من وجهين اما ان شرطاه مطلقا عن صفة التثنية واما ان شرطاه مقيدا بها فان شرطاه مطلقا عن الصفة قال بعضهم انه يفسد العقد لا ن اثره يبقى الى ما بعد المدة و قال عامتهم لا يفسد و هو الصحيح لا ن الكراب بدون التثنية بما يبطل السقى على وجه لا يبقى له اثر و منفعة بعد المدة فلم يكن شرطه مفسدا للعقد و ان شرطاه مع التثنية فسدت المزارعة لا ن التثنية اما ان تكون عبارة عن الكراب مرتين مرة للزراعة و مرة بعد الحصاد ليرد الا رض على صاحبها مكروبة و هذا شرط فاسد لا شک فيه لما ذكرنا انه شرط عمل ليس هو من عمل المزارعة لا ن الكراب بعد الحصاد ليس من عمل المزارعة هذه السنة و اما ان يكون عبارة عن فعل الكراب مرتين قبل

الزراعة و انه عمل يبقى اثره و منفعة الى ما بعد المدة فكان مفسدا حتى انه لو كان فى موضع لا يبقى لا يفسد كذا قال بعضى مشايخنا ولو دفع الارض مزارعة على انه ان زرعها بغير كراب فللمزارع الربع و ان زرعها بكراب فله الثلث و ان كربها و ثناها فله النصف فهو جائز على ما شرطا كذا ذكر فى الاصل و هذا مشكل فى شرط الكراب مع التثنية لانه شرط مفسد فينبغى ان يفسدها هذا الشرط و اذا عمل يكون له اجر مثل عمله فاما شرط الكراب وعدمه فصيحح على الشرط المذكور لانه غير مفسد بعضهم محجوا جواب الكتاب و طوقوا بين هذا الشرط و بين شرط التثنية بفرق لم يتضح و فرع الاصل فقال ولو زرع بعض الارض الكراب و بعضها بغير كراب و بعضها بثنيان فهو جائز و الشرط بينهما فى كل الارض نافذ على ما شرطا كذا ذكر فى الاصل و هذا بناء على الاول لا نه ان شرط التثنية فى كل الارض عندا ختيار ه ذلك يصح فى البعض بالطريق الاولى۔ "(۳)

امام کاسانیؒ نے وہ شرائط جن سے مزارعت فاسد ہو جاتی ہے سات بیان کی ہیں پہلی یہ کہ اگر پیداوار مالک زمین یا کاشت کار میں سے کسی ایک کے لئے خاص کر دی جائے کیونکہ یہ بات معاہدہ مزارعت کو قطع کرنے والی ہے۔

دوسری شرط یہ کہ اگر کاشت کرنے کی ذمہ داری مالک زمین اپنے اوپر لے تب بھی یہ شرط تخلیہ کے خلاف ہے اور مزارعت کو قطع کرنے والی ہے۔

تیسری شرط یہ کہ اگر آلات کشاورزی بیل' ہل وغیرہ مالک زمین کے ذمہ ہوں تب بھی مزارعت باطل ہو جائے گی۔

چوتھی شرط امام کاسانیؒ نے یہ بتائی ہے کہ اگر فصل کاٹنا' چھڑنا وغیرہ زمیندار کے ذمے شرط ہو تو معاہدہ مزارعت فاسد ہو جائے گا۔ ہاں اگر کسی خطے میں ایسا کرنا رواج ہو تو پھر جائز ہو گا۔

پانچویں شرط مفسدہ یہ ہے کہ اگر بھوسا دینا اس فریق کے حق قرار پائے جس نے بیج نہیں دیا تو درست نہیں کیونکہ بھوسا بیج والے کا حق ہو گا۔

چھٹی شرط مفسدہ یہ ہے کہ زمیندار کاشت کار پر کوئی ایسی چیز زمین پر بنانے کی شرط رکھے جو مدت مزارعت ختم ہونے پر بھی زمین پر قائم رہے تو درست نہیں مثلاً" کنواں کھودنا۔ حوض بنانا' کمرہ تعمیر کرنا اناج سٹور کرنے کے لئے یا باڑیں بنانا یا یہ کہنا کہ فصل کاٹنے کے بعد بھی زمین میں قلبہ رانی کی جائے۔ وغیرہ

حواشی

(۱) امام کاسانی' بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع' کتاب المزارع ے ص ۱۷۶

(۲) امام المرغینانی' الھدایہ' کتاب المزارع ے الجزء ثالث وارابع ص ۴۳

(۳) امام کاسانی' بدائع الصنائع فی ترتیب الصنائع' کتاب المزارع ے ص ۱۷۶- ۱۸۰

(۴) امام کاسانی' بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع' کتاب المزارع ے ص ۱۸۰- ۱۸۱

فصل VI احکام مزارعت

مجوزین مزارعت کے ہاں احکام مزارعت دو قسم کے ہیں۔ صحیحہ اور مفسدہ۔ جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

(i) احکام مزارعت صحیحہ

امام کاسانی کے نزدیک احکام مزارعت صحیحہ جو بیان کی گئی ہیں یہاں دی جا رہی ہیں۔

و اما بیان حکم المزارعه الصحیحه عند من یجیزها فنقول و باالله التوفیق للمزارعة الصحیحهاحکام

۱- (ومنها) ان یکون الخارج بینهما علی الشرط المذکور لا ن الشرط قد صح فیلزم الوفاء به لقوله علیه الصلاة والسلام المسلمون عند شروطهم

۲- (ومنها) ان هذا العقد غیر لازم فی جانب صاحب البذر لازم فی جانب صاحبه لوامتنع بعد ما عقد المزارعة علی الصحة و قال لا ارید زراعة الارض له ذلک سواء کان له عذر اولم یکن ولو امتنع صاحبه لیس له ذلک الا من عذر و عقد المعاملة لازم لیس لواحد منهما ان یمتنع الا من عذر والفرق بین هذه الا جملة ان صاحب البذر لا یمکنه المضی فی العقدالا با تلاف ملکه و هوالبذر لا ن البذر یهلک فی التراب فلا یکون الشروع فیه ملزما فی حقه اذا لا نسان لا یجبر علی اتلاف ملکه ولا کذلک من لیس البذر من قبله والمعاملات لا نه لیس فی لزوم المعنی ایاهم اتلاف ملکهم فکان الشروع فی حقهم ملزما ولا ینفسخ الا من عذر کما فی سائر الا جارات و سواء کان المزارع کرب الا رض اولم یکربها لا ن ماذکرنا من المعنی لا یوجب الفصل بینهما ولا شیء للعامل فی عمل الکراب علی ما نذکره فی حکم المزارعة المنفسخة ان شاء الله تعالیٰ۔

۳- (و منها) انها اذالم تخرج الا رض شیا فلا شئی لواحد منهما لا اجر العمل ولا اجر الا رض سواء کان البذر من قبل العامل او من قبل رب الا رض بخلاف المزارعة الفاسده انه یجب فیها اجر المثل وان لم تخرج الا رض شیا والفرق ان الواجب فی العقد الصحیح هو المسمی وهو بعض الخارج ولم یوجد الخارج فلا یجب شئی والواجب فی المزارعة الفاسدة اجر مثل العمل فی الذمة لا فی الخارج فانعدام الخارج لا یمنع وجوبه فی الذمة فهو الفرق۔

۴- (منها) ان کل ما کان من عمل المزارعة مما یحتاج الزرع الیه لا صلاحه فعلی المزارع لا ن العقد تناوله

۵- (ومنها) ان کل کا کان من باب النفقة علی الزرع من الرقین و قلع الحشاوة و نحو ذلک فعلیهما علیج قدر حقهما و کذلک الحصاد والحمل الی البیدر و الدیاس و تذریة لما ذکرنا ان ذلک لیس من عمل المزارعة حتی یختص به المزارع۔

۶- (ومنها) ولایة جبر المزارع علی الکراب وعدمها و هذا علی وجهین اما ان شرطا الکراب فی العقد و اما ان سکتا عن شرطه فان شرطا' یجبر علیه لا نه شرط صحیح فیجب الوفاء به وان سکتا عنه ینظر ان کانت الارض مما یخرج الزرع بدون الکراب زرعا معتادا یقصد مثله فی عرف الناس لا یجبر المزارع علیه وان کانت مما لا یخرج اصلا او یخرج ولکن شیا قلیلا لا یقصد مثله بالعمل یجبر علی الکراب لا ن مطلق عقد المزارعة یقع علی الزراعة المعتادة و علی هذا اذا امتنع المزارع عن السقی و قال ادعها حتی تسقیها السماء فهو علی قیاس هذا التفصیل انه ان کان الزرع مما یکتفی بماء السماء و یخرج زرعا معتادا بدونه لا یجبر علی السقی وان کان مع السقی اجود فان کان مما لا یکتفی به یجبر علی السقی لما قلنا۔

۷- (ومنها) جواز الزیادة علی الشرط المذکور من الخارج والحط عنه و عدم الجواز والا صل فیه ان کلما احتمل انشاء العقد علیه احتمل الزیادة وما لا فلا والحط جائز فی الحالین جمیعا کما فی الزیادة فی الثمن فی باب البیع اذا عرف هذا فنقول الزیادة والحط فی المزارعة علی وجهین اما ان یکون من المزارع و اما ان یکون من صاحب الارض ولا یخلوا ما ان یکون البذر من قبل المزارع اما ان یکون من صاحب الارض بعد ما استحصد الزرع او قبل ان یستحصد فان کان من بعد ما استحصد والبذر من قبل العامل و کانت المزارعة علی النصف مثلا فزاد المزارع صاحب الارض السدس فی حصه و جعل له الثلثین و رضی به صاحب الارض لا تجوز الزیادة والخارج بینهما علی الشرط نصفان وان زاد صاحب الارض المزارع السدس فی حصه و تراضیا فالزیادة جائزة لا ن الا ول زیادہ علی الا جرة بعد انتهاء عمل المزارعة باستیفاء المعقود علیه و هوا المنفعة وانه لا یجوز الا تری انهما لو انشا العقد بعد الحصاد لا یجوز فکذلک الزیادة والثانی حط من الا جرة و انه لا یستدعی قیام المعقود علیه کما فی باب البیع هذا اذا کان البذر من قبل العامل فان کان من قبل صاحب الارض فزاد صاحب الارض لا یجوز وان زاد المزارع جاز لما قلنا هذا اذا زاد احدهما بعد ما استحصد الزرع فان زاد قبل ان یستحصد جاز ایهما کان لا ن الوقت یحتمل انشاء العقد فیحتمل الزیادة ایضا بخلاف الفصل الا ول۔"(۱)

الغرض امام کاسانیؒ نے اپنی کتاب میں احکام مزارعت صحیحہ نہایت جامع انداز میں یوں

بیان کئے ہیں۔

۱۔ پیداوار کی تقسیم مالک زمین اور کاشتکار کے درمیان شرط کے مطابق ہی ہوگی واضح ہو کہ وہ شرط جو دونوں میں حصہ تقسیم کرنے کی ہوگی صحیحہ ہی ہوگی تب ہی اس پر عملدرآمد بھی احکام صحیحہ کے تحت آئے گا۔

۲۔ دونوں میں سے جس کی جانب سے بیج نہیں ہوگا اس پر معاہدہ کی پابندی لازم ہے کیونکہ اگر بیج بو دینے کے بعد بیج نہ دینے والا معاہدہ سے نکلے گا تو بیج والے کو نقصان ہوگا۔ کیونکہ بیج مٹی میں مل کر ضائع ہی ہوگیا۔ البتہ بیج والا معاہدہ کرنے کے بعد معاہدہ توڑ سکتا ہے۔

۳۔اگر تمام محنت کرنے کے باوجود پیداوار کچھ بھی حاصل نہ ہو تو دونوں میں سے کسی کو کچھ نہیں ملے گا۔ بیج والے کے بیج ضائع ہوئے اور محنت والے کی محنت غارت ہوگی لیکن اگر کسی وجہ سے مزارعت فاسد ہوگی تو اجرالمثل واجب ہوگا اور یہ اجر المثل دراصل عمل اور محنت کا بدل ہے نہ کہ پیداوار میں سے حصہ کا حساب۔

۴۔ حکم یہ ہے کہ کھیتی کی اصلاح کے تمام کام مزارع کے ذمے ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی کام مالک زمین کے اوپر عائد کیا جائے تو حکم کے خلاف ہوگا۔

۵۔ کھیتی پر ہونے والے اخراجات اور کھیتی پکنے کے بعد کے کام اور اخراجات مالک زمین اور مزارع دونوں پر عائد ہوتے ہیں۔ اگر وہ تمام کام اور اخراجات کسی ایک پر عائد ہونگے تو حکم مزارعت صحیحہ کے خلاف ہوگا۔

۶۔ مزارع کو اگر بلاوجہ زمین جوتنے اور آبپاشی پر مجبور کیا جائے گا تو حکم یہ ہے کہ ایسا کرنا درست نہیں اگر زمین ایسی ہو کہ بغیر جوتے اس جگہ کے رواج کے مطابق جو بویا جارہا ہے اس کی پیداوار اندازہ کے مطابق ہوتی ہو تو پھر جوتنے کی ضرورت نہیں ورنہ زمین جوتنے کا حکم لازم ہے۔ لیکن اگر فصل پکنے اور کٹنے کے بعد اس پر زمین جوتنے کی پابندی لگائی جائے تاکہ آئندہ فصل بونے کے لئے زمین تیار ملے تو یہ حکم کے خلاف ہے۔ یہی حکم آبپاشی کا ہوگا کہ اگر جو بویا جارہا ہے پانی کے بغیر بھی اگتا ہو تو پانی دینا لازم نہیں۔ یعنی بارش کا پانی یا کم پانی بعض فصلوں کے لئے کافی ہوتا ہے' لیکن اگر آبپاشی سے کھیتی زیادہ عمدہ آتی ہو تو وہاں اسی جنس کے لئے پانی دینا لازم ہوگا۔

۷۔ مالک زمین اور کاشتکار کے لئے پیداوار میں سے جو حصہ مقرر ہوچکا ہو بعد میں اس میں زیادہ یا کم کرنا درست نہیں۔ ہاں اگر بعض اجناس اکثر اندازہ کی گئی مقدار سے زیادہ ہوتی ہوں تو ان میں حصہ بھی بڑھا دیا جائے گا ورنہ نہیں۔ البتہ کمی ہوسکتی ہے۔ کیونکہ پیداوار کم ہونے کی کئی وجوہات معروف اور سب کے علم میں ہیں۔ بارش نہ ہونا۔ سیلاب آجانا۔ فصل کی بیماری

کیڑوں کا حملہ وغیرہ ورنہ عام حالت میں حصہ برابر ہی تقسیم ہو گا۔

(ii) احکام مزارعت مفسدہ

امام ابو یوسف، امام کاسانی، امام المرغینانی کی طرف سے احکام مزارعت و مفسدہ کے بارے کوئی وضاحت نہیں کی گئی۔ اس لیے ہم دیکھیں گے کہ عبدالرحمٰن الجزیری نے احکام مزارعت مفسدہ کیا بتائے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں۔

۱۔ احدھا: ان المزارع لا یجب علیہ شئی من اعمال المزارعۃ فلا یلزم بشئی الا بالعقد الصحیح۔

۲۔ ثانیھا: ان البذر ان کان من قبل رب الارض کان للعامل علیہ اجر المثل و ان کان البذر من العامل کان لرب الارض علیہ اجر مثل ارضہ، ثم ان الذی یدفع البذر یکون لہ کل الخارج من الارض فان کان من قبل صاحب الارض استحق الخارج و دفع المعامل اجر مثلہ الذی یستحقہ علی عملہ فالخارج کلہ، حلال لہ فلا یلزم بالتصدق بشئی منہ، اما ان البذر من قبل العامل واستحق الخارج من الارض و دفع لرب الارض اجرۃ مثل ارضہ فالخارج کلہ لا یطیب لہ بل الذی یحل لہ اخذہ من الخارج ھو قدر بذرہ و قدر اجرۃ الارض التی دفعھا و یتصدق بما زاد عن ذلک۔

۳۔ ان اجر المثل لا یجب فی المزارعۃ الفاسدۃ مالم یوجد استعمال الارض فاذا لم یعمل المزارع فی الارض شیاء فلا یجب لہ اجر مثل العمل کما لا یجب علیہ اجر مثل الارض، فاذا استعملت الارض وجب اجر المثل وان لم تخرج شیئا۔(۲)

عالم اسلام کے تینوں فقہاء نے احکام مزارعت مفسدہ کو واضح نہیں کیا۔ اس لئے ہم مصر کے عالم عبدالرحمن الجزیری کی طرف سے بیان کئے احکام مزارعت مفسدہ لیں گے۔ وہ لکھتے ہیں۔

۱۔ اگر مزارعت فاسد ہوجائے تو مزارع پر کسی بھی کام کے انجام کا حکم نہیں لگ سکتا کیونکہ معاملہ ہی درست نہیں۔

۲۔ پھر اگر مزارعت فاسد ہوجائے تو مزارع کو اس کی محنت کا اجر المثل ملے گا۔ یہ اس وقت ہو گا جب بیج مالک زمین کی طرف سے ہو اور اگر بیج کاشتکار کا ہو تو کاشتکار کو زمین کا کرایہ مالک زمین کو دینا ہوگا۔

۳۔ مزارعت فاسدہ کی صورت میں کس کام کی اجرت اس وقت تک واجب الادا نہ ہوگی، جب تک زمین استعمال میں نہ آئے، نہ کاشت کار کو اجرالمثل نہ مالک زمین کو کرایہ زمین کیونکہ مزارعت پہلے ہی فاسد ہوگئی۔

حواشی

(۱) امام کاسانی، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع (کتاب المزارعت) ص ۱۸۱۔ ۱۸۲

(۲) عبدالرحمٰن الجزیری، کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعہ، باب المزارعت والمساقات، ص ۱۱

فصل VII انواع مزارعت

فقہائے احناف کے نزدیک انواع مزارعت دو طرح کی ہیں۔ صحیحہ اور مفسدہ، جن کی تفصیل آگے آئے گی۔

(i) انواع مزارعت صحیحہ

مجوزین مزارعت کے نزدیک انواع مزارعت صحیحہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ انواع سے متعلق امام ابویوسف" لکھتے ہیں:

۱- قال ابو یوسفؒ: والمزارعة عندنا علی وجوه منها عارية لسيت فيها اجاره وهو الرجل يعيرا خاه ارضا يزرعها ولا يشترط عليه اجاره فيزرعها المستعير ببذره و بقره ونفقته فالزرع له والخراج علی رب الارض، فان كانت من ارض العشر فالعشر علی الزراع وبه يقول ابو حنيفه ارضی الله تعالیٰ عنه۔

۲- و وجه آخر: تكون الارض للرجل فيدعو الرجل ان يزرعها جميعا والنفقه والبذر عليهما نصفان فهذا مثل الاول الزرع بينهما والعشر فی الزرع ان كانت ارض عشر، وان كانت ارض خراج فالخراج علی رب الارض۔

۳- و وجه آخر: اجاره ارض بيضاء بدراهم مسماة سنة او سنتين فهذا جائز (والخراج علی رب الارض فی قول ابو حنيفةؒ وان كانت ارض عشر فالعشر علی رب الارض) و كذلک قال ابويوسف فی الاجارة الخراج، واما العشر فعلی صاحب الطعام۔

۴- و وجه آخر: المزارعة بالثلث والربع و قلت: المزارعة جائزه علی شروطها والخراج علی رب الارض والعشر عليها جميعا فی الزرع فهذا الوجه الرابع۔

۵- و وجه آخر: ان يكون للرجل ارض وبقر و بذر فيدعوا كارا" فيدخله فيها فيعمل ذلک ويكون له السلس او السبع فهذا فاسد فی قول ابی حنيفةؒ ومن وافقه والزرع فی قولهم لرب الارض وللا كارا جر مثله والخراج علی رب الارض والعشر فی الطعام و قال ابو يوسف: وهو عندی جائز علی ما اشترطا عليه علی ما جاءت به الاثار۔" (۱)

امام کاسانی" انواع مزارعت کے بارے لکھتے ہیں:

فصل و بيان هذه الجملة ببيان انواع المزارعة منقول وبالله التوفيق المزارعة انواع

۱- (منها) ان تكون الارض والبذر والبقر والا لة من جانب والعمل من جانب و هذا جائز لان صاحب الارض بصير مستاجر اللعامل لا غير ليعمل له فی ارضه ببعض الخارج الذی هونماء ملكه وهو البذر۔

۲۔ (ومنها) ان تكون الارض من جانب والباقی كله من جانب وهذا ايضا جائز لان العامل يصير مستاجر اللارض لا غير ببعض الخارج الذی هونماء ملكه وهوالبذر۔

۳۔ (ومنها) ان تكون الارض والبذر من جانب و البقر والا لة والعمل من جانب فهذا ايضا جائز لان هذا استئجار للعامل لا غير مقصودا فا ما البذر فغير مستاجر مقصودا ولا يقابله شئی من الاجرة بل هی توابع للمعقود عليه و هو منفعة العامل لا نه آلة للعمل فلا يقابله شئی من العمل كمن استاجر خياطا مخاط بابرة نفسه جاز ولا يقابلها شئی من الاجرة ولا نه لما كان تابعا للمعقود عليه فكان جاريا مجری الصفة للعمل كان العقد عقدا علی عمل جيد والا وصاف لا قسط لها من العوض فا مكن ان تنعقدا جارة ثم تتم شركة بين منفعة الارض و بين منفعة العامل۔ "

۴۔ (ومنها) ان تكون الارض والبقر من جانب والبذر والعمل من جانب و هذا لا يجوز فی ظاهر الرواية و روی عن ابی يوسف انه يجوز (وجه) قوله انه لوكان الارض والبذر من جانب جاز و جعلت منفعة البقر تابعة لمنفعة العامل فكذا اذا كان الارض والبقر من جانب يجب ان يجوز و يجعل منفعة البقر تابعة المنفعة الارض (وجه) ظاهر الرواية ان العامل هنا يصير مستاجرالارض والبقر جميعا مقصودا ببعض الخارج لا نه لا يمكن تحقيق معنی التبعية هنا لا ختلاف جنس المنفعة لان منفعة البقر ليست من جنس منفعة الارض فبقيت اصلا بنفسها فكان هذا استئجاء البقر ببعض الخارج اصلا و مقصودا واستئجار البقر مقصودا ببعض الخارج لا يجوز لوجهين احدهما ما ذكرنا ان المزارعة تنعقد اجارة ثم تتم شركة ولا يتصور انعقاد الشركة بين منفعة البقروبين منفعة العامل بخلاف الفصل الاول لانه يتصور انعقاد الشركة بين منفعة الارض و منفعة العامل والثانی ان جواز المزارعة ثبت بالنص مخالفا للقياس لان لا جرة معلومة وهی مع انعدا مها مجهولة فيقتصر جوازها علی المحل الذی ورد النص فيه و ذلک فيما اذا كانت الالة تابعة فاذا جعلت مقصودة يردالی القياس۔ " (۲)

امام المرغینانیؒ انواع مزارعت صحیحہ سے متعلق لکھتے ہیں:

" وهی عندهما علی اربعة اوجة

۱۔ (ان كانت الارض والبذر لواحد والبقر والعمل لواحد جازت المزارعة) لان البقر آلة لعمل فصار كما اذا استاجر خياطا ليخيط بابرة الخطاط۔

۲۔ (و ان كان الارض لواحد والعمل والبقر والبذر لواحد جازت) لا نه استئجار الارض ببعض معلوم من الخارج فيجوز كما اذا استاجر بدراهم معلومة۔

۳۔ (و ان كانت الارض والبذر والبقر لواحد والعمل من آخر جازت) لانه استاجره للعمل

بالہ المستاجر فصار کما اذا استاجر خیاطا لیخیط ثوبہ بابرۃ اوطیانا لیطین بمرہ۔

۴۔ (وان کانت الارض والبقر لواحد والبذر والعمل لاخر فھی باطلۃ) وھذا الذی ذکرہ ظاہر الروایۃ و عن ابی یوسفؒ انہ یجوز ایضا لا نہ لو شرطا البذر والبقر علیہ یجوز فکذا اذا شرط وحدہ وصار کجانب العامل وجہ الظاہر ان منفعۃ البقر لیست من جنس منفعۃ الارض لان منفعۃ الارض قوۃ فی طبعھا یحصل بھا النماء و منفعۃ البقر صلاحیۃ یقام بھا العمل کل ذلک بخلق اللّٰہ تعالیٰ فلم یتجانسا فتعذر ان تجعل تابعۃ لھا بخلاف جانب العامل لا نہ تجانست المنفعتان فجعلت تابعۃ لمنفعۃ العامل۔
" (۳)

غرض انواع مزارعت صحیحہ کے بارے تمام فقہاء میں اتفاق ہے۔ جیسا کہ پہلی قسم کے تحت امام ابویوسف کے نزدیک زمین عاریہ لینا درست ہے۔ اگر زمین عشری ہے تو پھر مزارع عشر دے گا۔ اگر خراجی ہے تو مالک زمین خراج دے گا۔ امام کاسانی اور امام المرغینانی بھی اس قسم کے حامی ہیں۔

دوسری قسم کے تحت امام ابویوسف کے نزدیک اگر زمین ایک شخص کی ہو اور وہ مزارع کو کہے کہ ہم اسے کاشت کریں گے۔ تمام اخراجات اور بیج دونوں کے ہونگے اور پیداوار میں بھی دونوں شریک ہونگے تو یہ قسم مزارعت صحیح ہے۔ اگر زمین عشری ہے تو عشر مزارع دے گا۔ اگر خراجی تو خراج مالک زمین۔

تیسری قسم کے تحت زمین کو دراھم کے عوض سال یا دو سال کے لئے مزارعت پر دینا ہے اور یہ امام ابویوسف کے نزدیک درست ہے۔

چوتھی قسم مزارعت امام ابویوسف جو بتاتے ہیں یہ کہ مزارعت تہائی یا چوتھائی پر ہو۔ تو بھی درست ہے۔

پانچویں قسم مزارعت یہ ہے کہ ایک آدمی کی زمین اور بیل اور بیج ہو اور کاشت کار کو کہے کہ وہ کاشت کرے اور چھٹا یا ساتواں حصہ لے تو امام ابو حنیفہ اسے ناجائز کہتے ہیں۔ لیکن امام ابویوسف اسے جائز قسم مزارعت قرار دیتے ہیں۔ امام کاسانیؒ اور امام المرغینانی دونوں امام ابویوسف کی بیان کردہ اسی قسم مزارعت کو جائز کہتے ہیں۔

چھٹی قسم' امام کاسانی اور امام المرغینانی ایک اور قسم کو درست کہتے ہیں۔ کہ اگر زمین اور بیج ایک جانب سے ہو اور بیل آلات اور عمل دوسری جانب سے تو یہ قسم مزارعت صحیح ہے۔

ساتویں قسم مزارعت امام کاسانی اور امام المرغینانی نے یہ بتائی ہے کہ زمین اور بیل ایک طرف سے ہوں اور بیج اور عمل دوسری جانب سے تو یہ قسم مزارعت درست ہوگی۔

ii انواع مزارعت مفسدہ

مزارعت کی وہ انواع مفسدہ جن سے معاملہ مزارعت باطل ہو جاتا ہے فقہائے احناف نے انہیں تفصیلاً بیان کیا ہے۔

امام کاسانیؒ بیان کرتے ہیں:

۱۔ (ومنہا) ان یکون البذر والبقر من جانب والارض والعمل من جانب وھذا لا یجوز ایضا لان صاحب البذر یصیر مستاجر الارض والعامل جمیعا ببعض الخارج والجمع بینھما یمنع صحۃ المزارعۃ۔

۲۔ (ومنہا) ان یکون البذر من جانب والباقی کلہ من جانب وھذا لا یجوز ایضا لما قلنا وروی عن ابی یوسف فی ھذین الفصلین ایضا انہ یجوز لان استئجار کل واحد منھما جائز عندالانفراد فکذا عند الاجتماع (والجواب) ماذ کرنا ان الجواز علی مخالفۃ القیاس ثبت عندالانفراد فنبقی ماله الاجتماع علی اصل القیاس وطریق الجواز فی ھذین الفصلین بالاتفاق ان یاخذ صاحب البذر الارض مزارعۃ ثم یستعیر من صاحبھا لیعمل لہ فیجوز والخارج یکون بعضھا علی الشرط۔

۳۔ (ومنہا) ان یشترک جماعۃ من احدھم الارض ومن الاخر البقر و من الاخر البذر ومن الرابع العمل وھذا لا یجوز ایضا لما مروفی عین ھذا ورد الخبر بافساد فانہ روی ان اربعۃ نفرا شترکوا علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ھذا الوجہ فابطل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مزارعتھم وعلی قیاس ماروی عن ابی یوسف یجوز۔

۴۔ (ومنہا) ان یشترط فی عقد المزارعۃ ان یکون بعض البذر من قبل احدھی والبعض من قبل الاخر و ھذا لا یجوز لان کل واحد منھما یصیر مستاجرا صاحبہ فی قدر بذرہ فیجتمع استئجار الارض والعمل من جانب واحد وانہ مفسد۔

۵۔ (ومنہا) ان تکون الارض من جانب والبذر والبقر من جانب دفع صاحب الارض ارضہ الیہ علی ان یزرعھا ببذرہ و بقرہ مع ھذا الرجل الاخر علی ان ماخرج من شئی فثلثہ لصاحب الارض و ثلثاہ لصاحب البذر والبقر و ثلثہ لذلک العامل و ھذا صحیح فی حق صاحب الارض والعامل الاول فاسد فی حق العامل الثانی و یکون ثلث الخارج لصاحب الارض و ثلثاہ للعامل الاول وللعامل الثانی اجر مثل عملہ و کان ینبغی ان تفسد المزارعۃ فی حق الکل لان صاحب البذر وھوالعامل الاول جمع بین استئجار الارض والعامل و قد ذکرنا ان الجمع بینھما مفسد للعقد لکونہ خلاف مورد الشرع بالمزارعۃ و مع ذلک حکم بصحتھا فی حق صاحب الارض والعامل

الاول و انما كان كذلك لان العقد فيما بين صاحب الارض والعامل الاول وقع استئجار الارض لا غيرو انه صحيح و فيما بين العاملين وقع استئجار الارض والعامل جميعا وانه غير صحيح ويجوز ان يكون العقد الواحد له جهتان جهة الصحة الفساد خصوما فی حق شخصين فيكون صحيحا في حق احدهما فاسدا في حق الاخر ولو كان البذر في هذه المسئلة من صاحب الارض صحت المزارعة في حق الكل والخارج بينهم على الشرط لان صاحب الارض في هذه الصورة يعتبر مستاجر اللعاملين جميعا والجمع بين استئجار العاملين لا يقدح في صحة العقد واذا صح العقد كان الخارج على الشرط۔" (۴)

مجوزین مزارعت کے ہاں مذکورہ بالا انواع مزارعت مفسدہ ہیں۔ یعنی ان انواع پر معاہدہ مزارعت نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ امام کاسانیؒ نے لکھا ہے۔ (۱) کہ اگر زمین اور آلات ایک طرف سے ہوں اور بیج اور محنت شریک ثانی کی طرف سے تو یہ معاملہ فاسد ہوگا۔ کیونکہ زمین اور آلات فوائد میں ہم شکل نہ ہونے کی وجہ سے ایک جگہ اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ (۲) اگر صرف بیج ایک فریق کا ہو اور زمین' محنت اور آلات دوسرے فریق کے ذمے ہوں تو یہ معاملہ بھی فاسد ہے۔ کیونکہ زمین کو بعوض بیج کرایہ لینا درست نہیں پھر اس طرح کاشت کار اور مالک زمین کے درمیان بھی ممکن نہیں جو کہ ہونا شرط ہے۔ جیسے ہم پہلے جان چکے ہیں۔ (۳) اگر بیج ایک کا زمین دوسرے کی بیل تیسرے کا اور محنت چوتھے کی ہو اور معاہدہ مزارعت طے پائے تو یہ فاسد ہوگا۔ (۴) اگر بیج اور بیل ایک فریق کے ذمہ ہوں اور محنت اور زمین دوسرے فریق کے ذمہ تو یہ معاملہ بھی درست نہیں ہے۔ کیونکہ ایسا کرنا صحت معاملہ کی شرائط کے منافی ہے۔ (۵) اگر زمین ایک شخص کی ہو۔ بیج نصف نصف دونوں کے ذمے ہوں اور محنت صرف مزارع کرے۔ یہ بھی درست نہیں بلکہ فاسد صورت ہے۔

حواشی

(۱) امام ابو یوسفؒ "کتاب الخراج" باب ۱۰' فصل ۲ ص ۹۰ - ۹۱

(۲) امام کاسانیؒ" بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع" کتاب المزارعت ص ۱۸۸ - ۱۸۹

(۳) امام المرغینانیؒ" الھدایہ" کتاب المزارعہ" ص ۴۳

(۴) امام کاسانیؒ" بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع" کتاب المزارعت ص ۱۹۰

مساقات

اس فصل میں مساقات سے متعلق فقہ حنفی کے ان اکابر فقہا کے نظریات کا جائزہ لیا جائے گا جن کی فقہ کو بعد میں آنے والے ادوار کے اندر بنیاد بنا لیا گیا۔ اور انہی کے فتاوی نے تمام دنیا میں حنفی فقہ کو عروج بخشا۔ ان میں نمایاں امام ابویوسفؒ، امام کاسانیؒ اور امام المرغینانیؒ ہیں۔ انہیں فقہائے احناف کے حوالے سے ہم آئندہ مساقات کا تفصیلی جائزہ لیں گے۔

فصل I مساقات کے معنی و مفہوم

مزارعت کی طرح مساقات کے معنی و مفہوم میں تمام علمائے کرام کا اتفاق ہے۔ اہل لغت میں سے امام کاسانیؒ نے مساقات کی تعریف اس طرح کی ہے:

"اما معنى المعاملة لغة فهو مفاعلة من العمل۔ وقد يسمى كتاب المساقات والكلام فى هذا الكتاب فى المواضع التى ذكرنا ها فى المزارعة "(۱)

مفہوم مساقات شریعت اسلامیہ کی اصطلاح میں امام کاسانیؒ کی کتاب بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع میں اس طرح بیان ہوا ہے۔

"وفى عرف الشرع عبارة عن العقد على العمل ببعض الخارج مع سائر لشرائط الجواز۔ "(۲)

فصل II جواز مساقات

جواز مساقات کا معاملہ مزارعت ہی کی طرح ہے۔ یہاں بھی علماء نے انہیں دلائل سے استدلال کیا ہے جن سے مزارعت کے جواز میں کیا ہے۔

امام کاسانیؒ لکھتے ہیں:

"وقال ابو یوسف و محمد رحمهما اللہ و شافعی رحمة اللہ مشروعة واحتجوا بحدیث خیبر انه علیه الصلاة والسلام دفع نخیلهم معاملہ" (۳)

امام الرغیناتیؒ لکھتے ہیں:

"وقالا جائزة اذا (ذکر مدة معلومة و سمی جزاء من الثمر مشاعا) والمساقاة هی المعاملة فی الاشجار والکلام فیها کالکلام فی المزارعة" (۴)

فصل III عدم جواز مساقات

دیگر فقہاء کی نسبت امام ابو حنیفہؒ بانی فقہ حنفی مزارعت کی طرح مساقات کو بھی ناجائز قرار دیتے ہیں اس لیے یہاں انہیں کے موقف کو مختلف فقہاء کی گواہی سے پیش کیا جائے گا۔

المختصر القدوری میں آیا ہے:

"قال ابو حنیفۃؒ المساقاۃ بجزء من الثمرۃ باطلۃ و ھی کالمزارعۃ حکما و خلافا۔ "(۵)

بدایۃ المجتہد میں لکھا ہے:

"وقال ابو حنیفۃؒ لا تجوز المساقاۃ اصلا۔ واما ابو حنیفہ ومن قال بقولہ فعمد لتہم مخالفۃ ھذا الاثر للا صول مع انہ حکم مع الیہود' والیہود یحتمل ان یکون اقرھم علی انہم عبید' ویحتمل ان یکون اقرھم علی انہم ذمہ الا انا لو انزلنا انہم ذمۃ کان مخالفا لاصول' لانہ بیع مالم یخلق' وایضا فانہ من المزابنۃ وھو بیع التمر بالتمر متفاضلا' لان القسمۃ بالخرص بیع الخرص' واسند لوا علی مخالفۃ لاصول بما روی فی حدیث عبداللّٰہ بن رواحۃ' انہ کان یقول لھم عندا الخرص ان شئتم فلکم و تضنمون نصیب المسلمین' وان شئتم فلی و اضمن نصیبکم" وھذا حرام باجماع و ربما قالوا ان النیمی الوارد عن المخابرۃ ھو ما کان من ھذا الفصل بخیبر۔ والجمھور یدون ان المخابرۃ ھی کراء الارض ببعض ما یخرج منھا' قالو: ومما یدل علی نسخ ھذا الحدیث' اوانہ' خاص بالیہود ماوردمن حدیث رافع وغیرہ من النہی عن کراء الارض بما یخرج منھا' لان المساقاۃ نقتضیی جواز ذلک' وھو خاص ایضا فی بعض روایات احادیث المساقاۃ ولھذا المعنی لم یقل بھذہ الزیادۃ مالک ولا الشافعی' اعینی بما جاء من انہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مساقاھم علی نصف ما تخرجہ الارض والثمرۃ وھی زیادہ صحیحہ وقال بہا اھل الظاہر۔" (۶)

بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع میں مذکور ہے:

"واما شرعیتہا فقد اختلف العلماء فیہا قال ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ انہا غیر مشروعۃ"(۷)

فصل IV رکن مساقات

مجوزین مساقات نے اس کا بنیادی رکن ایجاب و قبول ہی مانا ہے جیسا کہ یہی رکن مزارعت بھی ہے۔

امام کاسانیؒ لکھتے ہیں۔

"(واما) رکنہا فہوا لایجاب والقبول علی نحو ما ذکرنا فیما تقدم من غیر تفاوت واما الشرائط المصححہ لہا علی قول من یجیز ھا فما ذکرنا فی کتاب المزارعۃ" (۸)

حواشی

(۱) امام کاسانیؒ، بدائع الصنائع ترتیب الشرائع، کتاب المساقات ص ۱۹۱

(۲) ایضاً

(۳) امام کاسانیؒ، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، کتاب المساقات، ص ۱۹۱

(۴) امام المرغینانیؒ، الہدایہ، کتاب المساقات، ص ۴۷

(۵) امام قدوریؒ، المختصر القدوری، کتاب المساقات، ص ۱۰۵

(۶) امام ابن رشدؒ، بدایہ المجتہد، کتاب المساقات، ص ۱۸۴ - ۱۸۵

(۷) امام کاسانی، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، کتاب المساقاۃ ص ۱۹۱

(۸) ایضاً۔ ص ۱۹۲

فصل V شرائط مساقات

فقہائے احناف نے مساقات کی شرائط دو طرح کی بیان کی ہیں۔ صحیحہ اور مفسدہ جن کی تفصیل اس فصل میں دی جائے گی۔

(i) شرائط مساقات صحیحہ

معاملہ مساقات کو درست کرنے والی شرائط صحیحہ درج ذیل ہیں۔

امام کاسانیؒ لکھتے ہیں:

۱۔ "(منہا) ان یکون العاقدان عاقلین فلا یجوز عقد من لا یعقل فاما البلوغ فلیس بشرط و کذا الحریة علی نحوما مرفی کتاب المزارعة

۲۔ (ومنہا) ان لا یکونا مرتدین فی قول ابی حنیفة علی قیاس قول من اجاز المعاملة حتی لوکان احدھما مرتدا وقفت المعاملة ثم ان کان المرتد ھو الدافع فان اسلم فالخارج بینھما علی الشرط وان قتل اومات اولحق فالخارج کله للدافع لا نه نماء ملکه وللاخر اجر المثل اذا عمل وعندھما الخارج بین العامل المسلم وبین ورثة الدافع علی الشرط فی الحالین کما اذا کانا مسلمین وان کان المرتد ھوالعامل فان اسلم فالخارج بینھما علی الشرط وان قتل اومات علی الردة اولحق فالخارج بین الدافع المسلم و بین ورثة العامل المرتد علی الشرط بالا جماع لمامر فی المزارعة ھذا اذا کانت المعاملة بین مسلم ومرتد فاما اذا کانت بین مسلمین ثم ارتدا او ارتدا احدھما فالخارج علی الشرط لما مرفی کتاب المزارعة ویجوز معامله المرتد دفعا واحدا بالا جماع۔

۳۔ (ومنہا) ان یکون المدفوع من الشجر الذی فیه ثمرة معاملة فیما یزید ثمرة بالعمل فان کان المدفوع نخلا فیه طلع اوبسر قدا حمرا او اخضر الا انه لم ینناه عظمه جازت المعاملة وان کان قد تناھی عظمه الدانه لم یرطب فالمعاملة سدة لا نه اذا تناھی عظمه لا یؤثر فیه العمل بالزیادة عادة فلم یوجدالعمل المشروط علیه فلا یستحق الخارج بل یکون کله لصاحب النخل۔

۴۔ (ومنہا) ان یکون الخارج لهما فلوشرطا ان یکون لا حدھما فسدت لما علم۔

۵۔ (ومنہا) ان تکون حصة کل واحد منھما من بعض الخارج مشاعا معلوم القدر لما علم۔

۶۔ (ومنہا) ان یکون محل العمل وھوالشجر معلوما و بیان ھذہ الجملة فی کتاب المزارعة

۷۔ (ومنہا) التسلیم الی العامل وھوالتخلیة حتی لو شرطا العمل علیھما فسدت

لانعدام التخلية فاما بيان المدة فليس بشرط لجواز المعاملة استحسانا ويقع على اول ثمرة تخرج فی اول السنة بخلاف المزارعة والقياس ان يكون شرطا لان ترک البيان يؤدی الی الجهالة كما فی المزارعة الا انه ترک القياس لتعامل الناس ذلک من غير بيان المدة ولم يوجد ذلک فی المزارعة حتی انه لو وجد التعامل به فی موضع يجوز من غير بيان المدة وبه كان يفتی محمد بن سلمة علی مامر فی المزارعة ولو دفع ارضا ليزرع فيها الرطاب او دفع ارضا فيها اصول رطبة نابة ولم يسم المدة فان كان شياء ليس لا بتداء نباته ولا لا نتهاء جذه وقت معلوم فالمعاملة فاسدة وان كان وقت جذه معلوما يجوز و يقع علی الجذة الا ولی كما فی الشجرة المثمرة۔" (۱)

امام الرغینانیؒ شرائط مساقات صحیحہ درج ذیل بیان کرتے ہیں:

"لو شرطا الشركة فی الربع دون البذر بان شرطا رفعه من راس الخارج تفسد فجعلنا المعاملة اصلا و جوزنا المزارعة تبعالها كالشرب فی بيع الارض والمنقول فی وقف العقار و شرط (۱) المدة قياس فيها لا نها اجارة معنی كما فی المزارعة وفی الاستحسان اذا لم يبين المدة يجوز و يقع علی اول ثمر يخرج لان الثمر لا دراكها وقت معلوم وقلما يتفاوت ويدخل فيها ماهو المتيقن وادراک البذر فی اصول الرطبة فی هذا بمنزلة ادراک الثمار لان له نهاية معلومة فلا يشترط بيان المدة بخلاف الزرع لان ابتداء ه يختلف كثير اخريفا و صيفا وربيعا والا نتهاء بناء عليه فتدخله الجهالة وبخلاف ما اذا دفع اليه غرسا قد علق ولم يبلغ الثمر معاملة حيث لا يجوز الابيان المدة لا نه يتفاوت بقوة الاراضی وضعفها تفاوتا فاحشا وبخلاف ما اذا دفع نخيلا او اصول رطبة علی ان يقوم عليها او اطلق فی الرطبة تفسد المعاملة لا نه ليس لذلک نهاية معلومة لا نها تنمو ما تركت فی الارض فجهلت المدة۔

(۲) (و يشترط تسمية الجزء مشاعا) لما بينما فی المزارعة اذ شرط جزء معين يقطع الشركة

(۳) (فان سميا فی المعاملة وقتا يعلم انه لا يخرج الثمر فيها فسدت المعاملة) لفوات المقصود و هوا شركة فی الخارج (۴) (ولو سميا مدة قد يبلغ الثمر فيها وقد يتاخر عنها جازت) لانا لا نتقين بفوات المقصود (۵) (ثم لو خرج فی الوقت المسمی فهو علی الشركة لصحة العقد (۶) (وان تاخر فللعامل اجر المثل) لفساد العقد لا نه تبين الخطاء فی المدة المسماة فصار كما اذا علم ذلک فی الابتداء بخلاف ما اذا لم يخرج اصلا لان الذهاب بافة فلا يتبين فسادالمدة فبقی لعقد صحيحا ولا شئی لكل واحد منهما علی صاحبه قال۔ (۷) (و تجوز المساقاة فی النخل والشجر والكرم والرطاب و اصول البادنجان)۔" (۲)

امام کاسانیؒ اور امام الرغینانیؒ دونوں نے شرائط مساقات صحیحہ تفصیلاً بیان کی ہیں۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ

پہلی شرط یہ ہوگی کہ مساقات میں دونوں فریق عاقل ہوں۔

دوسری شرط دونوں مرتد نہ ہوں۔

تیسری شرط جن درختوں پر معاملہ کیا جارہا ہے۔ وہ ایسے پھلدار درخت ہوں کہ اگر ان پر محنت کی جاتی ہو تو پھل زیادہ آتا ہو یعنی ان کی نگہداشت ضروری ہو۔

چوتھی شرط یہ کہ پیداوار میں دونوں فریق حصہ دار ہوں۔ صرف ایک کے لئے پیداوار ملنا طے نہ ہو۔

پانچویں شرط یہ کہ دونوں فریق پیداوار میں سے حصہ متعین طے کرلیں تاکہ ابہام نہ رہ جائے۔

چھٹی شرط یہ کہ عامل اور درختوں کے مالک کے درمیان تخلیہ ہو۔

ساتویں شرط یہ کہ جن درختوں پر مساقات کی گئی ہے وہ وضاحت سے بیان کئے جائیں یعنی کن پھلوں کے درخت کتنے رقبے کے درخت وغیرہ۔

آٹھویں شرط یہ کہ مدت بیان کی جائے اگر ایسا نہ کیا جائے گا تو درخت پر آنے والے پھلوں کے اختتام یعنی پک جانے تک معاہدہ شمار ہوگا۔ دوسری دفعہ پھلوں کے موسم میں معاہدہ کی تجدید لازمی ہوگی۔

(ii) شرائط مساقات مفسدہ

معاملہ مساقات کو درست ماننے والوں نے ان شرائط کا بھی ذکر کیا ہے جن سے معاملہ مساقات باطل ہو جاتا ہے۔ ان شرائط مساقات مفسدہ کو امام کاسانیؒ اپنی تصنیف میں لکھتے ہیں:

"واما الشرائط المفسدة للمعاملة فانواع دخل بعضها فی الشرائط المصححة للعقد لان ما کان وجوده شرطا للصحة کان انعدامه شرطا للافساد (منها) شرط کون الخارج کله لا حدهما (ومنها) شرط ان یکون لا حدهما قفزان مسماة (ومنها) شرط العمل علی صاحب الارض (ومنها) شرط الحمل والحفظ بعدالقسمة علی العامل لماذکرنا فی کتاب المزارعة (ومنها) شرط الجنانوالقطاف علی العامل بلا خلاف لا نه لیس من المعاملة فی شئی ولا نعدام التعامل به ایضا فکان من باب مؤنة الملک مشترک بینهما فکانت مؤنة علیهما علی قدر ملکیما (ومنها) شر عمل تبقی منفعته بعدا نقضاء مدة المعاملة نحوالسرقیة ونصب الغلاش و غرس الاشجار و تقلیب الارض وما اشبه ذلک لا نه لا یقتضیه العقد ولا هو من ضرورات المعقود علیه ومقاصده (ومنها) شرکة العامل فیما یعمل فیه لان العامل اجیر رب الارض واستئجار الانسان للعمل فی شئی هو فیه شریک المستاجر لا یجوز حتی ان النخل لو کان بین رجلین فلفعه احدهما الی صاحبه معاملة مدة معلومة علی ان الخارج بینهما اثلاث ثلثاه للشریک العامل و ثلثه للشریک الساکت فالمعامله فاسده والخارج

بینهما علی قدر الملک ولا اجر للعامل علی شریکه لمامران فی المعاملة معنی الاجارة ولا یجوز الاستئجار لعمل فیه الا جیر شریک المستاجر واذا عمل لا یستحق الا اجر علی شریکه لما عرف فی الاجارات ولا یشبه هذا المزارعة لان الارض اذا کانت مشترکة بین اثنین دفعها احدهما الی صاحبه مزارعة علی ان یزرعها ببذره وله ثلثا الخارج انه تجوز المزارعة لان هناک لم یتحقق الاستئجار للعمل فی شئی الاجیر فیه شریک المستاجر لانعدام الشرکة فی البذر وهنا تحقق لثبوت الشرکة فی النخل فهو الفرق ولا یتصلق واحد منهما بشئی من الخارج لا نه خالص ماله لکونه نماء ملکه و لوشرطا ان یکون الخارج لهما علی قدر ملکیها جازت المعاملة لان استحقاق کل واحد منهما اعنی من الشریکین لکونه نماء ملکه لا بالعمل بل العامل منهما معین لصاحبه فی العمل من غیر عوض فلم یتحقق الاستئجار ولوامر الشریک الساکت الشریک العامل ان یشتری مایلقح به النخل فاشتراه رجع علیه بنصف ثمنه لانه شتری مالا منقوما علی الشرکة بامره فیرجع علیه و سواء کان العامل فی عقد المعاملة واحدا اواکثر حتی لودفع رجل نخله الی رجلین معاملة بالنصف اوبالثلث جاز وسواء سوی بینهما فی الاستحقاق او جعل لا حدهما فضلا لان کل واحد منهما اجیر صاحب الارض فکان استحقاق کل واحد منهما بالشرط فینقدر بقدر الشرط ولو شرط لا حدالعاملین مائة درهم علی رب الارض والاخر ثلث الخارج ولرب الارض الثلثان جاز لان الواجب لکل واحد منهما اجره مشروطة فیجب علی حسب ماتنصبه الشرط ولو شرط لصاحب النخل الثلث ولا حد العاملین الثلثین وللاخر اجر مائة درهم علی العامل الذی شرط له الثلثان فهو فاسد ولا یشبه هذا المزارعة ان من دفع الارض مزارعة علی ان لرب الارض الثلث وللزارع الثلثان علی ان یعمل فلان معه بثلث الخارج ان المزارعة جائزة بین رب الارض والمزارع فاسده فی حق الثالث لان المعاملة استئجار العامل والا جرة تجب علی المستاجر دون الاجیر بمقابلة العمل والعمل للمستاجر فکانت الاجرة علیه فاذا اشترطها علی الاجیر فقد استاجره لیعمل له علی ان تکون الاجرة علی غیره ولا سبیل الیه ففسد العقد و هذا هوالموجب للفساد فی حق الثالث فی باب المزارعة لا انه صح فیما بین صاحب الارض والمزارع لانه جعل بمزلة عقدین ففساد احدهما لا یوجب فساد الاخر و هذا مع هذا التکلف غیر واضح و تیضح ان شاء اللّٰہ تعالیٰ۔" (۳)

مذکورہ موضوع کے بارے میں امام مرغینانیؒ لکھتے ہیں کہ اہم ترین شرط جو مساقات کو فاسد کر دیتی ہے یہ ہے۔

"(ومن دفع ارضا بیضاء الی رجل سنین معلومة یغرس فیها شجرا علی ان تکون الارض والشجربین الارض والغارس نصفین لم یجز) لا شتراط الشرکة فیما کان صلا قبل الشرکة لا بعمله (وجمیع الثمر والغرس لرب الارض وللغارس قمیة غرسه واجر مثله فیما عمل) لانه فی

معنی قفیز الطحان اذهواستئجار ببعض مایخرج من عمله وهو نصف البستان و تعذر رد الغراس لا تصالحا بالارض فیجب قیمتها واجر مثله لا نه لا یدخل فی قیمة الغراس و منها بنفسها فی تحزیجها طریق آخر بیناه فی کفایة المنتهی و هذا اصحهما واللہ اعلم" (۴)

امام کاسانیؒ اور امام الرغینانی نے شرائط مساقات مفسدہ جو اپنی اپنی کتب میں بیان کی ہیں۔ ان سے ظاہر ہورہا ہے کہ امام کاسانیؒ کہتے ہیں اگر پوری پیداوار فریقین معاملہ میں سے کسی ایک کے لئے مقرر ہو تو مساقات فاسد ہوجائے گی پھر یہ کہ اگر ان میں سے کسی ایک لئے اس کا حصہ مقررہ پیانہ یا وزن سے دینا طے پایا تو تب بھی مساقات فاسد ہوجائے گی۔

اگر رب الارض پر عامل کی طرف سے عمل کی شرط رکھی جائے گی تو مساقات فاسد ہوجائے گی۔ اسی طرح اگر پیداوار کی تقسیم ہوجانے پر عامل کو یہ کہا جائے کہ وہ یہ پیداوار اٹھا کر اور حفاظت سے لے جائے تو وہ رب الارض کے حصہ کا ذمہ دار نہ ہوگا یہ شرط عامل پر لگے گی۔

اگر عامل پر پھول توڑنے یا چننے کی شرط لگائی جائے تو یہ عمل معاہدہ مساقات میں سے نہیں ہے اس لئے مساقات فاسد ہوجائے گی۔ اسی طرح امام الرغینانی لکھتے ہیں کہ اگر کوئی خالی زمین جس پر کوئی درخت وغیرہ ابھی نہیں لگائے گئے کسی دوسرے کو سال دو سال کے لئے دے کہ وہ یہاں مساقات کرے تو یہ معاہدہ مساقات فاسد ہوگا اور یہ جائز نہیں۔

حواشی

(۱) امام کاسانیؒ 'بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع' کتاب المساقات ص ۱۹۲

(۲) امام المرغینانیؒ 'الهدایہ' کتاب المساقات ص ۴۷

(۳) امام کاسانیؒ 'بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع' باب المعاملہ ص ۱۹۲ - ۱۹۳

(۴) امام المرغینانیؒ 'الهدایہ' باب المساقات ص ۴۹

فصل VI احکام مساقات

فقہاء کے ہاں احکام مساقات بھی دو طرح کے ہیں۔ صحیحہ اور مفسدہ۔ جن کی الگ الگ وضاحت اس فصل میں کی جائے گی۔

(i)احکامات مساقات صحیحہ۔

فقہ حنفی میں مساقات کے تحت جو احکام صحیحہ بیان کیے گئے ہیں ان کے بارے میں امام کاسانی لکھتے ہیں:

"واما حکم المعاملة الصحیحة عند یجیزها فانواع (منها)(1) ان کل ماکان من عمل المعاملة مما یحتاج الیه الشجر والکرم و الرطاب و اصول الباذ نجان من السقی واصلاح النهر والحفظ والتلقیح للنخل فعلی العامل لانها من توابع المعقود علیه فیتنا وله العقد و کلما کان من باب النفقه علی الشجر والکرم والارض من السرقین و تقلیب الارض التی فیها الکرم والشجر والرطاب و نصب العرایش ونحو ذلک فعلیهما علی قدر حقیقهما لان العقد لم یتنا وله لا مقصودا ولا ضرر ورة و کذلک الجذا ذوالقطاف لان ذلک یکون بعد انتهاء العمل فلا یکون من حکم عقد المعاملة (ومنها)(2) ان یکون الخارج بینهما علی الشرط لمامر (ومنها)(3) انه اذالم یخرج الشجر شیا فلا شئی لواحد منهما بخلاف المزارعة الفاسدة لمامرمن الفرق فی کتاب المزارعة (ومنها)(4) ان هذا العقد لازم من الجانبین حتی لا یملک احدهما الامتناع والفسخ من غیر رضا صاحبه الامن عذر بخلاف المزارعة فانها غیر لازمة فی جانب صاحب البذر وقدمر الفرق (ومنها)(5) ولایة جبر العامل علی العمل الامن عذر علی ماقدمناه (ومنها)(6) جواز الزیادة علی الشرط الحط عنه وانعدام الجواز والاصل فیه مامر فی کتاب المزارعة ان کل موضع احتمل انشاء العقد احتمل الزیادة والا فلا والحط جائز فی المواضعین اصله بالزیادة فی الثمن والثمن فاذا دفع نخلا بالنصف معاملة فخرج الثمر فان لم یتناه عظمه جازت الزیادة منهما ایهما کان لان الانشاء للعقد فی هذه الحالة جائز فکانت الزیادة جائزة ولو تناهی عظم الیسر جازت الزیادة من العامل لرب الارض شیا ولا تجوز الزیادة من رب الارض للعامل شیا لان هذه زیاده فی الاجرة لان العامل اجیر والمحل لا یحتمل الزیادة الاتری انه لا یحتمل الانشاء والا ول حط من الاجرة واحتمال الانشاء لیس بشرط لصحة الحط۔ (ومنها)(7) ان العامل لا یملک ان یدفع الی غیره معاملة الا اذا قال له رب الارض اعمل فیه برایک لان الدفع الی غیره اثبات الشرکة فی مال غیره بغیر اذنه فلا یصح واذا قال له اعمل فیه برایک فقداذن له فصح ولولم یقل له اعمل برایک فیه فدفع العامل الی رجل اخر معاملة فعمل فیه فاخرج فهو لصاحب النخل ولا اجر للعامل الاول ولان استحقاقه بالشرط وهو شرط العمل ولم

یوجد منه العمل بنفسه ولا بغیرہ ایضا لان عقدہ معه لم یصح فلم یکن عمله مضافا الیه وله علی العامل الا ول اجر مثل عمله یوم عمل لانه عمل له بامرہ فاستحق اجر المثل ولو هلک الثمر فی یدالعامل الاخیر من غیر عمله وهو فی رؤس النخل فلا ضمان علی واحد منهما لانعدام الغصب من واحد منهما وهو تفویت یدالمالک ولو هلک من عمله فی امر خالف فیه امرالعامل الاول فالضمان لصاحب النخل علی العامل الاخر دون الاول لان الخلاف قطع نسبة عمله الیه فبقی متلف علی المالک ماله فکان الضمان علیه ولو هلک فی یدہ من عمله فی امر لم یخالف فیه امر العامل الاول فلصاحب النخل ان یضمن ایهما شاء لا نه اذالم یوجد منه بخلاف بقی عمله مضافا الیه کانه عمل لنفسه فکان له ان یضمنه وله ان یضمن الثانی لانه فی معنی غاصب الغاصب فان اختار تضمین الاول لم یرجع علی الاخر بشئی لانه عمل بامر الاول فلورجع علیه لرجع هو علیه ایضا فلا یفیدوان اختار تضمین الاخر یرجع علی الاول لانه غرہ فی هذا العقد فیرجع علیه بضمان الضرور وهو ضمان السلامة هذا اذا لم یقل له اعمل فیه برایک فاما اذا قال و شرط النصف فدفعه الی رجل آخر بثلث الخارج فهو جائز لما ذکرنا وما خرج من الثمر فنصفه لرب النخل والسدس للعامل الاول لان شرط الثلث یرجع الی نصیبه خاصة لان العمل واجب علیه فبقی له السدس ضرورۃ و ذکر محمدؒ فی الاصل انه اذالم یقل اعمل فیه برایک و شرط له شیئا معلوما و شرط الاول للثانی مثل ذلک فهما فاسدان ولا ضمان علی العامل الاول۔ "(۱)

موضوع زیر بحث سے متعلق امام المرغینانیؒ لکھتے ہیں۔

"(فان دفع نخلافیه تمر مساقاۃ والتمر یزید بالعمل جاز وان کانت قد انتهت لم یجز) وکذا علی هذا اذا دفع الزرع وهو بقل جاز ولواستحصد وادرک لم یجز لان العامل انما یستحق بالعمل ولا اثر للعمل بعدالتناهی والا ادراک فلو جوزنا ملکان استحقاقا بغیر عمل ولم یردبه الشرع بخلاف ما قبل ذلک لتحقق الحاجة الی لعمل قال(۱)(وتفسخ بالا عذر) لما بینا فی الاجارات و قد بینا وجوہ العذر فیها(معاملہ مساقات عذروں سے فسخ ہوجاتا ہے جیسے اگر عامل چور ہو تو) ومن جملتها ان یکون العامل سارقا یخاف علیه سرقة السعف والثمر قبل الادراک لانه یلزم صاحب الارض ضرر الم یلتزمه فتفسخ به ومنها مرض العامل اذا کان یضعفه عن العمل لان فی الزامه استئجار الاجرا زیادۃ ضرر علیه ولم یلتزمه فیجعل ذلک عذرا ولو ارادا لعامل ترک ذلک العمل هل یکون عذرا فیه روایتان و تاویل احداهما ان یشترط العمل بیدہ فیکون عذرا من جهته۔

(۲) (ولو مات العامل فلورثته ان یقوموا علیه وان کرہ رب الارض)

اگر عامل مرگیا اور اس کا وارث اس کی جگہ کام کرے اور اگر مالک زمین یہ پسند نہ کرے تو لان فیه النظر من الجانبین (فان ارادوا ان یصر موہ بسرا کان صاحب الارض بین الخیارات الثلاثه) التی

بیناھا(۳)(وتبطل المساقاۃ بالموت) موت کی وجہ سے مساقات باطل ہوجاتی ہے۔ لانھا فی معنی الاجارۃ فقد بیناہ فیھا فان

مات رب الارض والخارج بسر فللعامل ان یقوم علیہ کما کان یقوم قبل ذلک الی ان یدرک التمر وان کرم ذلک ورثۃ رب الارض استحسانا فیبقی العقد دفعا للضرر عنہ ولا ضرر فیہ علی الاخر۔

(۴)وان ماتا جمیعا فالخیار لورثۃ العامل) (اگر دونوں مر گئے عامل اور مالک باغ تو)لقیامھم مقامہ وھذا خلافۃ فی حق مالی وھو ترک الثمار علی الاشجار الی وقت الادراک لا ان یکون وراثہ فی الخیار (فان ابی ورثۃ العامل ان یقوموا علیہ کان الخیار فی ذلک لورثۃ رب الارض) علی ماوصفنا قال۔

(۵)(واذا انقضت مدۃ المعاملۃ والخارج بسرا خضر فھذا والا ول سواء وللعامل ان یقوم علیھا الی ان یدرک لکن بغیر اجر) لان الشجر لا یجوز استئجارہ بخلاف المزارعۃ فی ھذا الان الارض بجوزا استئجار ھا وکذلک العمل کلہ علی العامل ھھنا وفی المزارعۃ فی ھذا علیھما لانہ لما وجب اجر مثل الارض بعد انتھاء المدۃ علی العامل لا یستحق علیہ العمل وھھنا لا اجرفجاز ان یستحق العمل کما یستحق قبل انتھائھا قال۔ (۲)

امام کاسانیؒ اور امام المرغینانیؒ نے جو احکام مساقات اس فصل میں بتائے ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ فقہائے اسلام مزارعت و مساقات کو ہر طرح کے نزاع فساد اور ابہام سے پاک کرنا چاہتے تھے۔ دونوں فقہاء کے اندر حکموں کے بیان میں اتفاق ہے۔ جیسا کہ وہ لکھتے ہیں۔

(۱) مساقات کا ہر وہ عمل جس کی ضرورت درختوں، بیلوں اور سبزیوں کو ہو، یعنی زیادہ پیداوار لانے کے لئے وہ عامل کے ذمے ہونگے۔ مالک زمین کے نہیں اور اگر اخراجات کا کوئی کام ہو تو وہ دونوں کے ذمے ہوگا۔ اسی طرح پھل توڑنے اور چننے میں بھی دونوں شریک ہونگے۔

(۲)پیداوار دونوں کے درمیان شرط کے مطابق تقسیم ہوگی۔

(۳)اگر درخت پر کوئی پھل نہ آئے تو عامل اور مالک زمین میں سے کسی کو کچھ نہیں ملے گا۔

(۴)مساقات کا عقد مزارعت کے برخلاف دونوں جانبوں سے لازم ہوتا ہے۔ بغیر عذر کوئی بھی معاہدہ توڑ نہیں سکتا۔

(۵)عامل کو عمل پر مجبور کیا جائے گا سوائے یہ کہ کوئی بہت بڑا عذر ہو، یعنی عامل کی موت، بیماری، یا اس کا چور ہونا، یا مدت معاہدہ کا گذر جانا۔

(۶) شرط سے زائد یا کم کرنے کا احتمال پایا جاتا ہے جیسا کہ مزارعت میں بیان ہوچکا ہے۔

(ii) احکامات مساقات مفسدہ۔

ایسے احکام جن سے مساقات فاسد ہوتی ہو ان کی وضاحت درج ذیل ہے۔
امام کاسانیؒ بیان کرتے ہیں:

"واما حکم المعاملة الفاسدة فانواع ذکرنا ها فی المزارعة (١) منها انه لا یجبر العامل علی العمل لان بجبر علی العمل بحکم العقد ولم یصح (٢) ومنها ان الخارج کله لصاحب الارض لان استحقاق الخارج لکونة نماء ملکه واستحقاق العامل بالشرط ولم یصح فیکون لصاحب الملک ولا یتصدق بشئی منه لانه حصل عن خالص ملکه (٣) ومنها ان اجر المثل لا یجب فی المعاملة الفاسدة مالم یوجد العمل لما ذکرنا فی المزارعة (٤) ومنها ان وجوب اجر المثل فیها لا یقف علی الخارج بل یجب وان لم یخرج الشجر شیئا بخلاف المعامله الصحیحة و قد ذکرنا الفرق فی کتاب المزارعة (٥) ومنها ان اجر المثل فیها یجب مقدرا بالمسمی لا یتجاوز عنه عند ابی یوسف و عند محمد یجب تاما وهذا الاختلاف فیما اذا کانت حصة کل واحد منهما مسماة فی العقد فان لم تکن مسماة فی العقد یجب اجر المثل تاما بلا خلاف و قد مرت المسئله فی کتاب المزارعة (٣)

احکام مساقات مفسدہ کے بارے امام المرغینانیؒ لکھتے ہیں:

"واذا فسدت المساقاة فللعامل اجر مثله لانه فی معنی الاجارة الفاسدة وصارت کالمزارعة اذا فسدت (٤)

مندرجہ بالا عبارتوں میں امام کاسانیؒ اور امام المرغینانیؒ نے احکام مساقات مفسدہ جو بیان کئے ہیں۔ ان کا خلاصہ یوں ہے کہ

١۔ عامل کو عمل پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ اگر عذر کی وجہ سے وہ کام سے مجبور ہے تو معاہدہ پہلے ہی فسخ ہوگیا۔ یعنی بیماری، مدت کا ختم ہونا وغیرہ تو پھر وہ کام نہیں کرے گا۔

٢۔ اگر کل کی کل پیداوار رب الارض کو دینا طے پائے تو معاہدہ فاسد ہوجائے گا اور وہ ایسا نہیں کرسکتا کیونکہ عامل کا بھی استحقاق ہے۔

٣۔ مساقات اگر کسی وجہ سے فاسد ہوجائے تو اجرت مثل عامل کو اسی وقت ملے گی اگر اس نے کچھ عمل کیا ہو تو یعنی عمل پایا جانا شرط ہے۔

٤۔ اگر مساقات فاسد ہوگئی اور محنت کے باوجود کچھ بھی پھل نہ آئے تو عامل کو اجرت مثل ملے گی۔

٥۔ اجرت مثل اتنی ہی ہوگی جتنا اجرت دینا طے پائے

حواشی

(۱) امام کاسانیؒ، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع کتاب المساقات ص ۱۹۶ - ۱۹۵

(۲) امام المرغینانیؒ، الھدایہ، کتاب المساقات، ص ۴۸

(۳) امام کاسانیؒ، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، کتاب المساقاۃ، ص ۱۹۵

(۴) امام المرغینانیؒ، الھدایہ، کتاب المساقاۃ، ص ۴۸

فصل VII مزارعت و مساقات میں فرق

عالم اسلام کے تمام فقہاء جنہوں نے مزارعت و مساقات پر الگ الگ اظہار خیال کیا ہے۔ ان کی تعلیمات کے حوالے سے مزارعت و مساقات میں جن معاملات میں فرق ہے انہیں عبدالرحمن الجزیری نے اپنی کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعہ میں بیان کیا ہے' وہ لکھتے ہیں:

ولکن یفرق بین المساقاۃ والمزارعۃ باربعۃ امور:

الاول: ان عقد المساقاۃ لازم فلا یصح لا حدھما فسخہ بعد الایجاب والقبول بخلاف عقد المزارعۃ فانہ لا یلزم فی جانب صاحب البذر الا اذا القی بذرہ بالارض کما تقدم۔

الثانی: اذا تعاقدا علی مدۃ معینۃ فی المساقاۃ ثم انقضت المدۃ قبل استواء الثمرۃ فانہ یکون للعامل الحق فی ان یقوم علی الاشجار و یباشرھا حتی تنتھی ثمر تھا ولکن لا یکلف العامل بدفع اجرۃ حصۃ من الشجرۃ حتی تستوی الثمرۃ التی یجینھا و بیان ذلک انہ بعد انقضاء مدۃ المساقاۃ فلیتوھم ان یقول المالک للعامل لا حق لک فی بقاء ثمرک علی الشجر الذی املکۃ بعد بطلان العقد بانقضاء مدتہ' فاذا شئت بقاءہ الی ان ینتھی فادفع علیہ اجرا۔ ولکن ھذا لا یجوز اذلیس للمالک مطالبہ العامل باجر علی بقاء الثمر لان الشجر لا یصح استئجارہ۔ اما المزارعۃ فان العامل وان کان لہ الحق فی القیام علی الزرع بعد انقضاء المدۃ حتی تنتھی ولکن للمالک الحق فی مطالبۃ باجر ارضہ التی علیھا زرعہ الی ان ینتھی' لان الارض یصح استئجارھا۔

الثالثۃ اذا تعاقد شخص مع آخر علی خدمۃ بستان مساقاۃ و عمل فیہ ثم ظھر ان ذلک البستان حق لشخص آخر غیر الذی تعاقدمعہ' فان کان بہ ثمر فان العامل یرجع علی من ثبت لہ اما اذا تعاقدمعہ عقد مزارعۃ و ثبت ان الارض حق لغیر من تعاقدمعہ' فان الزرع کلہ یکون لمن ثبتت لہ الارض' ویرجع العامل علیہ بقیمۃ ما یخصہ من الزرع۔

الرابع: ان بیان المدۃ شرط فی المزارعۃ ولیست شرطا فی المساقاۃ و ذلک لان وقت ادراک الثمر معلوم عادۃ فاذلم یبینا المدۃ فیقع العقد علی اول ثمر یخرج فی تلک السنۃ کما تقدم"(۱)

حواشی

(۱) عبدالرحمن الجزیری' کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعہ' باب مزارعت و مساقات ص ۲۷

حصّہ دوم

باب چہارم

باب چہارم: نظام اراضی برصغیر پاک و ہند

فصل I	برصغیر کا نظام اراضی عہد سلاطین سے پہلے مع جغرافیائی حالت
فصل II	عہد سلاطین میں نظام اراضی
فصل III	عہد مغلیہ میں نظام اراضی
فصل IV	عہد برطانیہ میں نظام اراضی
فصل V	برصغیر کی تقسیم اور قیام پاکستان کے بعد نظام اراضی

فصل I: برصغیر کا نظام اراضی عہد سلاطین سے پہلے مع جغرافیائی حالت

قدیم سے برصغیر کے نظام اراضی کا جائزہ لینے کے ساتھ یہاں کے جغرافیائی حالات جاننا بھی از حد ضروری ہیں۔ کیونکہ موسموں اور قدرتی حالات کا سراسر اثر نظام زراعت یا اراضی پر ہی پڑتا ہے۔ اس طرح وہاں کی اجناس، کسانوں کی استعداد کار، پیداوار کی مقدار، لگان کا مقرر ہونا سب کے بارے میں رائے قائم کرنا آسان ہوتا ہے۔

برصغیر کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی انسانی تاریخ۔ اس خطہ کو جغرافیائی خوبیوں نے دنیا کے دیگر خطوں کی نسبت شہرت دی۔ یہاں پہاڑ، میدان، ڈھلان، دریا، سمندر سب موجود ہیں۔ اس لیے زرعی تاریخ بھی انسانی تاریخ تک پھیلی ہوئی ہے۔ وہ سب وسائل یہاں ہمیشہ سے موجود رہے ہیں جو زراعت و باغبانی کے لیے لازمی عناصر شمار کیے جاتے ہیں۔ لہٰذا یہاں رائج نظام اراضی کو مقالہ کے موضوع سے خاص مناسبت ہونے کے سبب ایک نظر دیکھنا ضروری ہے۔

۵ھ / ۶۲۲ء کے لگ بھگ دریائے سندھ کے پار براہمن ہی چھائے ہوئے تھے۔ مرکزی ایشیا تک ان کا تسلط تھا۔

۵ھ / ۶۲۲ء میں دوسری جانب پشاور کی زرخیز وادیوں کے ساتھ قبائلی لوگ سوات کی وادی تک چھا چکے تھے۔ ان کا مذہب بدھ مت تھا۔ غرض ظہور اسلام کے وقت پورا برصغیر دونوں مذہبوں میں بٹا ہوا تھا۔ یعنی بدھ مت اور ہندومت۔ مجموعی طور پر لوگ پر سکون زندگی گزار رہے تھے۔ صنعت و حرفت، زراعت اور فنکار لوگ اپنے اپنے کاموں میں مگن تھے۔

نظام اراضی

ہندوؤں نے برصغیر میں عمدہ نہری اور آبپاشی نظام قائم کیا ہوا تھا۔ پھل، پھول، گنا ان علاقوں میں بکثرت پیدا ہوتا تھا۔ ہندو شاہی کے تحت یہاں کے زرخیز علاقوں اور وادیوں میں چھوٹی چھوٹی جاگیرداریاں قائم ہو چکی تھیں، کسان سکون سے تھے۔ وہ زراعت میں ترقی کر رہے تھے۔ سندھ، شمال مغربی علاقے اور بلوچستان میں نہری نظام کے علاوہ ایرانی قسم کے کنوئیں بھی مقبول تھے۔ زمینداروں کو اپنی پیداوار کا قریباً ۱/۶ حصہ مقامی، حکمرانوں کو دینا پڑتا تھا یعنی لگان یا مالگزاری کی مدّ میں۔(۱)

ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد کے بعد زرعی میدان میں کیا تبدیلی آئی یہ جاننے سے پہلے برصغیر کی جغرافیائی حالت کو ایک نظر دیکھ لینا موضوع کی وضاحت میں معاون ہوگا۔

برصغیر کی جغرافیائی حالت

تقسیم اراضی

(۱) جزیرہ نمائے ہند میں جو کل رقبہ شامل ہے اس میں ایک خطّہ وہ ہے جو کراچی سے دہلی تک اور دہلی سے کلکتے تک خط کھینچنے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہ خط برصغیر کے جنوب میں واقع ہے۔

(۲) دوسرا خطہ دریائے سندھ و گنگا کا میدان جو جزیرہ نما اور کوہ ہمالیہ کے درمیان میں واقع ہے اور دنیا کا وسیع زرعی خطہ ہے۔

(۳) تیسرا خطہ ہمالیہ کا کوہستانی سلسلہ جو میدان گنگا کے شمال میں واقع ہے۔
(۴) چوتھا خطہ برما جو مشرق میں واقع ہے۔

موسم کسی بھی خطے کی زرعی حالت کا اندازہ وہاں کے موسم' بارشوں کی کیفیت اور آب و ہوا سے با آسانی لگایا جا سکتا ہے۔ ہندوستان میں جو واضح طور سے معین موسم پائے جاتے ہیں وہ تین ہیں۔ اول سرد و خشک موسم یعنی موسم سرما' دوم مرطوب موسم یعنی موسم گرما اور سوم اچانک موسلا دھار بارشوں کی کیفیت یعنی موسم برسات۔(۲)

بارش

دنیا کے کسی خطے میں ہر شعبہ زندگی پر بارش کا اس قدر گہرا اثر نہیں پڑتا جس قدر کہ ہندوستان میں۔ کیونکہ یہاں زندگی زیادہ تر زراعت پر منحصر ہے اور زراعت کا انحصار سراسر بارش پر ہے اور بارش قریب قریب ۹۰ فیصد جنوب مغربی موسمی ہواؤں کے ذریعے ہوتی ہے۔ ہندوستان کی بارش میں خصوصیت یہ ہے کہ اس میں تسلسل نمایاں طور پر غائب ہے اور بارش بعض معین موسموں تک ہی محدود رہتی ہے۔ بارش زیادہ تر موسلا دھار ہوتی ہے۔ پانی زمین میں جذب ہوئے بغیر اوپر ہی اوپر بہہ جاتا ہے اور گڑھوں میں جمع ہو جاتا ہے۔(۳)

آب و ہوا

برصغیر پاک و ہند کی آب و ہوا کے متعلق کوئی عام کلیہ اس لیے قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ اس کی حدود کے اندر تقریباً ہر قسم کی انتہائی آب و ہوا پائی جاتی ہے۔ البتہ مجموعی طور پر یہ نیم گرم ہے۔ انسانی جسم پر اس کا تھکا دینے والا اثر ہوتا ہے۔(۴)

نباتات

برصغیر کی مذکورہ جغرافیائی حالت' موقع محل اور آب و ہوا کا یہاں کی حالت ارضی پر نباتات کے حوالے سے بہت گہرا اثر پڑتا ہے۔ یہاں کی زمین قدرتی طور پر زرخیز ہے۔ تقریباً ہر قسم کی نباتات یہاں پیدا ہوتی ہیں مثلاً پھل' پھول' سبزیاں اور اجناس وغیرہ۔(۵)

ساخت اراضی

علمائے علم الارض کی رائے ہے کہ قدیم ہندوستان کی حالت موجودہ ہندوستان سے بہت مختلف تھی سب سے قدیم زمانے میں برصغیر ہند و پاک محض جنوبی جزیرہ نما پر مشتمل تھا اور یہاں سے افریقہ تک زمین پھیلی ہوئی تھی۔ جبکہ جس خطہ میں اب پنجاب اور راجپوتانہ واقع ہے وہاں سمندر تھا لیکن زیادہ گہرا نہ تھا۔ اس کے بعد زمین سے آتش فشانی کے سلسلہ نے اس خطہ کی قدرتی ہیئت بالکل متغیر کر دی۔ آخر ہزارہا سال کے تدریجی ارتقاء اراضی سے ہندوستان کی وہ شکل بن گئی اور وہ خصوصیات پیدا ہو گئیں جو اب ہیں۔ برصغیر پاک و ہند کی زمین درج ذیل اقسام کی ہے۔

(۱) دریائی زمین کی اس خطہ میں سب سے زیادہ کثرت ہے اور زراعت کے لیے بھی یہی زمین سب سے زیادہ موزوں اور کارآمد ہوتی ہے۔ سندھ' گجرات' راجپوتانہ' پنجاب' صوبہ متحدہ' بنگال آسام' برما کے بیشتر حصوں

میں اس قسم کی زمین پائی جاتی ہے۔ مدراس، کرشنا ،نجور کے گرد و نواح مشرقی و مغربی ساحل کے ساتھ ساتھ اور ملک کے دوسرے حصوں میں دریاؤں کے کنارے کنارے یہی زمین پھیلی ہوئی ہے۔

(۲) سنگریزہ زمین وہ ہے جو تمام دکن بالخصوص صوبہ متوسط حیدر آباد اور کاٹھیا واڑ میں پھیلی ہوئی ہے۔ بلندیوں اور ڈھلانوں پر مٹی مسام دار اور ہلکی ہوتی ہے اس لیے زرخیز نہیں ہوتی وہاں جوار، باجرہ اور مینا کاشت ہوتا ہے۔

(۳) ریگڑ زمین دکن کے اکثر مقامات پر ہے۔ اس کا رنگ سیاہ ہوتا ہے۔ ایسی زمین کپاس کی کاشت کے لیے از حد موزوں ہوتی ہے۔ ربیع اور خریف کی فصلیں یہاں خوب ہوتی ہیں یعنی گیہوں، کپاس، السی، جوار، باجرہ وغیرہ۔

(۴) تزخیل زمین برصغیر پاک و ہند کی مذکورہ اقسام اراضی کے علاوہ باقی ماندہ زمین کو تزخیل زمین کا خطہ قرار دیا جاتا ہے۔ ایسی زمین چاول کے لیے بہت موزوں ہے۔ یہ بھوری اور چکنی مٹی ہوتی ہے۔(٦)

حواشی

(۱) i- محمد علی چراغ، تاریخ پاکستان، ص ۱۰۰

ii- محمد قاسم فرشتہ، تاریخ فرشتہ، (مترجم عبدالحی خواجہ) ص ۷۹

(۲) جی۔ بی جٹھار، معاشیات ہند، (مترجم مولوی رشید احمد) ص ۱۴

(۳) ایضاً۔ ص ۱۹-۲۱

(۴) ایضاً۔ ص ۲۱

(۵) پرمتھ ناتھ بنرجی، معاشیات ہند، (مترجم محمد الیاس برنی) ص ۱۸

(۶) ایضاً۔ ص ۱۸

فصل II عہد سلاطین میں نظام اراضی

۹۵ھ / ۷۱۲ء میں محمد بن قاسم وہ پہلا جرنیل تھا جس نے ہندوستان کو فتح کیا اور مسلمانوں کے دور حکمرانی کا آغاز کیا۔ اس نے دیبل، سندھ، ملتان تک کا علاقہ فتح کیا اور ۹۸ھ / ۷۱۵ء کو وہ کئی سیاسی عوامل کی وجہ سے برصغیر سے رخصت ہو گیا۔ محمد بن قاسم کے تحت عام طور پر پورے خطہ سندھ کی فتوحات صرف دو ہی صورتوں سے ہوئیں۔ جنگ و جہاد اور صلح و امن اور یہاں کی زمینوں پر خراج مقرر کیا گیا۔

برصغیر پاک و ہند کی اراضی کا مسئلہ عمرؓ کے فیصلے کی روشنی میں ہی حل کیا گیا۔ یعنی جو علاقے جنگ کر کے فتح کیے گئے ان کی اراضی مملوکہ میں سے صرف وہ زمینیں جو مفتوح راجہ کی ملک اور شاہی مقبوضات تھیں ان کو بیت المال کی اراضی میں داخل کیا گیا۔ باقی زمینوں پر مالکان، سابق کی ملکیت برقرار و بدستور رکھ کر خراج شرعی مقرر کر دیا۔ اس کے علاوہ غیر مملوکہ اراضی کی جملہ اقسام اراضی بیت المال میں داخل کی گئیں انہی اراضی میں محمد بن قاسم نے بعض اسلامی خدمات کرنے والوں کو جاگیریں عطا کیں اور مساجد وغیرہ تعمیر کرائیں۔(۱)

محمد بن قاسم کے بعد جتنے بھی اموی اور عباسی حکمران آئے یہاں مضبوط حکومت نہ بنا سکے کیونکہ مقامی ہندو راجپوت مقابلہ پر آتے رہے۔ آخر کار ۲۲۶ھ / ۸۴۳ء کے قریب کابل کی ترک شاہی کو برہمنوں نے ختم کر دیا۔ لیکن ۲۵۳ھ / ۸۷۰ء میں یعقوب بن لیث نے کابل میں ہندو شاہی کو شکست دے دی اور بغداد سے کابل اور سندھ پر حکمرانی کی اجازت حاصل کر لی۔ اس وقت تک برصغیر اور پورے وسطی ایشیا میں ہر شعبہ کے ساتھ زرعی میدانوں میں بھی خاطر خواہ ترقی ہوئی اور تمام برصغیر کے باہر کے لوگ ہندوستان کو سونے کی چڑیا کا خطاب دینے لگے۔

۴۰۱ھ / ۹۹۸ء میں محمود غزنوی نے غزنی کے تخت پر بیٹھنے کے بعد بے شمار حملے برصغیر پاک و ہند پر کیے وہ جس علاقے کو فتح کرتا اس کے راجہ سے خراج لینے کے عہد پر معافی دیتا رہا۔

۵۶۹ھ / ۱۱۸۶ء میں غوری خاندان برصغیر پر حکمران ہوا انہوں نے بھی سابق مالکان اراضی کو ان کی زمینوں پر برقرار رکھا۔ خراج وصول کرنے کے وعدے پر اور خود غزنی کی دارالسلطنت میں رہے۔(۲)

ابن اثیر لکھتے ہیں

ثم انہ من علیہ وردہ الی ولایۃ وقرّر علیہ والاّ یحملہ الیہ کل سنہ"

(پھر سلطان نے اس راجہ پر احسان کیا اور اس کو اس کی ریاست پر لوٹا دیا اور اس کے ذمہ ایک رقم (بطور خراج) مقرر کر دی جو سالانہ خزانہ شاہی میں جمع ہوا کرے)

۶۰۲ھ / ۱۲۰۶ء سے سلاطین دہلی کا دور شروع ہوا۔ غزنی میں بیٹھ کر ہندوستان پر حکومت کرنا انتہائی دشوار تھا اس لیے سب سے پہلے قطب الدین ایبک سلطان ہند تخت دہلی پر بیٹھے اور برصغیر میں مسلمان کی حکمرانی کا باقاعدہ دور شروع ہوا۔ برصغیر پاک و ہند میں مستقل قیام کے بعد مسلم حکمرانوں نے ہر شعبہ زندگی پر خاص توجہ دی اور اصلاحات کیں۔ قطب الدین کے بعد خلجی، تغلق، سادات اور لودھی خاندان حکمران رہے۔ یہ زمانہ بابر بادشاہ کے تخت نشین ہونے تک پھیلا ہوا ہے۔ یعنی ۱۵۲۶ء تک۔(۳)

مسلمانوں کی قیادت میں فتح کیے جانے والے ہر ملک کی اراضی کی دو اقسام ہیں اور یہ تمام دُنیا کے لیے اسلام کا قانونِ اراضی ہے

اقسام

- غیر مملوک اراضی یا ارضِ مباحہ
  - بستی کے قریب عام لوگوں کے لیے قبرستان، عیدگاہ، چراگاہ، بستی میں گلی کوچے پارک سب مشترک اراضی ہے انکا مالک کوئی نہیں ہوسکتا۔
  - غیر آباد جنگلات پہاڑی زمین بنجر زمین جنکا مالک کوئی نہ ہو۔ یہ اراضی موات ہے۔ انہیں جو آباد کریگا وہی مالک ہوگا مسلم و غیر مسلم کی کوئی شرط نہیں
  - بستی ان زمینوں کو استعمال نہیں کرتی لیکن یہ زرخیز اور قابلِ زراعت و انتفاع ہیں انہیں اراضی بیت المال کہا جاتا ہے
    - ملک فتح تک کسی کی خاص ملکیت نہ ہوں
    - لاوارث مرجانے والے کی زمینیں
    - مفتوح ملک کی مملوکہ زمین غانمین کو دی جائینگی تو پانچواں حصہ بیت المال کا ہوگا۔
    - قہر و غلبہ سے ملک فتح ہو تو امام مملوکہ زمینیں سب سے چھین کر بیت المال میں رکھ سکتا ہے
- مملوک اراضی جس پر زمیندار مالک و متصرف ہوں
  - قہر و غلبہ سے
    - غانمین میں تقسیم ہو
    - خراج عائد ہو اصل مالک برقرار رہے
    - بیت المال اپنی مرضی سے انہیں استعمال کرے
  - صلح و امن سے
    - اگر مسلمان ہوں بوقتِ فتح تو اراضی اُن کے پاس رہیگی اور عشر لیا جائے گا۔
    - اپنے قدیم مذہب پر قائم رہیں
      - ملک مسلمانوں کے حوالے کر دیں اور اپنے مذہب پر قائم رہیں۔
      - ملک اپنے پاس رکھیں اور حکومت کریں لیکن باج و خراج مسلم حکومت کو ادا کریں

حکمران اپنی مرضی سے بھی تصرف کر سکتا ہے اور اراضی بیت المال کا تصرف یہ بھی ہوسکتا ہے مثلاً فقراء، مساکین، یتیم بیوہ، غریب الوطن مسافر، مجاہد، بیمار، معذور، رفاہ عام یعنی ایسی زمینوں کو ان میں سے کسی مد میں بھی صرف کیا جاسکتا ہے۔

نظام اراضی

تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان بلاد (ہندوستان) کی اراضی مملوکہ سے دور سلاطین میں ان کے مالکان سابق کو کہیں بھی بے دخل نہیں کیا گیا۔ جیسا کہ سلطان شہاب الدین غوری نے ۵۹۲ھ / ۱۲۱۳ء میں قطب الدین ایبک کی قیادت میں لشکر کی روانگی اور فتح کا ذکر کیا ہے۔

> مملکھا عنوۃ و ھرب ملکھا مجمع و حشر فکثر جمعہ و علم شھاب الدین انہ لا یقدر علیٰ حفظھا الا بان یقیم ھو فیھا و یخلّیھا من اھلھا متعذر علیہ ذلک فان البلد عظیم و اعظم بلا د الھند و اکثرھم اھلا فصالح صاحبھا علی مال یؤدیہ الیہ عاجلا و اجلا و اعاد عسا کرہ عنھا و مسلمھا الی صاحبھا۔"

(قطب الدین نے اس کو نہروالہ، جس کا نام آج کل پٹن ہے) قہراً فتح کیا اور اس کا راجہ وہاں سے بھاگ گیا مگر باہر جا کر اس نے اپنے حمایتی راجاؤں کی اعانت سے پھر ایک جماعت اور لشکر جمع کر لیا۔ سلطان شہاب الدین نے محسوس کیا کہ اس صوبہ کی حفاظت اس کے بغیر ناممکن ہے کہ وہ خود یہاں قیام کرے اور یہاں کے باشندے یہاں سے نکال دے۔ بظاہر یہ کام مشکل تھا کیونکہ یہ شہر بلاد ہند میں سب سے بڑا تھا۔ اور بڑی آبادی پر مشتمل تھا۔ اس لیے سلطان نے اس کے راجہ سے اس پر صلح کر لی کہ بالفعل بھی کچھ مال دیں اور ہمیشہ خراج ادا کرتے رہیں پھر اپنے لشکر یہاں سے ہٹا لیے اور ملک اسی راجہ کے سپرد کر دیا)(۴)

- اس واقعہ میں اس کی بھی تصریح ہے کہ ملک قہراً فتح کرنے کی صورت میں سلطان کو جو یہ اختیار شرعاً حاصل تھا کہ پورے شہر کی اراضی سے اس کے باشندوں کو بے دخل کر کے ان کے غانمین مین تقسیم یا اراضی بیت المال قرار دے دے۔ اس کو مشکل سمجھ کر کوئی اقدام نہیں کیا۔ بلکہ زمین اور ملک کو راجہ کے سپرد کیا اور خراج سالانہ اس سے مقرر کر لیا۔
- اس بات پر تمام علماء اسلام کا اتحاد ہے کہ ہندوستان کی اراضی اقسام و احکام میں مثل اراضی شام، عراق اور مصر کے ہیں۔ کہ غانمین میں تقسیم نہیں کی گئی

زرعی اصلاحات

دور سلاطین میں زراعت باغبانی اور آبپاشی پر تاریخ ساز کام ہوا۔ محکمہ زراعت قائم ہوا۔ ان تمام حکمرانوں نے کاشتکاروں اور کسانوں کے حقوق کا بے حد خیال رکھا۔ زمینوں کی پیائش کا بندوبست کیا۔ مزروعہ اور غیر مزروعہ اور بنجر زمینوں کا حساب لگایا گیا۔ زمینداروں میں مسابقت کے ذریعہ پیداوار کو بڑھایا گیا۔ (۵)

غرض سلاطین دہلی کے زمانہ میں کسان ایک گراں مایہ سرمایہ سمجھے جاتے تھے۔ ان کسانوں کے لیے جو زیادہ زمین زیر کاشت لا سکیں مقابلے کروائے جاتے۔ سلاطین انہیں چھوٹے چھوٹے عہدہ داروں اور دوسرے لوگوں کے ستم سے بچانا چاہتے تھے۔

سلاطین دہلی کو باغات لگانے کا بے حد شوق تھا۔ چنانچہ سلطنت کے اکثر علاقوں میں ہرے بھرے باغات نظر آتے تھے۔ محمد بن تغلق کے عہد میں نواح دہلی میں میلوں تک باغات پھیلے ہوئے تھے۔ یہاں تقریبا ۱۲۰۰ باغات تھے۔ ۳۰ باغات کے ذریعہ چتوڑ کو سرسبز کیا۔ دوآبہ کے علاقے میں سینکڑوں باغات تھے۔ فیروز شاہ تغلق کے دور میں فیروز شاہ کو باغات سے سالانہ ۱ لاکھ ۸۰ ہزار تنکا آمدنی ہوتی تھی۔ (۷)

خراج

سلاطین دہلی چاہتے تھے کہ کاشتکار خوشحال ہوں۔ ان پر خراج کا زیادہ بوجھ نہ ہو۔ اس لیے قطب الدین ایبک نے اپنے عہد میں کئی زائد محصول منسوخ کر دیے۔ جو ضروری ٹیکس لیے جاتے وہ موقع کے مطابق کبھی ۱/۱۰ فیصد اور کبھی ۱/۵ فیصد کر دیے جاتے۔

علاء الدین خلجی نے بھی ملکی زمین کی پیائش کرا کے پیداوار میں ریاست کا حصہ مقرر کیا۔ لگان جمع کرنے کے لیے اس نے "مستخرج" کا محکمہ قائم کیا۔ کاشتکاروں کو نقدی میں لگان ادا کرنے پر مجبور نہ کیا جاتا تھا۔ کسان' لگان پیداوار یا جنس کی صورت میں بھی ادا کر سکتے تھے۔(۸)

فیروز شاہ تغلق نے حکم دیا کہ خراج و جزیہ حاصل پیداوار کی بنیاد پر لیا جائے چنانچہ کاشتکاروں کے معاملے یعنی وصولیابی میں سختی' زیادہ طلبی' فصلوں کا نہ ہونا' اور قیاس کی بنیاد پر اندازہ لگانے کا' سلسلہ کلی طور پر ختم کر دیا گیا' صرف اسی قدر محصول پر اکتفا کیا جاتا۔ جو طے ہو جاتا تھا اور کاشتکار خوشی سے بغیر کراہت یا زبردستی کیے ہوئے ادا کر دیتے تھے کیونکہ کاشتکار درحقیقت مسلمانوں کے بیت المال کو خزانہ مہیا کرنے والے تھے۔ اس قانون کے نفاذ سے علاقے کے علاقے آباد ہو گئے۔ میلوں اور کوسوں تک کاشت ہونے لگی۔ جنگل بیابان اور صحراؤں میں زراعت ہوتی ہوئی نظر آنے لگی۔ (۹)

حواشی

(۱) i- مفتی محمد شفیع، اسلام کا نظام اراضی مع فتوح السند، ص ۵۹
ii- محمد علی چراغ، تاریخ پاکستان، ص ۱۰۱

(۲) i- مفتی محمد شفیع، اسلام کا ظام اراضی مع فتوح السند، ص ۱۱۳
ii- محمد علی چراغ، تاریخ پاکستان، ص ۱۱۲

(۳) ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج ۸ ص ۲۲۸

(۴) مفتی محمد شفیع، اسلام کا نظام اراضی، ص ۱۱۸

(۵) ضیاء الدین برنی، تاریخ فیروز شاہی (مترجم سید معین الحق) ص ۶۱۴

(۶) ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، سلطنت دہلی کا نظم حکومت، ص ۱۳۵

(۷) i- ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، سلطنت دہلی کا نظم حکومت، ص ۱۳۶
ii- رشید اختر ندوی، مسلمان حکمران، ص ۷۴۳

(۸) i- رشید اختر ندوی، مسلمان حکمران، ص ۶۸۲
ii- ضیاء الدین برنی، تاریخ فیروز شاہی، (مترجم سید معین الحق) ص ۶۱۴

(۹) ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، سلطنت دہلی کا نظم حکومت، (مترجم ہلال احمد زبیری) ص ۷۳۰-۷۳۱

فصل III عہد مغلیہ میں نظام اراضی

سلاطین کے بعد تخت دہلی پر مغل قابض ہوئے۔ مغلوں کے جدّ امجد ظہیر الدین بابر نے ۹۱۱ھ / ۱۵۲۶ء میں عنان حکومت سنبھالی۔ اور تھوڑے ردّو بدل کے ساتھ پہلے سے رائج نظام کو جاری رکھا کیونکہ سلاطین یہاں باقاعدہ حکمرانی کی داغ بیل ڈال چکے تھے۔ مغل حکمرانوں کا دور ۱۵۲۶ء سے ۱۷۰۷ء تک محیط ہے۔

نظام اراضی

مغلیہ دور سے پہلے اراضی ہند کا جو نظام رائج رہا اس میں یہ خرابی تھی کہ جب حاکم ذرا کمزور ہوتا تو نظام ڈھیلا پن کا شکار ہو جاتا اور جاگیردار خود مختار ہو جاتے تھے۔ مغلیہ عہد میں اس طوائف الملوکی کو روک لیا گیا اس طرح خوشحالی زیادہ ہوگئی اور مرکزی حکومت بھی مضبوط ہوگئی۔

شیر شاہ سوری نے کسانوں کو ظالم زمینداروں سے نجات دلائی۔ اس کے بارے کہا جاتا ہے کہ اگر شیر شاہ سوری دس بیس برس اور زندہ رہ جاتا تو زمینداروں کی جماعت قطعاً ختم ہو جاتی اور "جملہ ہندوستان" کسانوں کی محنت کی بدولت قابل کاشت زمین بن جاتا اور لوگ جاگیرداروں کے مظالم سے بچ جاتے۔ (۱)

جلال الدین اکبر کے عہد میں نظام اراضی کو بہت حد تک بہتر بنا لیا گیا۔ ابوالفضل اور ٹوڈرمل جیسے ماہرین اس کے دربار میں موجود تھے۔ ابوالفضل نے اپنی تصنیف آئین اکبری کے باب آئین دوازدہ صوبہ میں تمام شمالی صوبوں کے رقبوں کے مفصل اعداد و شمار دیے ہیں۔ اس عہد میں رقبہ کو بیگھوں میں شمار کیا گیا۔ یہ بیگھہ سَن کی رسی سے بنتا تھا۔ اور اس کی لمبائی تقریباً ۵۶ گز ہوتی تھی کیونکہ سَن سکڑ جاتا تھا بعد میں بانس کی جریب رائج ہوئی اور بیگھہ ۶۰ گز کا مقرر ہوگیا۔ زمین کی پیمائش کے لیے مستند سرکاری اکائی جو اکبر کی حکومت کو اپنے پیشروؤں سے ورثہ میں ملی "گز سکندر" تھی۔ بحوالہ آئین اکبری یہ گز پہلے پہل سکندر لودھی نے قائم کر کے اس کے طول کو ۴۱-۱/۲ سکندری سکوں (کے قطر) کے مساوی قرار دیا جسے بعد میں ہمایوں نے بڑھا دیا۔ شیر شاہ سوری اور اسلام شاہ کے تحت یہی گز استعمال ہوتا رہا اور کہا جاتا ہے کہ ان دونوں بادشاہوں نے پورے ہندوستان کو ضبط کے تحت لانے کے سلسلہ میں اسی گز سے پیمائش کرائی تھی۔

جلوس اکبری تک اسی گز سکندری کو سرکاری حیثیت حاصل رہی پھر اس کے بجائے گز الٰہی رائج ہوا۔ ابوالفضل کے بقول ہمایوں کا گز سکندری ۳۲ انگشت کا تھا اور گز الٰہی کا طول ۴۱ انگشت تھا۔ (۲)

دور مغلیہ میں زمین کی اقسام

جلال الدین محمد اکبر کے عہد حکومت میں بندوبست اراضی کے سلسلے میں ملکی زمین کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا۔

۱۔ پولاج۔ یہ درجہ اول کی زمین خیال کی جاتی تھی ایسی زمین کو باقاعدگی سے زیر کاشت لایا جاتا تھا اور یہ ہر سال لگان فراہم کرتی تھی۔

۲۔ پراؤتی۔ یہ دوسرے درجے کی زمین تھی جسے ایک سال کاشت کرنے کے بعد ایک یا دو سال کے لیے غیر مزروعہ چھوڑ

دیا جاتا تھا۔ تاکہ یہ کھوئی ہوئی پیداواری قوت دوبارہ حاصل کر سکے۔

۳۔ چار چھار / چاچڑ۔ یہ تیسرے درجے کی زمین تھی جس میں ایک سال فصل کاشت کرنے کے بعد چار سال تک کچھ نہ بویا جاتا تھا۔

۴۔ بنجر۔ ایک دفعہ کاشت کر لینے کے بعد یہ زمین پانچ یا اس سے زیادہ سالوں تک زیر کاشت نہ آتی تھی۔ (۳)

زرعی اصلاحات

تمام مغل حکمرانوں نے اپنے دور میں زراعت جیسی اہم ملکی صنعت کی طرف خاص توجہ دی وہ جانتے تھے کہ زراعت معیشت میں رڑھ کی ہڈی ہے۔ مغل حکمرانوں کے زراعت کے بارے کیے گئے اقدامات سے متعلق The Mughal Empire کے مصنف S.M. Jaffar & Sadiq لکھتے ہیں۔

"Agriculture, the most important industry of India, was properly understood and encouraged by the Mughal Kings they introduced multifarious reforms, waste lands were reclaimed, canals were opened, tanks were constructed and wells were dug for irrigation purposes the interests of peasants, who constituted the back-bone of Indian Social Structure, were properly looked after and every impetus was given to agricultural pursuits, the beneficent results were that agriculture improved, agriculturelists flourished, peasants prospered and the land revenue increased abundantly" (4)

جلال الدین اکبر کے عہد میں بھی کاشتکاروں کی فلاح و بہبود کے لے حکومت کی طرف سے بہت اقدامات ہوئے۔ پروفیسر برج نرائن ذکر کرتے ہیں :

"اکبر کے زمانہ میں کاشتکار اتنے خوشحال تھے کہ برطانوی راج کے بہترین دور سے بھی اس کی مثال پیش نہیں کی جا سکتی۔" (۵)

راجہ ٹوڈر مل کی بہترین زرعی اصلاحات کی وجہ سے کاشتکار بہت خوشحال ہو گئے تھے۔ اس نے ۱۵۷۰ء سے ۱۵۸۰ء تک دس سال کی پیداوار کا جائزہ لے کر اس کی اوسط نکالی پھر مختلف اجناس کے ان دس سالوں کے بھاؤ کی اوسط نکالی اور ان بنیادوں پر مالیہ کی شرح مقرر کی گئی۔ راجہ ٹوڈر مل کے رائج کردہ اس دس سالہ بندوبست کے دو بڑے نتائج سامنے آئے۔

(i) سرکاری آمدنی کا صحیح اندازہ

زمین کی پیائش' پیداوار اور اس کی قیمت کی اوسط نکالنے اور لگان اراضی کی رقم کو مقرر کرنے وغیرہ کے دستور سے حکومت کو اپنی آمدنی کا صحیح اندازہ لگانے میں آسانی ہو گئی۔ اس طرح حکومت کو نہ تو کسان دھوکہ دے سکتے تھے اور نہ ہی مالیہ وصول کرنے والے سرکاری ملازم۔

(ii) کسانوں کی بھلائی

الف: دس سالہ بندوبست سے ہر ایک کسان کو واضح طور پر علم ہوتا تھا کہ اسے کتنی رقم بطور مالیہ یا لگان حکومت کو ادا کرنی ہے۔

(ب) کسان سہولت کے مطابق لگان نقدی یا پیداوار کی صورت میں دے سکتے تھے۔

(ج) کسان لگان اراضی براہ راست سرکار کو دیتا تھا اس لیے کسان اور سرکار میں براہ راست تعلق رہتا تھا۔

(د) بارش کی زیادتی یا کمی کی وجہ سے فصل خراب ہو جانے کی صورت میں کسانوں کا مالیہ معاف کر دیا جاتا تھا۔ (ط) قحط کی صورت میں حکومت کسانوں کی مالی امداد بھی کرتی تھی۔(۶)

اورنگ زیب عالمگیر جب دکن کا حاکم تھا تو اس نے زرعی اصلاحات کی طرف خصوصی توجہ دی۔ کسانوں کو سہولتیں دیں۔ زرعی قرضے جاری کیے۔ اس نے اپنی حکومت کے دوران زراعت اور کاشتکاری کے لوازمات مہیا کیے۔ بیل خریدنے کے لیے رقوم دیں اور غلہ بیج کے طور پر دیا۔ S.M. Jaffar Sadiq لکھتے ہیں:

"Liberal advances were made to the cultivators from the state treasury to enable them to purchase seeds, bullocks, ploughs and other agricultural implements etc." (7)

اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں مرشد قلی خان کئی سال تک بنگال جیسے بڑے صوبے کے دیوان رہے۔ انہوں نے اس بڑے صوبہ کے کسانوں کی حالت یکسر بدل ڈالی۔ اورنگ زیب نے میرہاشم دیوان گجرات کے نام ایک فرمان میں کہا۔

"ہمارے عمّال کو چاہیے کہ کاشتکاروں اور مزارعین کے ساتھ نرمی سے پیش آئیں اور ان کی اس طرح حوصلہ افزائی کریں کہ وہ پیداوار بڑھانے میں خوشی اور مسرت پائیں۔"

ایک اور فرمان راسک داس کو لکھا۔

"امینوں کو حکم دیا کہ وہ ہر سال شروع کے دنوں میں گاؤں گاؤں جائیں.... کاشتکاروں میں کاشت کو بڑھانے کے ولولے پیدا کریں۔ ان کے حوصلے بڑھائیں..... اگر کہیں کاشتکار بد دل ہو کر کھیت چھوڑ گئے ہوں تو ان کو واپس لائیں اور ان کے دل بڑھائیں۔"(۸)

غرض تقریباً تمام مغل حکمرانوں نے نظام اراضی کی اصلاح، زراعت کی ترقی، اور کسانوں کی بھلائی پر خصوصی توجہ دی۔

باغات

کھیتی باڑی اور کاشتکاری کے علاوہ تمام مغلیہ عہد میں باغات پھلدار اور سایہ دار درخت لگانے پر بھی خاص کام ہوا۔ ان تمام مغل حکمرانوں کے لگوائے ہوئے باغات آج بھی موجود ہیں۔

۹۱۱ھ / ۱۵۲۶ء ظہیر الدین بابر اپنی تزک میں ہندوستان کی سرزمین کی زرخیزی شادابی اور باغات کی کثرت کا اس وقت ذکر کر رہا ہے جب مغل ابھی ہندوستان میں آئے۔

تزک بابری میں لکھا ہے۔

"جتنے شہر اور میدانی علاقے ہندوستان میں ہیں کسی اور ملک میں نہیں ہیں۔ یہاں نہروں کی وجہ سے باغات خوب سرسبز و شاداب ہیں، دھولپور بڑی پر فضا جگہ ہے اور پورے ماحول میں آموں اور جامنوں اور اس نوع کے پھلوں کے بہت سے درخت ہیں۔"(۹)

بابر نے خود بھی آگرہ میں ایک باغ لگوایا جسے دور مغلیہ کی آفاقی باغوں کے سلسلہ کی پہلی کڑی شمار کیا جاتا ہے۔

۹۳۹ھ / ۱۵۵۶ء جلال الدین محمد اکبر کے زمانہ میں آگرہ اور لاہور میں بکثرت باغ لگائے گئے۔ اس کے امراء اور ان کے متعلقین نے بھی متعدد باغ لگوائے۔ اکبر ہی کے زمانے میں علی عادل بادشاہ نے شہر بیجاپور کے گرد فصیل کھنچوائی تو حصار شہر کے اندر بڑے تین باغ لگوائے۔(۱۰)

اکبر کے عہد میں آم پنجاب کے اندر کم پیدا ہوتا تھا جب اکبر نے لاہور کو تخت گاہ بنایا تو اس کے حکم سے آم کی پیداوار زیادہ ہوئی۔ اکبر نے صندل، سرو، صنوبر اور چنار کے درخت نہایت کثرت سے باغوں میں لگوائے۔ اس کے علاوہ اکبر نے اسلام آباد کے علاقے اور سری نگر میں چنار اور سرو کے درخت لگوائے جو اب تک اس عظیم الشان بادشاہ کے شوق پر دلالت کرتے ہیں۔(۱۱)

مغل حکمران جہانگیر (۱۶۰۵ء -- ۱۶۲۷ء) نے اپنی سلطنت میں بہت سے باغات، پھلدار اور سایہ دار درخت لگوائے۔ وہ اس کا ذکر اپنی خود نوشت تزک جہانگیری میں کرتا ہے کہ

"میرے حکم کے مطابق آگرے سے دریائے اٹک تک سڑک کے کنارے دونوں جانب درخت لگوائے گئے اسی طرح آگرے سے بنگال تک درخت لگوائے۔" (۱۲)

تزک جہانگیری میں لکھا ہے۔

"آگرہ اور اس کے قرب و جوار میں خربوزہ اور آم کثرت سے پیدا ہوتے ہیں۔ میرے والد عرش آشیانی کے زمانے میں ولایتی پھل ہندوستان میں نہیں ہوتا تھا۔ اس کے پودے منگوا کر یہاں لگائے گئے اور وہ پھل یہاں ملنے لگے۔ انگور کی مختلف اقسام مثلاً صاحبی، حبشی اور کشمش ہندوستان کے شہروں میں پیدا ہونے لگا۔ تمام پھلوں میں انناس آگرہ کے گل افشاں باغ میں ہر سال کثرت سے پیدا ہوتا ہے۔" (۱۳)

جہانگیر نے باغات لگانے کی حوصلہ افزائی کے لیے محصول معاف کر دیے لکھتا ہے کہ۔

"خدا کا لاکھ لاکھ شکر اور احسان ہے کہ میری سلطنت میں باغات پر محصول لگانے کی رسم ماضی سے لے کر اب تک نہیں ہے اور حکم جاری کر دیا گیا کہ جو کوئی مزارع زمین میں باغ لگائے اس کا محصول معاف کیا جائے۔"(۱۴)

جہانگیر نے دلکشا باغ (شاہدرہ لاہور) نشاط باغ، ورینا گ باغ (کشمیر) شاہی باغ، (ادی پور) واہ باغ (حسن ابدال) لگوائے۔

شاہجہان ۹۷۰ھ / ۱۶۲۷ء کو اپنے جدّ اعلیٰ بابر اور والد جہانگیر کی طرح باغات لگوانے کا بڑا شوق تھا۔ لاہور کا شالیمار باغ اس نے کشمیر کے باغ کے نمونے پر بنوایا۔ اس کے علاوہ لاہور کے ملحقات میں شاہجہانی دور کے متعدد باغات تھے جو دستبرد زمانہ کے ہاتھوں تباہ ہو گئے۔

"Shah Jahan had a fine taste for gardens. Almost all his buildings contained beautiful gardens, as shalimar, the garden in the Delhi Fort, the Taj Mahal Garden, the Shalimar Bagh at Delhi and Dara Shikh's Garden at Kashmir."(15)

اورنگ زیب عالمگیر کے ذکر میں ہمیں نواں کال باغ لاہور، چوبرجی باغ، روشن آراء باغ دہلی کا ذکر ملتا ہے۔ باغات کا زراعت میں اہم حصہ ہے۔ مذکورہ تفصیل سے اندازہ ہوتا ہے کہ مغل اس معاملہ میں بہت ذمہ دار تھے۔(۱۶)

مالیہ

شیر شاہ سوری ۹۲۳ھ / ۱۵۴۰ء کے زمانہ میں قحط یا خشک سالی کے وقت کاشتکاروں کو مالیہ معاف کر دیا جاتا۔ کسان کی خواہش کے مطابق اس امر کا بھی تعین کر دیا گیا کہ مالیہ نقدی میں ادا کیا جائے یا جنس کی صورت میں۔ مالیہ کی شرح مقرر کرتے وقت نرمی برتی جاتی لیکن وصولی کے وقت رعایت نہ برتی جاتی۔

"Payment could be made to the government either in cash or in kind. Sher Shah gave instructions that leniency was to be shown at the time of assesment, but not at the time of collection of revenue."(17)

جلال الدین اکبر ۹۳۹ھ / ۱۵۵۶ء نے اپنی سلطنت میں ٹوڈرمل ہندو کا دیا ہوا اقتصادی نظام رائج کیا۔ اس نظام کی اساس شیر شاہ سوری کے نظام معیشت پر تھی۔ مالیہ / لگان زمین کی پیداواری صلاحیت اور رقبے کے لحاظ سے مقرر کیا گیا۔ ملک کی زمین کا ایک بڑا حصہ "خالصہ" کے طور پر حکومت کے تصرّف میں رہتا تھا۔ زمین کو ٹھیکے پر دینے کا نظام بھی اس عہد میں رائج تھا۔ لیکن اس میں بے ایمانی اور خیانت کے سبب اکبر نے لاہور، ملتان، دہلی، آگرہ، اودھ، الہ آباد، اجمیر اور مالوہ وغیرہ سے اس نظام کو ختم کر دیا۔ پانچ سال بعد سارے علاقے منصب داری نظام کے تحت خالصہ ہو کر حکومت کی تحویل میں آ گئے۔ اتنی بڑی تعداد میں زرعی زمینوں کو حکومتی تحویل میں لینے کا ایک مقصد اکبر کے نزدیک یہ تھا کہ تمام پیداوار کو مرکزی حکومت کے سپرد کیا جائے اور مرکزی حکومت ہی اس کی تقسیم کا اہتمام کرے۔(۱۸)

البتہ اس نظام میں یہ خامی تھی کہ کسان زراعت سے بددل ہو جاتے ہیں اور پیداوار گھٹ جاتی ہی۔ بہت سی زمین خالی پڑی رہتی ہے۔ لیکن مذکورہ مسئلہ کا حل اکبر نے اس طرح نکالا کہ خالصہ افسران کو پیداوار بڑھانے پر انعامات سے نوازا جاتا۔ اس کوشش سے ضلعی سطح پر زمینداروں میں زیادہ فصلیں اگانے کا رجحان پیدا ہو گیا۔

اکبر کے عہد میں آبادی کی کثرت دیہات میں رہتی تھی۔ ہر شخص اپنے ہی دیہات اور گاؤں کی پیداوار پر تکیہ اور مدار کرتا تھا۔ اس طرح ہنرمند لوگوں کو بھی زراعت پیشہ لوگ زمین دے دیتے تھے۔ جنہیں وہ مزارعت پر کاشت کرواتے اور خود اپنے پیشہ سے منسلک رہتے۔

اکبر نے مالیہ / لگان کی رقم کی صورت میں وصول کرنے کا نظام رائج کیا تھا۔ اس لیے زمیندار زیادہ سے زیادہ اجناس فروخت کر کے نقد رقم حاصل کرتے تھے۔ اور وہ زیادہ رقم فراہم کرنے والی فصلیں اگانے لگے مثلاً کپاس اور گنا وغیرہ۔(۱۹)

اکبر اپنے زمانے میں خشک سالی اور قحط کے دنوں میں مالیہ معاف کر دیتا تھا۔ اہلکاروں کو مفصل ہدایات دی گئیں کہ کسانوں کے مفاد کو پیش نظر رکھا جائے۔ لگان صرف زیر کاشت زمین پر لگایا جاتا تھا۔ بقایا جات وصول کرنے میں سختی نہ کی جاتی تھی۔ (۲۰)

شہاب الدین شاہ جہان ۹۷۰ھ بمطابق ۱۶۲۷ء نے اکبر کے بعد صحیح معنوں میں زراعت کی ترقی کی خاطر کسانوں اور زمینداروں کے مفادات کو فوقیت دی۔ جاگیرداری نظام کے نقائص کا خاتمہ کیا۔ بے ایمان سرکاری ملازمین کی تطہیر کی مالیہ کی وصولی کے لیے ہزاروں نئے اور ایمان دار ملازم رکھے گئے۔ ہر طرح کے محصولات میں سے پانچواں حصہ بادشاہ وقت کے لیے مقرر کیا گیا تھا۔ اس کے دور تک مالیہ کی رقم ۴۵ کروڑ روپے سالانہ تک پہنچ گئی تھی۔ شاہجہان کے عہد میں دکن میں خوفناک قحط پڑا۔ اس قحط سے گولکنڈہ، احمد نگر، گجرات اور مالوہ کے بعض حصے بھی متاثر ہوئے۔ شاہجہان نے مالیہ معاف کر دیا۔

۱۶۴۱ء میں کشمیر کے اندر بے پناہ بارش کی وجہ سے فصل خریف کو شدید نقصان ہوا۔ غلہ کی کم یابی ہو گئی۔ پچاس ہزار باشندے وطن چھوڑ کر لاہور چلے گئے۔ پنجاب میں ۱۶۴۶ء میں بارش کی قلت سے قحط پڑا۔ شاہجہان نے کسانوں سے رعایت برتی۔ مالیہ معاف کر دیا اور اناج بھی امداد میں دیا۔ (۲۱)

شاہجہان نے اکبری نظام ضبطی تبدیل کر دیا کیونکہ اکبر کا منشاء جاگیری نظام کو ختم کر کے کاشتکاروں سے براہ راست رابطہ قائم کرنا تھا۔ ساری وصولی نقد ہوتی تھی اور حکومت کا مطالبہ مجموعی پیداوار کی ایک تہائی متعین کیا گیا۔ نظام ضبطی کا رواج سلطنت کے صرف منظم صوبہ جات میں تھا۔ بنگال، سندھ، کابل، خاندیش اور کشمیر اس دائرہ عمل سے باہر تھے۔ ان مقامات میں مالگزاری کی وصولی غلہ کی صورت میں ہوتی تھی یا تقسیم فصل یا نسق کے لحاظ سے یعنی (بطور چک بندی) اس نظام کے تحت کاشکاروں سے حکومت کا براہ راست رابطہ کٹ جاتا ہے۔ شاہجہان کے دور میں مجموعی پیائش زمین کروانا بجائے استثناء کے قانون بنا دیا گیا اور سرکاری مطالبہ برائے لگان تہائی سے بڑھا کر نصف تک آ گیا، کاشتکار کا بوجھ اور بڑھ گیا۔ کیونکہ اس کو نہ صرف اس زمین کا لگان ادا کرنا پڑتا تھا جو واقعی زیر کاشت تھی بلکہ اس زمین کا بھی محصول دینا پڑتا جو اس کے قبضہ میں تھی، اس طرح زمین کی مالگزاری چالیس کروڑ روپیہ ہو گئی۔ (۲۲)

زمین کی پیائش

زمینوں سے حاصل ہونے والی لگان کی رقم کا حساب رکھنے کے لیے زمینوں کی پیائش اہم حیثیت رکھتی ہے۔ لہٰذا مغلیہ دور میں زمین کی پیائش کا باقاعدہ انتظام کیا گیا۔

شیر شاہ سوری (۱۵۴۰ء ---- ۱۵۴۵ء) سے قبل برصغیر پاک و ہند میں زمین کی پیائش کا باقاعدہ انتظام نہ تھا اس لیے لگان بھی اندازاً وصول کیا جاتا تھا۔ اس وجہ سے اکثر سرکاری افسر اور زمیندار من مانی کرتے تھے۔ جس سے حکومت اور کاشتکار دونوں کو نقصان ہوتا تھا۔ شیر شاہ سوری نے راجہ ٹوڈر مل کو اپنا وزیر مال مقرر کیا اور اس نے زمین کے لگان کے ضمن میں کئی اصلاحات کیں۔

جلال الدین اکبر (۱۵۵۶ء --- ۱۶۰۵ء) نے اپنے عہد حکومت میں مالی انتظامات کے معاملہ میں زیادہ تر شیر شاہ سوری کی پیروی کی اس نے اپنے عہد میں ایسا قاعدہ مقرر کیا کہ ہر سال کی بجائے ہر دس سال بعد زمین کی پیائش کی جائے۔ ابوالفضل جو کہ اکبر کا وزیر مال تھا اس نے ایک خاص طریق کار اخذ کیا۔ جس سے تمام اراضی خشک و تر مع اقسام اراضی سب کو ناپا گیا۔ (۲۳)

اورنگ زیب عالمگیر (۱۶۵۸ء --- ۱۷۰۷ء) کے زمانہ میں مرشد قلی خاں نے جب اصلاحات زراعت کا آغاز کیا تو دکن میں کوئی صحیح بندوبست رائج نہ تھا۔ نہ زمین کی پیائش ہی کی گئی تھی اور نہ مالیہ کی صحیح تشخیص ہوئی تھی۔ چنانچہ مرشد قلی خاں نے راجہ ٹوڈر مل اور ابوالفضل کے دستور العمل کو پیش نظر رکھ کر ایک نیا نظام مرتب کیا اور ہر صوبے کی زمین علیحدہ علیحدہ پیائش کی۔

اورنگ زیب عالمگیر نے بھی فصل خراب ہونے یا قحط وغیرہ کی صورت میں مالیہ کی سہولتیں یا معافی کی رعایت دے رکھی تھی۔ عالمگیر نے میرہاشم صوبیدار گجرات کو ایک موقع پر فرمان بھیجا:

"خبردار کہیں رعایا کے کسی فرد سے اتنی مالگزاری نہ لے لینا جو اسے تباہ کر دے بلکہ صرف اتنی لو جتنی اسلام اجازت دے یا جتنی کاشتکار آسانی سے دے سکیں۔"(۲۴)

عالمگیر نے بہت سے دیگر سرکاری محصول معاف کر دیے اور کسانوں کو رعایت دی چاہیں تو لگان نقدی کی صورت میں دیں یا اناج کی صورت میں۔ ایک فرمان عالمگیر نے راسک داس کی طرف لکھا:

"ایک ایک کاشتکار سے ملو اور دیکھو کہ کہیں مالیہ ان کی پیداوار اور ان کی استطاعت سے زیادہ تو نہیں۔"(۲۵)

غرض ہندوستان میں قدیم زمانے سے حکومت کسانوں کی زمین کی پیداوار کے ایک حصے کی دعویدار رہی ہے۔ یہ حصہ موقع محل یا مختلف حکمرانوں کی صوابدید یا پھر جنگ کے حالات میں بدلتا رہتا تھا یعنی کبھی حکومت ۱/۲ یا ۱/۳ یا ۱/۴ یا ۱/۶ مقرر کرتی۔ اس طرح یہ مالگزاری کبھی بہ شکل جنس وصول کی جاتی کبھی بہ شکل زر۔ اس طرح مغلوں نے مالگزاری کے قدیم ہندو طریق میں کوئی اساسی تغیرات نہیں کیے۔ بلکہ محض ہندو نظم و نسق کے رواجی اور غیر مکتوب طریقوں کو مربوط و مدوّن کیا۔ البتہ سلطنت کے مالی ذرائع کے متعلق قطعی معلومات حاصل کرنے کی غرض سے باقاعدہ رجسٹروں اور کتابچوں اور مالگزاری کے حسابات کے طریقے کو رائج کرنے کا سہرا مغلوں ہی کے سر بندھتا ہے۔ لیکن مغلیہ دور حکومت کے آخری زمانے کی بدانتظامی اور حکومت کی دیرینہ مالی مشکلات میں متاجروں کی حیثیت کو روز بروز قوی کیا، اس لیے کہ آڑے وقت میں حکومت کے کام آنے والا اور نقد رقم لینے کا یہی ایک ذریعہ تھا۔

آبپاشی

جس طرح نظام اراضی میں زراعت و باغبانی شامل ہے اسی طرح آبپاشی اہم ترین حصہ ہے۔ کیونکہ زراعت کا انحصار پانی پر ہے۔ مغلوں نے اس جانب بھی خصوصی توجہ دی۔

ظہیرالدین بابر اپنی تزک میں ہندوستان کی آبپاشی کے متعلق لکھتے ہیں:

"آگرہ کے نواح میں، میں نے ایک بڑا کنواں کھدوایا۔ پھر ایک حوض اور بارہ دری تعمیر کرائی۔ باغات کے درمیان کنواں کھدوایا۔"(۲۶)

ہمایوں (۱۵۳۰ء --- ۱۵۵۶ء) نے سلطنت کے امور کو چار محکموں میں بانٹا۔ ایک کا نام "آبی" تھا۔ اس محکمہ کے سپرد نہروں کی کھدائی وغیرہ کا کام تھا۔

شاہجہان (۹۷۰ھ --- ۱۶۲۷ء) نے کاشتکاروں کی امداد کے لیے نہریں کھدوائیں۔ اس نے دریائے راوی سے ایک نہر نکلوائی۔ جس کی تعمیر پر ایک لاکھ روپے خرچ آئے۔ اس نے فیروز شاہی نہر کی مرمت کرائی۔ شاہجہان نے متعدد حوض اور تالاب

تزک بابری میں جو لکھا ہے اس سے ان حکمرانوں کی زراعت و کاشت سے دلچسپی کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

"عموماً" ہندوستان کی فصل خریف کا انحصار برسات پر ہے۔ یہاں کی یہ کچھ عجیب خصوصیات ہیں کہ برسات بعض اوقات نہیں بھی ہوتی تو بھی فصل ربیع بوئی جاتی ہے۔ برسات کا انتظار نہیں کیا جاتا۔ پھل اور درختوں کو صرف پہلے دو برس تک پانی دینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ بعد میں زمین خود خوراک پہنچاتی رہتی ہے۔ سبزیوں کو البتہ پانی ضرور دینا پڑتا ہے۔ لاہور، دیپالپور اور سرہند کے علاقوں میں رہٹ کی مدد سے کھیتی باڑی کی جاتی ہے۔ کھیتوں کو زیادہ تر پانی ان راہٹوں کی مدد سے ہی پہنچایا جاتا ہے۔" (۲۷)

رہٹ کی شکل میں آبپاشی

تزک بابری میں بابر مزید وضاحت کرتا ہے:

"رہٹ کی شکل یہ ہوتی ہے کہ جتنا کنواں گہرا ہوتا ہے اتنے ہی لمبے رسی کے دو حلقے تیار کر لیے جاتے ہیں پھر ان حلقوں میں لکڑی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اس طرح باندھ دیے جاتے ہیں کہ دونوں حلقے ایک ساتھ مل جائیں۔ پھر ان لکڑیوں کے ساتھ مٹی کی لٹیا باندھ دی جاتی ہے۔ کنویں کے منہ پر جو چرخ لکڑی سے تعمیر کیا جاتا ہے یہ حلقے اس پر چڑھا دیے جاتے ہیں۔ بیل جب چرخ کو گھماتے ہیں تو لٹیاں کنویں کی تہہ میں ڈوب کر پانی سے بھر جاتی ہیں اور پھر چرخ کی مدد سے گھومتی ہوئی ادھر آ جاتی ہیں اور اوپر کی سطح سے کنویں کے منہ پر تالاب نما برتن میں انڈیل دیتی ہیں اور اس برتن کے ساتھ ملحقہ ایک نالی پانی کو مطلوبہ جگہ پہنچا دیتی ہے۔" (۲۸)

چرخ کی شکل میں آبپاشی

بابر اپنی تزک میں آبپاشی کی ایک دوسری شکل بیان کرتا ہے:

"دہلی، آگرہ اور بیانہ میں زیادہ تر چرخ کا رواج ہے۔ چرخ کی صورت یہ ہے کہ کنویں کے منہ پر ایک دو شاخہ لکڑی گاڑ دی جاتی ہے۔ دونوں شاخوں کے درمیان چرخی نصب کر دی جاتی ہے۔ ایک بڑا رسہ ایک سرے میں ڈول باندھ کر اس چرخی پر چڑھا دیا جاتا ہے۔ دوسرا سرا بیلوں کی جوڑی کے گلے میں پڑے ہوئے جوئے سے باندھ دیا جاتا ہے۔ اس چرخ کے لیے بیلوں کی جوڑی کے علاوہ دو آدمی درکار ہوتے ہیں۔ ایک آدمی ڈول کو جبکہ وہ کنویں کے منہ پر کھینچ کر پہنچاتا ہے۔ نالی میں انڈیلتا ہے۔ دوسرا بیلوں کو ہانکتا ہے۔ بیل جب آتے جاتے ہیں اور ڈول کو کھینچتے ہیں تو رسہ ان کے گوبر اور پیشاب میں لت پت ہو جاتا ہے۔ پھر یہی رسی کنویں میں اترتی ہے۔ کہیں کہیں کھیت ڈول سے بھی سیراب کیے جاتے ہیں۔"

تزک بابری میں مزید لکھا ہے:

"ہمارے ملک میں ہر سال چار موسم ہوتے ہیں مگر ہندوستان میں صرف تین موسم ہیں۔ چار مہینے گرمی، چار مہینے سردی اور چار مہینے برسات۔ اور یہاں کے مہینے چاند کے مہینے کے وسط سے شروع ہوتے ہیں۔" (۲۹)

حواشی

(۱) سلیم شہزاد، تاریخ پاک و ہند، ص ۵۸

(۲) ابوالفضل، آئین اکبری، جلد ا، ص ۲۹۰

(۳) i- منشی احمد الدین، جلال الدین اکبر، ص ۶۱

ii- سلیم شہزاد، تاریخ پاک و ہند، ص ۱۵۳

(۴) S.M. Jaffar & Sadiq: The Mughal Empire, P-402

(۵) صفدر حیات صفدر، عہد مغلیہ، ص ۳۶۱

(۶) i- منشی احمد الدین، جلال الدین اکبر، ص ۶۱

ii- جمیل ہمدم، بابر سے ظفر تک، ص ۱۱۴- ۱۱۵

(۷) S.M. Jaffar & Sadiq: The Mughal Empire. P- 343

(۸) رشید اختر ندوی، اورنگ زیب عالمگیر، ص ۶۲۷

(۹) ظہیر الدین بابر، تزک بابری، ص ۱۹۷

(۱۰) صباح الدین، ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے تمدنی کارنامے، ص ۱۵۷

(۱۱) منشی احمد الدین، جلال الدین اکبر، ص ۱۰۱

(۱۲) جہانگیر، تزک جہانگیری، (مترجم احمد علی) ص ۵۰

(۱۳) جہانگیر، تزک جہانگیری، (مترجم: احمد علی) ص ۲۹۰

(۱۴) i- جہانگیر، تزک جہانگیری، ص ۲۹۹

ii- صباح الدین، ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے تمدنی کارنامے، ص ۱۶۱- ۱۶۲

(۱۵) S.M. Jaffar & Sadiq, The Mughal Empire. P- 278.

(۱۶) جمیل ہمدم، بابر سے ظفر تک، ص ۱۷۸

(۱۷) R.R. Sethi, Mughal Rule in India, P. 35-36.

(۱۸) i- محمد علی چراغ، تاریخ پاکستان، ص ۶۲

ii- عرفان حبیب، مغل ہندوستان کا طریق زراعت، ص ۱۸

(۱۹) محمد علی چراغ، تاریخ پاکستان، ص ۱۴۷

(۲۰) صفدر حیات صفدر، عہد مغلیہ، ص ۲۴۸

(۲۱) ڈاکٹر سید اعجاز حسین، تاریخ شاہجہان، ص ۲۵۱- ۲۵۳

(۲۲) جی- بی جھار، معاشیات ہند، (مترجم مولوی رشید احمد) ص ۶۰۵

(۲۳) i-رشید اختر ندوی، مسلمان حکمران، ص ۹۳۷

ii-منشی احمد الدین، جلال الدین اکبر، ص ۵۹

(۲۴) رشید اختر ندوی، اورنگ زیب عالمگیر، ص ۱۲۱

(۲۵) رشید اختر ندوی، مسلمان حکمران، ص ۱۱۸

(۲۶) ظہیر الدین بابر، تزک بابری، (مترجم احمد علی) ص ۱۱

(۲۷) ظہیر الدین بابر، تزک بابری (مترجم رشید اختر ندوی) ص ۱۹۹

(۲۸) ایضاً۔

(۲۹) ظہیر الدین بابر، تزک بابری (مترجم رشید اختر ندوی) ص ۲۰۰

فصل IV عہد برطانیہ میں نظام اراضی

مصنف پر متھ ناتھ بنرجی دور برطانیہ کے معاشی حالات کا جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"اس وقت ہندوستان کی معاشی حالت میں انقلاب رونما ہو رہا ہے۔ قدیم عادتوں اور رواجوں پر مغربی خیالات کا رنگ چڑھ رہا ہے ہر طرف قدیم و جدید تہذیب کی باہمی کشمکش نظر آتی ہے' کیونکہ مغربی تہذیب کا اثر تمام برصغیر پر یکساں نہیں پھیلا کہیں ہندوستان صنعتی بن گیا ہے۔ کہیں زراعتی۔ اس طرح یہاں کے معاشی معاملات سنورنے کی بجائے مزید پیچیدہ ہو گئے ہیں۔" (۱)

نظام اراضی

انگریزوں کا دور حکومت ۱۷۰۷ء سے ۱۹۴۷ء تک محیط ہے' انگریزوں نے برصغیر میں قدم جمانے کے لیے زمینداروں کو تمام مراعات دے دیں اور کسانوں کے حقوق کو یکسر فراموش کر دیا اس طرح برصغیر پاک و ہند میں زراعت کے میدان میں وہی طوائف الملوکی لوٹ آئی جو مغلیہ عہد سے پہلے یہاں تھی۔

مفتی شفیع صاحب لکھتے ہیں:-

"انگریزوں نے ہندوستان پر قبضہ کے وقت مالکان اراضی کو اپنی اپنی ملکیت پر برقرار رکھا اور یہ مالکان اراضی زمیندار کہلائے۔" (۲)

مصنف مزید لکھتے ہیں:

"عہد انگریزی میں سابق مالکان اراضی (زمیندار) بدستور اپنی زمینوں کے مالک قرار دیئے گئے۔ ذمہ دار انگریزوں کے اقرار اور ان کے ماخذ کردہ قوانین سب اس پر شاہد ہیں کہ آج تک زمیندار کو تمام مالکانہ تصرفات بیع و شراء ہبہ و وقف وغیرہ انہیں کے دلائے ہوئے ہیں اور مالک زمین کے انتقال کے بعد املاک منقولہ کی طرح زمین بھی ان کے وارثوں میں تقسیم ہوتی ہے۔" (۳)

زرعی اصلاحات

برطانوی ہند کا کل رقبہ ۱٫۹۶۱٫۱۷ مربع میل اور آبادی ۲۷۱٫۵۲۶٬۹۳۳ نفوس ہے دیسی ریاستوں اور ایجنسیوں کا رقبہ ۷۱۲٫۵۰۸ مربع میل اور آبادی ۸۱٫۳۱۰٬۸۴۵ نفوس ہے۔

ملک کا طول شمالاً" جنوباً" قریباً" دو ہزار میل اور شرقاً" غرباً" تقریباً" ۲۵۰۰ میل ہے۔ اس کی بری سرحد ۶۰۰۰ میل طول ہے۔ اور ساحلی خطہ کا طول ۵۰۰۰ میل ہے جی۔ بی جتھار اپنی کتاب معاشیات ہند میں لکھتے ہیں:

"تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ ہندوستان میں مجموعی رقبے کے ۳۵٫۰۰ حصے پر (بہ شمول جنگلات) کاشت نہیں ہوتی یہ کہ صرف ۳۵٫۰۰ فی صد زیر کاشت ہے۔ اور موجودہ بنجر زمین اور قابل زراعت افتادہ زمین کو ملایا جائے تو مجموعی رقبے کے منجملہ ۳۰٫۰۰ فی صد حصہ ہندوستان میں توسیع زراعت کے لیے دستیاب ہو سکتا ہے برطانوی ہند کے مختلف صوبوں میں توسیع زراعت کے لئے جو رقبہ دستیاب ہو سکتا ہے' اس پر کام ہو رہا ہے۔"

(۴)

جی۔ بی جتھار نے ہندوستان کی اہم فصلوں کی جانچ بیان کی ہے تاکہ زراعت میں ترقی دینے کے لیے ان اعداد و شمار سے مدد لی جائے جو تقریباً" ۱۹۳۷ء/۱۳۵۵ھ میں اکٹھے کیے گئے۔ وہ لکھتے ہیں:

چاول

یہ ہندوستان کی اہم پیداوار ہے چاول کی کاشت مجموعی زیر کاشت رقبے کے ۳۰ فیصد حصے پر ہوتی ہے۔ اور مجموعی رقبہ ۸۲٫۷۰ ملین ایکڑ ہے۔

گندم

رقبہ کے لحاظ سے چاول کی کاشت کے بعد گندم کا نمبر ہے' یہ مجموعی زیر کاشت رقبے کے منجملہ ۱۰ فیصد پر بویا جاتا ہے۔

جو

یہ زیادہ تر صوبہ متحدہ اور بہار میں پیدا ہوتا ہے۔ یہاں اس کے زیر کاشت رقبہ علی الترتیب ۴٫۲۷ ملین ایکڑ ہے' ۱۱٫۳۱ ایکڑ۔

کنگنی

ہندوستانی کنگنی کی دو قسمیں ہیں جوار اور باجرہ یہ مدراس' ممبئی (دکن) اور سلطنت حیدر آباد کے ملحقہ علاقوں کے باشندوں کی اہم فصل ہے' اس کے زیر کاشت بہت بڑا رقبہ ہے' جوار کل ہندوستان میں ۱۹۳۲ء تا ۱۹۳۳ء میں ۳۴٫۱ ملین ایکڑ پر کاشت کی جاتی ہے اور باجرہ ۱۸٫۷۰ ملین ایکڑ پر۔

دالیں

دالوں کی کاشت ہندوستان کے طول و عرض میں بہت وسیع رقبے پر ہوتی ہے۔ اور اہم غذا ہے۔ چنا سب دالوں میں اہم ہے' ۱۹۳۳ء تا ۱۹۳۴ء میں کم از کم ۱۷٫۳۳ ملین ایکڑ رقبہ اس کے زیر کاشت تھا۔

پھل' ترکاری' مسالے

یہ سب ۱۹۳۴ء تا ۱۹۳۵ء میں مجموعی رقبہ کے ۸٫۰۸ ملین ایکڑ پر کاشت ہوتے تھے۔

میووں' ترکاریوں ساگ پات کی کاشت ۴٫۸۵ ملین ایکڑ پر کی جاتی تھی۔ اہم پھل آم' سیب' سنگترہ' آلوچہ' شفتالو' خوبانی' ناشپاتی' اہم سبزیاں آلو' پیاز' بیگن' کرم کلا' پھول گوبھی' شلغم' ٹماٹر تھے' یہ چیزیں رسد کی قلت کے سبب بہت گراں ہیں' اگر انہیں بڑے شہروں سے متصل علاقوں میں کاشت کیا جائے تو بہتر ہوگا۔

نیشکر (گنا)

ہندوستان گنا کی کاشت کا غالباً" سب سے قدیم ملک ہے' اور رقبہ بھی کافی بڑا ہے۔ لیکن زیادہ تر آبادی اسے نباتات کے

طور پر استعمال کرتی ہے۔ اس لئے شکر درآمد کی جاتی تھی' آسٹریا اور جرمنی کے چقندر کی شکر ہندوستان میں مالی امداد کے طور پر دی جاتی تھی۔ لیکن ۱۹۰۳ء سے اس پر محصول درآمد عائد کیا جانے لگا' چنانچہ اس محصول کی بدولت شکر کی جگہ بتدریج جاوا اور مورشس کے گنا کی شکر نے لے لی۔ اس مسابقت نے ہندوستانی نیشکر (گنا) کو نقصان پہنچایا' زیر کاشت رقبہ گزشتہ بیس سال سے ۲۸۴۰۰۰۰ ایکڑ رہا۔

غیرغذائی اشیاء

قہوہ' چائے' روغن دار تخم' کپاس' سَن' نیل' افیون' تمباکو' ربڑ' چارے کی فصلیں' یہ سب اشیاء ہندوستان میں پیدا ہوتی ہیں۔ ان میں کپاس اور سَن کی پیداوار سب سے زیادہ ہوتی ہے۔ (۵)

مالیہ

لگان ہندوستان میں زیادہ تر رواجی ہوتا تھا لگان میں ایک نسل سے دوسری نسل میں جاکر کوئی تغیر و فرق پیدا نہ ہوتا تھا۔ بعض حالات مسابقت کے تحت بھی لگان کو غیر تغیر پذیر بناتے تھے۔ اگر علم معاشیات کی رو سے لگان کو دیکھا جائے تو اس سے مراد لازما" وہ معاوضہ نہیں جو کاشتکار زمیندار کو ادا کرتا ہے۔ بلکہ ایک خاص قسم کی آمدنی ہے جو حکومت کو زراعت سے حاصل ہوتی ہے۔ خواہ زمیندار اپنی زمین خود کاشت کرے یا کسی کاشتکار کے سپرد کرے یہی وہ آمدنی ہے جس کی بنا پر زرعی زمینوں کی قیمت مقرر ہوتی ہے' کاشتکار جو کچھ معاوضہ زمیندار کو دیتا ہے اور جو عرف عام میں لگان کہلاتا ہے' اس کا دارومدار بھی اسی معاشی لگان پر رہا ہے۔

قدیم زمانے میں ہندوستان میں زمین کی رسد زیادہ اور طلب کم تھی یہ معاملہ انگریزوں کے دور تک الٹ چکا تھا' اور اسی تبدیلی نے زمینداروں اور کسانوں کے درمیان منصفانہ اور باہم نفع بخش تعلقات قائم کئے۔

انگریزوں کے ہندوستان پر قابض ہونے سے پہلے ہندوستان کے اکثر حصوں میں کاشتکار کو کھیتی باڑی کے سوا بہت کم ذرائع معاش حاصل تھے۔ اس لئے زراعت کو وہ قدرتی پیشہ خیال کرتے تھے' اور ہمیشہ سے اسی پیشے کے ساتھ چمٹے رہے جبکہ لگان میں اضافہ پر اضافہ ہوتا رہا۔ لیکن کسان زمین نہ چھوڑتے تھے' حتکہ لگان' مزدوروں کی اجرت اور اصل کا سود ادا کرنے کے بعد بمشکل ان کے پاس اس قدر بچتا کہ زندگی بسر کر سکیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لارڈ کارنوائس کے دور حکومت تک مالگزاری کے مستاجر ترقی کرکے ایک ایسی طاقت ور جماعت بن چکے تھے کہ ان میں اور باضابطہ مالکان زمین میں کوئی فرق باقی نہیں رہا تھا۔ جیسا کہ روبرٹس کی کتاب "تاریخ جغرافیہ ہند" میں بیان کیا گیا ہے۔

زمینداری کی حیثیت ابتدا" ء ایک موروثی معاہدے کی ایجنسی کی تھی' جس کے ذریعے سے مالگزاری وصول کی جاتی تھی۔ لیکن اب وہ ایک حد تک مقطعہ یا جاگیر کے مشابہ ہوگئی ہے۔ ایسے حالات میں انگریزوں کو اپنے عہد میں قانون لگان بنانا پڑا جس سے کاشتکاروں کو سکون ملا اگر یہ قانون کاشتکاروں کی حمایت نہ کرتا تو شمالی ہندوستان کے اکثر حصوں میں لگان اس حد تک بڑھ چکا ہوتا کہ لگان ادا کرنے کے بعد کاشتکاروں کو صرف مصارف بچ رہتے یا ادنیٰ ضروریات زندگی میں میسّر آسکتی۔ غرض زمینداروں کو پابند کیا گیا کہ وہ ایک خاص حد تک ہی لگان لے سکتے ہیں۔ (٦)

مغربی ماہرین معاشیات کا تجزیہ
برصغیر پاک و ہند کی زراعت و کھیتی باڑی کے بارے

ہندوستان کی معاش زندگی کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ دوسرے سب پیشوں کے مقابلے میں زراعت کا پلہ بھاری ہے۔ لوگ زراعت کو قدرتی پیشہ جانتے ہوتے اس سے چمٹے ہوتے ہیں۔ جبکہ زمانے کے ساتھ افراد اور مسائل بڑھ رہے ہیں۔ اس طرح زراعت کے پیشے سے تین چوتھائی آبادی منسلک ہے۔

حکومت ہند کے زرعی مشیر ڈاکٹر کلاوسٹن زرعی کمیشن کی رپورٹ میں برصغیر کی زرعی معیشت کے بارے میں لکھتے ہیں۔:

"زراعت باقی صنعتوں کی طرح یہاں ہندوستان میں بے حد پس ماندہ ہے کیونکہ خواہ کسی معیار سے جانچا جائے ۱۔ کھیت کی وسعت و ترکیب' ۲۔ آلات کشاورزی' ۳۔ کھاد' ۴۔ تخموں کی خوبی' ۵۔ آبپاشی کی سہولت' ۶۔ دوسری قسم کی ارضی اصلاح و ترقی' ۷۔ کاشتکاری کے حیوانات' ۸۔ انتظام فروخت پیداوار اگر سب کا حساب کیا جائے تو فی ایکڑ پیداوار انتہائی کم مقدار میں حاصل ہوتی ہے۔ اگر خشک سالی و قحط کا زمانہ ہو تو پیداوار گھٹ کر نہ ہونے کے برابر رہ جاتی ہے۔" (۷)

ہندوستان میں زراعت کی ترقی میں حائل دشواریاں

۱۔ تقسیم اراضی کی خرابی

ہندوستان میں زرعی کاروبار کی تنظیم میں کوئی اساسی تبدیلی نہیں ہوئی ہے لہٰذا عام طریقہ کاشت اب بھی یہی ہے کہ چھوٹے چھوٹے کسان اپنے ذاتی اصل اور محنت سے چھوٹے پیمانے کا کاروبار کرتے ہیں۔ اگر کوئی بات قابل لحاظ ہے تو یہ کہ زراعت کی جانب ملک کے روز افزوں میلان اور زمین کی تقسیم در تقسیم نے چھوٹے کسانوں کی تعداد میں بہت اضافہ کر دیا ہے۔

۲۔ قدیم طرز کاشت

برصغیر پاک و ہند کی زراعت میں ایک اور خرابی یہ ہے کہ قدیم ترین زمانے کا کاشتکاری کا طریقہ اور فن اب بھی بڑی حد تک چھایا ہوا ہے اس لئے زراعت و امداد باہمی کے محکموں کو طریق کاشت اور آلات کشاورزی کی اصلاح و ترقی میں ابھی تک بہت محدود کامیابی ہوئی ہے۔

۳۔ آبپاشی کا نظام تسلی بخش نہیں۔

زمین اور زراعت کے ساتھ آبپاشی لازم و ملزوم ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں زراعت کے بارے کلیتہ" بارش ہی پر انحصار نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے کاشتکار کو آبپاشی کی مناسب سہولتیں بہم پہنچانی بے حد ضروری ہیں' سندھ' راجپوتانہ اور جنوب مغربی پنجاب جیسے اکثر علاقوں میں بارش اس قدر کم ہوتی ہے کہ نہ ہونے کے برابر گویا مصنوعی آبپاشی کے بغیر زراعت غیر ممکن ہے۔ پھر بعض جگہوں پر بارش بے وقت ہوتی ہے۔ مثلاً" دکن کے بالائی حصے ایسے ہی ہیں۔ یا خشک سال یا بے وقت بارش' پھر چاول اور نیشکر جیسی بعض فصلوں کو باقاعدہ اور کافی پانی دینا ضروری ہے' اس لئے دریا' نہریں' تالاب' کنویں' جھیلیں اور ٹیوب ویل بہت ضروری ہیں۔

۴۔ سیم تھور اور کلر سے بچاؤ

برصغیر پاک و ہند میں بہت سی زمین بنجر ہے سیم تھور اور کلر کی وجہ سے ایسی زمین چار پانچ سال تک زیر کاشت نہیں لائی جاسکتی اس کے علاوہ محنت بھی زیادہ لیتی ہے اور پیداوار بھی کم دیتی ہے۔ اس کو زرخیز بنانے پر خصوصی توجہ درکار ہے۔

۵۔ زراعت میں عاملین پیدائش کا عدم توازن

زراعت برصغیر پاک و ہند کی ہو یا دنیا کے کسی بھی خطے کی درج ذیل عاملین درکار ہوتے ہیں ان کے عدم توازن سے پیدائش دولت پر براہ راست اثر پڑتا ہے۔

(الف) زمین

یہ وہ پہلا عامل ہے جو زراعت کے لیے اہم ترین ہے' اگر کاشت کار کے پاس زمین نہ ہو تو کچھ لگان ادا کرکے دوسرے کی زمین پٹے پر لے سکتا ہے۔

(ب) محنت

یہ عامل بھی اہم ہے کیونکہ کاشتکار کا بیشتر وقت زمین جوتنے کھاد لگانے بیج بونے پانی دینے رکھوالی کرنے اور فصل کاٹنے میں صرف ہوتا ہے۔ اگر کنبے کے لوگ اس کا ہاتھ نہیں بٹاتے تو مجبوراً" وہ مزدور رکھ کر کام کراتا ہے۔

(ج) اصل

کاشتکار کو اصل بھی درکار ہے یعنی دولت جس سے وہ مزید دولت پیدا کرے یعنی وہ دولت ھل' بیل' تخم' کھاد وغیرہ کے خریدنے میں صرف ہوگی اس کے علاوہ اتنی دولت ہو کہ فصل کے پکنے تک وہ خود بھی کھا سکے اور کنبے والوں اور مزدوروں کا بھی حق ادا کرے۔

جبکہ برصغیر کے کسانوں کو یہ تمام سہولتیں یکساں حاصل نہیں ہیں اس لئے عدم توازن کی وجہ سے زراعت کی پیداوار پر براہ راست اثر پڑتا ہے۔

۶۔ دیہی مزدوروں کی قلت

وقت کے ساتھ ساتھ جب مزید معاشی و مسائل ابھرے تو دیہی کسانوں نے شہروں' ملوں' فیکٹریوں اور نئے نئے ہنر سیکھنے کا رخ کیا۔ کھیتوں سے دور ہوگئے۔ اسی طرح زرعی حالت جوں کی توں رہی۔ دیہات خالی ہورہے ہیں۔

۷۔ برصغیر پاک و ہند کے کسان میں ذہانت' حوصلہ مندی' اور محنت کی کمی ہے۔

یہاں کے کسان میں ان تینوں چیزوں کی کمی ہے۔ اس اعتبار سے یہ یورپ اور امریکہ کے کسانوں سے مقابلے میں بہت پیچھے ہیں۔ (۸)

۸۔ آفات سماوی

ہندوستان میں سیلاب، ژالہ باری، کہر، بارش کی قلت وغیرہ اور دوسرے موسمی تغیرات و اختلافات بھی پیداوار پر مضر اثرات ڈالتے ہیں اس کے ضرر سے انسانی تدبیر کے باوجود پوری طرح نہیں بچا جاسکتا۔

۹۔

جنگلی جانور، چوہے، ٹڈے اور دوسرے کیڑے بھی فصلوں کو بہت نقصان دیتے ہیں، ان کے سدّباب کے لئے خاطر خواہ انتظام ہونا چاہیے۔

ہندوستان کی زراعت کو ترقی دینے کے لئے تجاویز

متعدد اعتباروں سے زرعی اصلاح و ترقی کی شدید ضرورت ہے اس لئے کہ وہ عوام کی معاشی حالت درست کردے گی اور معیار زندگی کو بڑھادے گی ملکی آبادی کے لیے غذائی رسد یقینی طور پر بہم پہنچائے گی۔

ا۔ کسان کی اصلاح

سب سے پہلے کسان کی نفسیاتی حالت، معاشرتی و ذاتی عادات و خصائل میں تبدیلی لانا ہوگی اس کا واحد طریقہ تعلیم ہے، جہالت اور بے علمی محنت اور ساز و سامان کے صحیح استعمال میں رکاوٹ ہیں۔ کسان کو دیہاتوں میں ہی رہنے کی ترغیب دینی ہوگی۔ ان کے رہن سہن کی تمام سہولتیں دیہاتوں تک پہنچانی ہونگی۔ تاکہ وہیں ان کا دل لگا رہے، کسان کی جسمانی نااہلی کو دور کرنا ضروری ہے۔ علاج معالجے یعنی محکمہ صحت کے عمل دخل سے۔ موسمی اور روایتی امراض کا درست علاج کیا جائے۔ کسانوں کو عطائیوں سے بچایا جائے، صفائی و ستھرائی رکھی جائے۔ مچھر، مکھی، گندگی وغیرہ کو کسان کے ماحول سے دور کیا جائے۔

۲۔ گاؤں اور شہر میں رابطہ رکھنا ضروری ہے۔

گاؤں اور شہروں کا فاصلہ کم ہونا چاہیے۔ لوگوں میں میل جول پیدا کیا جائے۔ محنت اور ساز و سامان کا تبادلہ ہو تاکہ پیداوار بہ سہولت اور بروقت شہروں تک پہنچنے کا انتظام ہو۔

خصوصاً ترکاریاں کیونکہ یہ جلد نفع بخش فصل ہوتی ہے۔ اور کاشتکار دس گنا زیادہ لگان بھی بخوشی دے سکتا ہے پھر آبادی کے قریب کھیتوں کو کوڑا کرکٹ کی صورت میں مفت کھاد مل سکتی ہے۔

۳۔ ذرائع ابلاغ اپنا کردار ادا کریں

پروپگنڈے کی اشد ضرورت ہے کسان، دیہات اور فصلوں سے متعلق اصلاحی تشہیر پر میڈیا سے ہونی چاہیے، ریڈیو، ٹی وی تھیٹر، لٹریچر کے ذریعہ تاکہ کسان کا وقار بلند ہو اسے اپنی اہمیت کا احساس ہو اور وہ دلجمی سے کام کرے۔

۴۔ زرعی مزدور (اجیر) کے حقوق کا خیال ہو

اگر زرعی مزدور کو اس کا جائز حق نہ ملے گا تو پھر وہ شہروں کا رخ کرے گا۔ کام سے بددل ہو جائے گا کیونکہ برصغیر پاک و ہند

کی زرعی معیشت میں زمیندار اور کاشت کار کے تعلقات درست نہیں ہیں۔ زمیندار زور آور ہے۔ حقوق و فرائض کا تعین ہونا چاہیے اور پھران پر لازماً عمل ہونا چاہیے۔

۵۔ کاشت کا طریق کار جدید ہونا چاہیے

ہندوستان کے کسان زیادہ تر کاشت وسیع کے طریقے کو اختیار کرتے ہیں۔ جو اوسط درجے کے کھیت کے مختصر رقبے کے مد نظر ناموزوں ہے۔ نتیجۃً پیداوار جتنی ہونی چاہیے اس سے کم ہوتی ہے' ہندوستان میں گاہ گاہ یہ دیکھا جاسکتا ہے کہ کاشت کا طریقہ بہت اعلیٰ معیار پر ہے۔ لیکن ملک کے اکثر علاقوں میں ابھی اصلاح و ترقی کی بہت گنجائش ہے۔ مثلاً i- زمین کو کاشت کے لیے تیار کرنا اہم مرحلہ ہے' ii- تخم بونے میں احتیاط iii- زمین کو خس و خاشاک سے صاف کرنا iv- مسطح کرنا v- مینڈ بنانا vi- فصل کاٹنے کا درست وقت منتخب کرنا۔ vii- تخم لینے میں احتیاط کرنا کہ اعلیٰ قسم کے ہی ہوں' اس وقت زرعی کمیشن نے یہ سفارش کی تھی کہ تخموں کی جانچ اور تقسیم کی غرض سے ایک علیحدہ سررشتہ قائم کیا جائے اس کی نگرانی ناظم زراعت کے ماتحت ایک نائب ناظم کو دی جائے viii کھاد اور زرخیزی بڑھانے والی چیزوں کے استعمال پر کافی دھیان ہونا چاہیے جبکہ ہندوستان کے لوگ متعدد نقصان رساں طریقوں کے خوگر ہوگئے ہیں۔ مثلاً گوبر کو ایندھن کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے جبکہ ایندھن کے لیے متبادل چیز تیار کریں اور گوبر کھیت میں کھاد کے طور پر استعمال کریں۔ اس کے لیے دیہات کے قرب و جوار میں درخت لگانے چاہیے' اور تمام قسم کا فضلہ اور کوڑا کرکٹ کھاد کے طور پر استعمال کریں تو نتائج بہت ہی بہتر ہوجائیں گے۔ پرمتھ ناتھ بنرجی لکھتے ہیں مذکورہ تراکیب برتنے سے پیداوار تو بڑھتی ہے۔ لیکن بالاخر ایک ایسی حد آئے گی کہ اس سے گذرنے کے بعد مزید پیداوار جدید مصارف سے قدر و قیمت میں کم رہے گی۔ اور زیادہ ہونے کا تو ذکر ہی کیا۔ کیونکہ مدتوں کے تجربے سے ثابت ہوا ہے کہ کسی فصل کی تیاری میں کسی کھیت پر ایک حد معین سے زیادہ کوشش کرنی فائدہ مند نہیں۔ اسی طرح تجربے سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی ہے کہ آبپاشی کی بھی ایک حد ہے۔ کھاد دینے کی اور ترانے کی بھی ایک حد ہے۔ اگر اس حد سے تجاوز کیا جائے تو نفع کی بجائے نقصان ہوگا۔ مثلاً فرض کرو کہ کسی کھیت کو آٹھ مرتبہ جوتیں تین مرتبہ پانی دیں تو فی ایکڑ پندرہ من گیہوں پیدا ہو۔ اب فرض کرو وہی کھیت آٹھ کی بجائے سولہ مرتبہ جوتا جائے تو سولہ من فی ایکڑ غلہ پیدا ہونے لگے۔ گویا مزید آٹھ جوت کے معاوضے میں اس کو ایک من فی ایکڑ زیادہ پیداوار حاصل ہو کیا اس حالت میں اس کو کچھ فائدہ ہوگا؟ (۹)

مسٹر کیننگ نے مندرجہ ذیل تبویب پیش کی ہے۔ جس سے ان مختلف قسم کے آلات کشاورزی کی ایک جامع کیفیت بہ یک نظر معلوم ہوجاتی ہے۔ جو کسانوں کے پاس ہونے چاہیں تاکہ زرعی میدان میں انقلاب لانا آسان ہوجائے
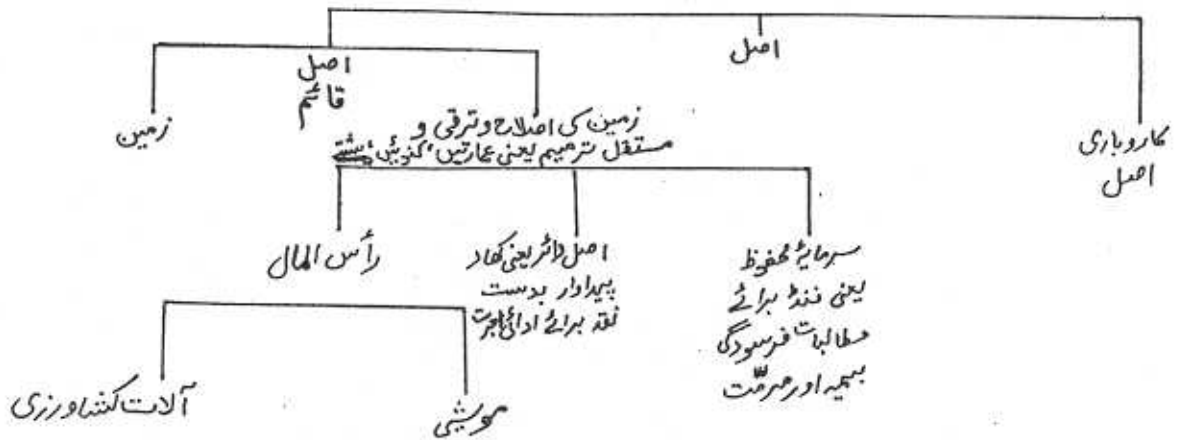
مسٹر کیٹنگ کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص کے کاروبار کو مستحکم بنیاد پر قائم کرنا ہو اور زمین سے بیشتر منافع حاصل کرنا ہو تو مصرحہ بالا اصل کی ہر شکل کسی نہ کسی صورت سے مہیا کرنی چاہیے۔ جبکہ ہندوستان میں ان سب پر یکساں دھیان نہیں دیا جاتا زیادہ تر پرانے طریقوں کو ہی آزمایا جاتا ہے۔ (۱۰)

حواشی

(۱) پرمتھ ناتھ بنرجی، معاشیات ہند، (مترجم محمد الیاس برنی) ص ۴۰

(۲) مفتی محمد شفیع، اسلام کا نظام اراضی ص ۱۲۵

۳۔ مفتی محمد شفیع، اسلام کا نظام راضی ص ۱۳۳

۴۔ جی۔ بی جتھار، معاشیات ہند (مترجم مولوی رشید احمد) ص ۱۲ و ۲۵۷

۵۔ جی۔ بی جتھار، معاشیات ہند (مترجم مولوی رشید احمد) ص ۲۶۱۔ ۲۸۹

۶۔ پرمتھ ناتھ بنرجی، معاشیات ہند (انڈین اکنامکس) (مترجم محمد الیاس برنی) ص ۲۲۹

۷۔ ڈبلیو۔ ایچ مورلینڈ، مقدمہ معاشیات (مترجم محمد الیاس برنی) ص ۲۴۰

۸۔ i جی۔ بی جتھار، معاشیات ہند (مترجم مولوی رشید احمد) ص ۳۵۰۔ ۳۷۱ و ۳۷۹

ii ڈبلیو۔ ایچ مورلینڈ، مقدمہ معاشیات (مترجم محمد الیاس برنی) ص ۲۲۶

۹۔ i جی۔ بی جتھار، معاشیات ہند (مترجم مولوی رشید احمد) ص ۳۸۱۔ ۳۹۱

ii پرمتھ ناتھ بنرجی، معاشیات ہند (Indian Economics) (مترجم محمد الیاس برنی) ص ۴۰۔ ۴۱

۱۰۔ ڈبلیو ایچ مور لینڈ، مقدمہ معاشیات Introduction of Economics (مترجم مولوی محمد الیاس برنی) ص ۳۹۵۔۳۹۶

فصل V برصغیر کی تقسیم اور قیام پاکستان کے بعد نظام اراضی

پاکستان کا وجود ایک ایسے معاہدے پر مبنی ہے جس میں ہندوں، سکھوں، اور مسلمانوں نے متفقہ طور پر پاکستان و ہندوستان کی دونوں مملکتوں میں بسنے والی اقلیتوں کے لئے جان، مال، آبرو اور شہری حقوق کی مکمل حفاظت کی ضمانت دی ہے اور مساویانہ سلوک کا معاہدہ کیا ہے۔

نظام اراضی

اس معاہدے کی رو سے پاکستان بننے کے بعد ہر شخص اپنے اپنے اموال منقولہ و غیر منقولہ کا بدستور سابق مالک و متصرف رہا، ملک کی تقسیم سے کسی مسلم یا غیر مسلم کی املاک متاثر نہیں ہوئیں۔ نہ رہن و بیع وغیرہ کے معاہدات باہمی پر اندرون پاکستان کوئی اثر پڑا۔ بلکہ انگریزی عہد میں جو شخص جس چیز کا مالک یا اس پر کسی معاہدے کی حیثیت سے متصرف تھا۔ وہ مِلک اور معاہدات بدستور سابق قائم رہے۔ (۱)

پاکستان کی اراضی تقسیم سے قبل اور بعد کے احکام کا خلاصہ یہ ہے کہ کفار سے جہاد کرکے ہند کو دارالاسلام اور اسلامی حکومت بنانے کا کام سب سے پہلے علاؤ الدین خلجی کے زمانہ میں مکمل ہوچکا تھا۔ اس کے بعد خود مسلمانوں کی باہمی آویزش اور خانہ جنگیاں رہیں۔ جس کا مسئلہ اراضی پر کوئی خاص اثر نہیں پڑتا۔ اسی طرح متحدہ ہندوستان میں مغل خاندان کی حکومت کے زمانہ میں جبکہ طوائف الملوکی کی بجائے اسلامی حکومت پھر قائم ہوئی اس وقت بھی کوئی نئی فتوحات نہ تھیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ متحدہ ہندوستان کی اراضی جس میں مالکان اراضی بدستور اپنی اپنی زمینوں کے مالک رہے اور خراج ادا کرتے رہے۔ یعنی اراضی پاکستان کے بارے میں عمرؓ کے آخری فیصلے کے مطابق باشندگان وطن کو بدستور اپنی زمینوں پر قائم رکھا اور مجاہدین میں اراضی کو تقسیم نہیں کیا گیا۔

مولانا طاسین لکھتے ہیں:

> "چونکہ معاملہ مزارعت کا دار ومدار زمین کی شخصی و انفرادی ملکیت پر ہے، اگر زمین کی شخصی ملکیت نہ ہو تو معاملہ مزارعت کا وجود ختم ہوجاتا ہے۔ کیونکہ اس معاہدہ کے فریقین میں سے ایک مالک زمین اور دوسرا کاشتکار ہوتا ہے لہٰذا زمین کی شخصی و انفرادی ملکیت کا وجود مقدّم اور معاملہ مزارعت کا وجود مؤثر ہے۔" (۲)

لہٰذا تقاضائے عقل کے مطابق ہم شخصی ملکیت زمین پر حکم پاکستان کے اندر مفتی شفیع صاحب کے حوالے سے دیکھ چکے ہیں کہ سب اپنی اپنی املاک اراضی پر قائم رہے۔

زرعی اصلاحات

زراعت پاکستان کی معیشت کا سب سے بڑا اور اہم شعبہ ہے جو مجموعی ملکی پیداوار کا ۲۹ فیصد مہیا کرتا ہے یہ شعبہ ۵۵ فیصد افرادی قوت کو روزگار مہیا کرتا ہے اور ملکی زرمبادلہ کا ۷۰ فیصد اسی سے حاصل ہوتا ہے۔

ملک پاکستان کے چھ کروڑ عوام اس سے براہ راست متعلق ہیں۔ اور باقی ماندہ آبادی اس اہم شعبے سے بالواسطہ وابستہ ہے ملک کی بڑھتی ہوئی آبادی کے لئے روزگار کے زیادہ مواقع، بنیادی خوراک کی فراہمی اور ہماری زرمبادلہ کی آمدنی میں اضافہ اسی

شعبہ کے فروغ سے ممکن ہے اس لئے اسلامی جمہوریہ پاکستان میں ہر قائم ہونے والی حکومت نے اپنے اپنے دور میں اس اہم شعبے کو نظر انداز نہیں کیا۔ قیام پاکستان سے لے کر ایک طویل عرصہ تک اس نو آموز مملکت کو اپنی سلامتی کی اندرونی اور بیرونی جنگ لڑتے رہنا پڑی جس سے مملکت کی ترقی کے لئے خاطر خواہ اقدامات نہ ہوئے۔ مارچ ۱۹۷۲ء میں ملک میں عوامی حکومت نے زرعی اصلاحات کا پہلی بار اعلان کیا۔ مدتوں کی جاگیرداری اور مزارعاتی نظام کے تحت چھوٹے زمیندار اور مزارع بڑی تنگدستی اور کسمپرسی کی زندگی گزار رہے تھے۔ وڈیروں کے غیر منصفانہ بلکہ بڑی حد تک غیر انسانی قوانین کی گرفت میں بیچارے چھوٹے کسان زمیندار اور مزارع بری طرح سے پھنسے ہوتے تھے۔ پاکستان جو کہ دنیا میں ایک مشہور زرعی ملک رہا ہے۔ اور جس کے قریباً" اسی فی صد لوگ زراعت پیشہ تھے۔ وہ پستی اور غربت کی زندگی بسر کرنے پر مجبور تھے۔ ان مشکلات اور مسائل کو حل کرنے کے لئے گو دور ایوبی میں بھی چند اصلاحات کی گئیں لیکن ان کا زیادہ فائدہ جاگیرداروں اور وڈیروں ہی کو پہنچا تھا۔ لہٰذا عوامی حکومت نے بڑی سوچ بچار کے بعد ملک میں زرعی اصلاحات کے نفاذ کا اعلان کیا۔ اس موقع پر صدر پاکستان ذوالفقار علی بھٹو نے اپنی یکم مارچ ۱۹۷۲ء کی تقریر میں کہا۔ :

"میں آپ کو یہ اطلاع دینا چاہتا ہوں کہ ملک کے اندر ظالمانہ اور غیر منصفانہ زرعی نظام کو تبدیل کیا جارہا ہے ملک کی زمین کو دیہی خداؤں سے چھٹکارہ دلایا جارہا ہے۔ جو زرعی اصلاحات نافذ کی جارہی ہیں۔ ان کا ہمارے ملک کے تمام انسانوں کی روز مرہ زندگی اور مستقبل پر بہتر اثر پڑے گا۔ ان اصلاحات سے ہماری دیہی آبادی کا وقار اور عزت نفس بحال ہوگی ان سے زرعی زمین کے غیر منصفانہ ملکیتی ارتکاز کا خاتمہ ہوگا۔ کاشتکاروں کی اقتصادی اور سماجی حیثیت میں خوشگوار تبدیلیاں رونما ہونگی۔ مزارعین کو حق شفع کا اختیار حاصل ہوگا۔ اب زمین کی تقسیم کسی فرد کے حق ملکیت کے اعتبار سے نہیں ہوگی۔ اور خاندان کی مجموعی حق ملکیت کو ملحوظ نہیں رکھا جائے گا۔" (۳)

زرعی اصلاحات کے اہم نکات حسب ذیل تھے۔

۱۔ اراضی کی حد ملکیت ڈیڑھ سو ایکڑ نہری اور تین سو ایکڑ بارانی ہوگی۔

۲۔ اس مقررہ حد تک سے زیادہ اراضی کسی حیلے بہانے سے یا زرعی فارم اور مویشی خانے کے لئے بھی حاصل نہیں کی جاسکے گی۔

۳۔ زمینداروں سے اس اصول کے تحت جو زمین لی جائے گی اس کا کوئی معاوضہ نہیں دیا جائے گا۔ بلکہ یہ زائد حاصل کردہ زمین بغیر کسی قیمت کے کاشت کاروں میں تقسیم کردی جائے گی۔

۴۔ سرکاری ملازمین کو جو اراضی دے دی گئی ہے اس میں سے ایک سو ایکڑ سے زائد اراضی واپس لے کر کسانوں میں تقسیم کر دی جائے گی۔

۵۔ فوجی افسروں کو جو اراضی بارڈر ایریا میں دی گئی تھی انہوں نے اس کے بدلے میں جو اراضی اندرونی علاقوں میں حاصل کرلی ہے وہ ضبط کرلی جائے گی۔

۶۔ تمام سرکاری اراضی زمین کاشت کاروں میں گزارہ یونٹ کے تحت تقسیم کردی جائے گی۔

۷۔ سرکاری اراضی نیلام کے بجائے اقساط پر فروخت کی جائے گی۔

۸۔ مالیہ اور ٹیکس زمیندار ادا کریں گے نہ کہ مزارعین اور کاشت کار۔

۹۔ زمیندار اگر اراضی فروخت کرنا چاہے تو کاشتکار کو زمین خریدنے میں ترجیح حاصل ہوگی۔ (۴)

ان اصلاحات کے اعلان کے بعد ملک کے ہر صوبے میں ایک لینڈ کمیشن قائم کردیا گیا۔ اسی طرح فوری طور پر ان اصلاحات کے نفاذ کا اعلان کردیا گیا شمال مغربی سرحدی صوبہ کے قبائلی علاقوں کو ان اصلاحات کے اطلاق سے مستثنیٰ قرار دیا گیا تھا۔ یہ بھی اعلان کیا گیا کہ زمین کی ملکیت سے متعلق تمام گوشوارے ۳۰ اپریل ۱۹۷۲ء تک جمع کرا دیئے جائیں۔ ۱۵ جون تک ان گوشواروں پر فیصلہ ہوگا۔ اور پھر یکم جولائی کو اس حوالے سے عمل درآمد ہوگا۔ یہاں پر یہ بھی تنبیہ کی گئی کہ جو شخص ۲۰ دسمبر ۱۹۷۱ء کے بعد اراضی کی کسی طرح کی منتقلی یا اراضی میں کسی کو کھاتہ شریک کرے یا ظاہر کرے گا یہ صورت حال اور کاروائی غیر قانونی ہوگی۔

پاکستان میں ان زرعی اصلاحات کے نفاذ اور کم از کم حد ملکیت کے تعین کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ معاشرتی نشیب و فراز سے نجات حاصل کی جائے اور باہمی ابتری کو ختم کیا جائے۔ ان اصلاحات کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ زمیندار کی بالادستی ختم کردی جائے اور کاشت کار کی محنت کو بھی استحسان کی نظر سے دیکھا جائے۔

عوامی حکومت کی جانب سے نافذ کردہ ان زرعی اصلاحات کی زد میں بڑے بڑے زمیندار اور حکومتی اہلکار بھی آگئے بلکہ برسراقتدار حکومت کے متعدد افراد پر بھی ان اصلاحات کی زد پڑی۔ کروڑوں زمینداروں کو ان اصلاحات سے خوشی نصیب ہوئی۔ ان اصلاحات کے نفاذ کے بعد حکومت کو انچاس لاکھ ایکڑ سے زیادہ اراضی حاصل ہوگئی۔ اس کے ساتھ ہی دیہات میں ایک عظیم تعمیری اور ترقیاتی پروگرام کا آغاز ہوگیا۔ اب دیہات میں چھوٹے یونٹ قائم ہونے کی صورت میں روزگار کے زیادہ مواقع پیدا ہوگئے اور دیہی علاقوں میں بھی چھوٹی صنعتوں کے قیام اور زرعی مشینوں پر توجہ دی جانے لگی (۵)

زکوۃ و عشر

۲۰ جون ۱۹۸۰ء کو جنرل ضیاالحق نے ملک میں زکوۃ آرڈیننس جاری کیا یہ قانون پاکستان کے تمام مسلمانوں پر نافذ کردیا گیا۔ چنانچہ اس سلسلے میں اسلامی تعلیمات کو پوری طرح ملحوظ خاطر رکھا گیا۔

عشر کا نظام مارچ ۱۹۸۳ء میں شروع کیا گیا عشر کے متعلق بھی مرکزی زکوۃ کمیٹی ہی فیصلے کرتی ہے۔ یہ بھی امر ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے کہ زکوۃ یا عشر جس بھی علاقے سے حاصل کیا جائے گا۔ وہ اسی علاقے کی بہتری اور بھلائی کے لیے استعمال کیا جائے گا۔ عشر کی وصولی اور تقسیم کا بھی پورا پورا حساب کتاب رکھا جائے گا۔ اور بوقت ضرورت اس کی جانچ پڑتال بھی ہوتی رہے گی عشر کی رقم بھی انہی مدوں میں صرف کی جارہی ہے جن کی شریعت اجازت دیتی ہے۔ آرڈی نس میں یہ بھی واضح کردیا گیا ہے کہ جس فصل پر عشر یعنی دسواں حصہ وصول کیا جائے گا اس پر مالیہ معاف ہوگا۔

عشر کے معاملے میں بھی اسے ایک دینی فریضہ سمجھتے ہوئے یہ رعایت دی گئی ہے کہ واجب الادا عشر کی رقم کا تعین عشر گزار از خود کرے گا۔ لہذا طے یہ پایا ہے کہ چھبیس من گندم یا اس کے برابر یا اس سے کم مالیت کی ہو تو اس پر عشر وصول نہیں کیا جائے گا۔ گو عشر کا قانون بھی جون ۱۹۸۰ء ہی میں جاری کردیا گیا تھا۔ لیکن اس پر عملدر آمد مارچ ۱۹۸۳ء سے ہوا ہے۔ اس طرح پہلی بار عشر ۸۳ ۔ ۱۹۸۲ء کی فصل ربیع پر وصول کیا گیا' عشر کی رقم بھی مقامی زکوۃ کمیٹیاں ہی وصول کرتی اور پھر مستحقین میں تقسیم کرتی ہیں۔ (۶)

عشر و خراج

عشر و خراج شریعت اسلام کے دو اصطلاحی لفظ ہیں ان دونوں میں یہ بات مشترک ہے کہ اسلامی حکومت کی طرف سے زمینوں پر عائد کردہ ٹیکس کی حیثیت ان دونوں میں ہے فرق صرف یہ ہے کہ عشر ٹیکس کے ساتھ ہی عبادت کا درجہ رکھتا ہے اور خراج خالص ٹیکس ہے عشر مسلمانوں کی زمین پر ہوتا ہے اگر پیداوار نہ ہو تو عشر بھی نہیں لیا جاتا۔ بخلاف خراج کے وہ قابل کاشت زمین پر عائد ہے۔ اگر کاشت نہ کی گئی ہو تو بھی خراج لازم ہے۔ (۷)

حواشی

(۱) مفتی محمد شفیع مولانا، اسلام کا نظام اراضی ص ۱۴۸
۲۔ مولانا محمد طاسین، مروّجہ نظام زمینداری اور اسلام ص ۱۵
۳۔ محمد علی چراغ تاریخ پاکستان ص ۵۹۴ ۔ ۵۹۵
۴۔ محمد علی چراغ، تاریخ پاکستان ص ۵۹۷
۵۔ محمد علی چراغ۔ تاریخ پاکستان ص ۵۹۸ ۔ ۶۰۰
۶۔ محمد علی چراغ تاریخ پاکستان ص ۶۰۱ ۔ ۶۰۳
۷۔ مفتی محمد شفیع، اسلام کا نظام اراضی ص ۱۵۰

باب پنجم

باب پنجم : فقہ حنفی میں مزارعت برصغیر پاک و ہند کے تناظر میں

فقہ حنفی میں مزارعت کا تاریخی جائزہ برصغیر پاک و ہند کے تناظر میں لیا جائے تو فقہی مباحث کے تحت جو مسائل سامنے آتے ہیں۔ ان کی تحقیقی تفصیل مختلف فقہا کی آراء کے حوالوں کی روشنی میں اس باب کے اندر آئے گی۔

فصل I مزارعت کے معنی و مفہوم

لفظ مزارعت، مفاعلہ کے وزن پر ہے اور (مادہ) زرع سے مشتق ہے جب کہ لفظ "زرع" کے دو معنی ہیں

اول القائے زرعہ یعنی بیج ڈالنا کیونکہ زرعہ بیج کو کہتے ہیں۔ اس طرح زرع سے مراد زمین میں بیج ڈالنا۔ یہ مجازی معنی ہیں۔

دوسرے معنی انبات یعنی اگانے کے ہیں۔ یہ حقیقی معنی ہیں۔ اس لیے اس امر کی ممانعت آئی ہے کہ کوئی شخص یہ نہ کہے زَرَعْتُ (یعنی میں نے اگایا) بلکہ یوں کہے حَرَثْتُ (میں نے جوتا یا بویا)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث مبارکہ مروی ہے۔

"فقد روی البزاز عن ابی هريرة قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: لا یقولن احدکم زرعت ولیقل حرثت" (۱)

کیونکہ در حقیقت اگانے والا اللہ تعالیٰ ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

افرایتم ما تحرثون ○ ءانتم تزرعونه ام نحن الزّارعون○

(بھلا بتاؤ تو تم جو کھیتی کرتے ہو اس کو تم پیداوار بناتے ہو یا ہم بناتے ہیں)(۲)

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے مزید ارشاد فرمایا ہے

لو نشآء لجعلنه حطاما.... ○

(ہم چاہیں تو اسے (کھیت) برباد کر کے رکھ دیں)(۳)

○--- لفظ مزارعت اگر باب مفاعلہ سے ہے تو اس میں دو فریق کی باہم مشارکت مفہوم ہوتی ہے۔ مثلاً الفاظ مشارکہ، مضاربہ، مقابلہ وغیرہ۔

یہاں باب مفاعلہ اپنی خاصیت میں مستعمل متصور ہو گا۔ کیونکہ زرع (کھیتی) دو امور پر مشتمل ہے۔

اول کارندہ یا کاشتکار کا کام یعنی جوتنا، بونا، سینچنا وغیرہ

دوسرے مالک یا زمیندار کا کام یعنی کاشتکار کو زمین اور آلات کشاورزی کے استعمال کا اختیار دینا۔ اس طرح دونوں ہی کھیتی باڑی ہونے کا سبب ہیں۔

برصغیر کے فقہائے احناف کی اکثریت نے مزارعت کے لغوی معنی ذکر نہیں کیے اس بارے گمان کیا جا سکتا ہے کہ انھوں نے عجمی ہونے کے سبب عربی معنی کی وضاحت نہیں کی۔ اور مزارعت کو اصطلاحی مفہوم سے لیا ہے۔ جن چند علماء نے مزارعت کے لغوی معنی بیان کیے ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

صاحب عین الہدایہ سید امیر علی نے امام الرغینانی کی شہرہ آفاق تصنیف الہدایہ پر عین الہدایہ کے نام سے شرح لکھی اور انہی کے بیان کردہ لغوی معنی ذکر کیے۔ وہ لکھتے ہیں:-

"اعلم ان المزارعة ان لغة مفاعله من الزرع (واضح ہو کہ لغت میں مزارعت زرع سے مفاعلت ہے) ف یعنی دونوں سے زرع کا فعل ہونا زرع بمعنی کاشت۔ حالانکہ یہاں صرف کاشتکار کی طرف سے زرع ہے پس غلہ کے طور پر مزارعت کا اطلاق ہے۔" (۴)

مولانا محمد طاسین اپنی کتاب مروجہ نظام زمینداری اور اسلام میں لکھتے ہیں:

"لفظ مزارعت باب مفاعلہ کا مصدر ہے۔ جس کا مادہ مجرد زرع یا زراعہ ہے جس کے معنی ہیں زمین کو بونا اور کاشت کرنا یا زرع ہے جس کے تین معنی ہیں۔ اول الانبات بمعنی اگانا۔ دوم طرح البذر فی الارض بمعنی بیج زمین میں ڈالنا اور تخم ریزی کرنا۔ سوم نبات کل شیئی بمعنی ہر شے اگی ہوئی فصل اور کھیتی

چنانچہ جب لفظ زرع کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس کے معنی اگانے کے ہوتے ہیں کیونکہ اگانے کا فعل صرف اللہ تعالیٰ سے مختص ہے جو چیز بھی اگتی ہے صرف اللہ تعالیٰ کے اگانے سے اگتی ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ہے۔

افرایتم ما تحرثون ○ ءانتم تزرعونه ام نحن الزّارعون ○

(بتلاؤ جو تم زمین کاشت کرتے ہو کیا تم اس میں کھیتی اگاتے ہو یا ہم ہیں اگانے والے) (۵)

جب زرع کی نسبت انسان کی طرف ہو تو اس کے معنی زمین میں بیج ڈالنے اور تخم ریزی کرنے کے ہوتے ہیں جیسے اس حدیث نبویؐ میں ہے۔

"عن ابی اسحٰق عن عطاء عن رافع بن خدیج قال قال النّبی صلّی اللّٰه علیه وسلّم من زرع فی ارض قوم بغیر اذنهم فلیس له من الزرع شیئی وله نفقته"

(نبیؐ نے فرمایا جس نے دوسروں کی زمین میں بغیر ان کی اجازت کے تخم ریزی کی اس کے لیے کھیتی میں سے کچھ نہیں صرف اس کا خرچہ اس کو ملے گا) (۶)

اور جب زرع کی جمع زروع ہو تو اس سے تیسرا معنی مراد ہوتا ہے یعنی زمین میں اگی ہوئی کھیتی اور فصل جیسے قران پاک میں آیا ہے۔

کم ترکوا من جنّٰت وّ عیون ○ وّ زروع و مقام کریم ○

(کتنے چھوڑے انہوں نے اپنے پیچھے باغات، چشمے اور کھیتیاں یعنی اگر ہوئی فصلیں اور شاندار عزت والے مکان) (۷)

غور سے دیکھا جائے تو زرع کے مذکورہ تین معنوں میں سبب اور مسبّب پایا جاتا ہے۔ اس طرح کہ تخم ریزی سبب ہے کھیتی اگانے اور فصل پیدا ہونے کا۔ جس طرح اگانا سبب ہے نباتات کے وجود میں آنے کا۔

چونکہ باب مفاعلہ کی اصل خاصیت مشارکت ہے یعنی دو اشخاص کا کسی فعل میں ایک دوسرے کے ساتھ شریک ہونا لہٰذا مزارعت کے معنی ہوئے دو اشخاص کا زراعت یا زرع میں ایک دوسرے کے ساتھ شریک ہونا اس طرح جس معاملہ کو مزارعت کہا

جاتا ہے اس میں بھی مالک زمین، کاشتکار کو زراعت اور زرع کے لیے زمین پیش کرتا ہے اور دوسرا اپنی محنت و مشقت پیش کرتا ہے لہٰذا اس معاملہ کو مزارعت سے تعبیر کرنا اس کی لغوی حقیقت کی صحیح و سچی تعبیر ہے۔ اور لغوی اور اصطلاحی معنوں کے مابین کامل مناسبت ہے۔ (۸)

شہزاد اقبال شام مزارعت کے لغوی معنی کے بارے کہتے ہیں:

"لغوی معنی کے اعتبار سے مزارعت کا اشتقاق "الزرع" سے ہوتا ہے جس کے معنی بیج ہیں۔ عام استعمال میں الزرع سے مراد بیج ڈالنا یا بیج بونا ہے۔ کسی فصل کا بیج زمین میں بغرض حصول پیداوار ڈالنا الزرع کہلاتا ہے۔ یہ معنی مجازاً" استعمال ہوتا ہے الزرع کے حقیقی معنی اگانا ہیں۔ مگر کثرت استعمال کی وجہ سے اس سے مراد بیج بونا ہی لیا جاتا ہے۔ بیج اگانے کے معانی نہیں لیے جاتے کیونکہ انسان بیج بو تو سکتا ہے لیکن اس کی قدرت نہیں کہ وہ اگا سکے۔ مزارعت باب مفاعلہ سے ہے جیسے مشارکہ، مضاربہ، مفاوضہ، معاہدہ وغیرہ۔ اس وزن پر آنے والے جملہ الفاظ اپنے اصلی سہ حرفی کلمہ کے معانی کو دو افراد یا فریقوں کے درمیان کی کیفیت بیان کرتے ہیں۔ لہٰذا لغوی اعتبار سے مزارعت کے معنی کھیتی باڑی میں دو افراد کا شریک ہونا ہے۔ (۹)

لغوی معنی جان لینے کے بعد مفہوم کے اعتبار سے مزارعت عقد ہے پیداوار کے بعض حصے کے عوض ان شرائط کے ساتھ جو اس کے لیے موضوع ہیں۔

فتاویٰ عالمگیری میں مزارعت کی اصطلاحی تعریف اس طرح کی گئی ہے:

"اما تفسیرها شرعا فهی عبارة عن عقد الزراعة ببعض الخارج و هوا جارة الارض اوالعامل ببعض الخارج هكذا فی محيط السرخسی۔"

(کسی قدر حاصلات دینے پر عقد زراعت قرار دینے کو مزارعت کہتے ہیں۔ یعنی یہ عقد حاصلات پر زمین گویا کاشتکار کو اجارہ لیتا ہے (کذا فی محیط السرخسی) (۱۰)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں:

"مزارعت یہ ہے کہ زمین و بیج ایک کا ہو اور محنت و بیل دوسرے کا اور مخابرت یہ ہے کہ زمین ایک کی ہو اور بیج و بیل اور محنت دوسرے کی اور اس کی ایک تیسری صورت یہ ہے کہ محنت ایک کی ہو باقی چیزیں دوسرے کی۔"(۱۱)

فتاویٰ نور الہدایہ میں لکھا ہے:

"شرع میں مزارعت عبارت ہے اس عقد سے جو زراعت پر منعقد ہو تبقرر بعض خارج ف یعنی تہائی یا چوتھائی اناج جو پیدا ہو ٹھہرانا مثلاً زید اپنی زمین عمرو کو اس شرط پر دے کہ عمرو اس میں مزارعت کرے جو کچھ پیدا ہو اس کی تہائی زید کو ملے باقی عمرو کو اس کا نام مزارعت ہے۔" (۱۲)

عین الہدایہ میں مزارعت کے شرعی مفہوم کے بارے میں لکھا ہے:

"واضح ہو کہ مزارعت بٹائی پر کھیتی ہے جیسے درختوں کی بٹائی کو مساقات کہتے ہیں اور اسی طرح اگر دوسرے کو

مال پر زمین دے تو اجارہ ہے۔ پس یہاں مزارعت بٹائی کا بیان ہے۔"

صاحب عین الہدایہ مزید لکھتے ہیں:

"وفی الشریعہ ہی عقد علی الزرع ببعض الخارج"

(اور شریعت میں مزارعت ایک عقد ہے جو زراعت پر بعوض بعض پیداوار کے واقع ہوتا ہے ف یعنی پیداوار میں سے ایک حصہ مشاع کے عوض کاشتکاری کرے۔) (۱۳)

مولانا تقی امینی اپنی کتاب اسلام کا زرعی نظام کے تحت مزارعت کے بارے کہتے ہیں:

"مزارعت کے معنی مشترکہ طور پر کھیتی کرنا یعنی کسی کو بٹائی پر زمین دینا جیسا کہ علماء نے کہا ہے۔

"فھی عبارۃ عن عقد الزراعۃ ببعض الخارج" (بحوالہ شرح معانی الاثار و فتاویٰ عالمگیری)

(زمین کی پیداوار کے کچھ حصہ کے بدلہ کھیتی کا معاملہ کرنا مزارعت ہے)

حقیقت یہ ہے کہ مزارعت ایک قسم کا معاہدہ ہوتا ہے جس کی رو سے کاشتکار زمین کو بٹائی پر لیتا ہے اور صاحب زمین کاشتکار کی محنت کا معاوضہ غلہ کی صورت میں ادا کرتا ہے اور کاشتکار صاحب زمین کی زمین کا کرایہ غلہ کی صورت میں دیتا ہے۔ اگر اس معاہدہ میں نیک جذبہ ہو اور زمین و محنت کی پیش نظر ہر ایک کو اپنا اپنا حق پانے کی توقع ہو تو یہ باہمی تعاون کی تشارک اور ہمدردی اور غمخواری کی بہترین شکل ہے اگر یہ صورت نہ پائی جائے بلکہ کاشتکاری کی مجبوری و بے بسی صاحب زمین کی ازدیاد دولت کا سبب بنے یا دونوں میں سے کسی جانب سے بد دیانتی اور خیانت کا اندیشہ ہو تو ایسی حالت میں اسلام مزارعت کی اجازت نہیں دے سکتا۔(۱۴)

برصغیر کے ایک اور سکالر مولانا مجیب اللہ ندوی اپنی کتاب اسلامی فقہ میں مزارعت اور زراعت کے بارے میں اپنے ہم عصروں ہی کی طرح یوں وضاحت کرتے ہیں:

"اگر آدمی کسی وجہ سے خود کھیتی باڑی نہیں کرتا ہے یا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا تو اس کو یہ حق ہے کہ وہ دوسروں کو لگان یعنی کچھ نقد لے کر اپنی زمین دے دے اس صورت میں مالک لگان پائے گا اور مزارع یعنی کاشتکار پوری پیداوار کا مالک ہوگا یا اگر وہ لگان پر نہیں دیتا یا کوئی لگان پر نہیں لیتا تو دوسری صورت یہ ہے کہ وہ بٹائی پر دے دے۔ یعنی غلہ میں آدھا مالک کا اور آدھا کاشتکار کا یا کم و بیش، پہلی صورت یعنی لگان پر دینے کو شریعت میں اجارہ ارض اور دوسری صورت یعنی بٹائی پر دینے کو مزارعت کہتے ہیں۔ مزارعت یعنی بٹائی پر زمین دینے کو بعض صحابہ اور آئمہ اربعہ میں بیشتر حضرات نے مطلقاً تو اسے ناپسند کیا ہے البتہ کچھ شرائط کے ساتھ جائز کہا ہے لیکن اجارہ ارض یعنی زمین کو لگان پر دینے میں سب کا اتفاق ہے۔" (۱۵)

مولانا محمد طاسین لکھتے ہیں:

"مزارعت کے اصلاحی معنی وہی ہیں جو صاحب ہدایہ، صاحب بدائع الصنائع وغیرہ نے بیان کیے ہیں کہ المزارعت ھی عقد علی الزرع ببعض الخارج (مزارعت کاشت کاری کا معاہدہ ہے پیداوار زمین کے ایک حصہ کے بدلے)" (۱۶)

مولانا امجد علی بہار شریعت میں لکھتے ہیں:

"مزارعت یہ ہے کہ کسی کو اپنی زمین اس طور پر کاشت کے لیے دینا کہ جو کچھ پیداوار ہو گی دونوں میں مثلاً نصف نصف یا ایک تہائی دو تہائیاں تقسیم ہو جائے گی اسی کو مزارعت کہتے ہیں اس کو ہندوستان میں بٹائی پر کھیت دینا کہتے ہیں۔" (۱۷)

شہزاد اقبال شام مزارعت کے اصطلاحی معنی یوں بیان کرتے ہیں:

"مزارعت کے عام فہم معنی کھیتی باڑی ہے۔ کاشتکاری کے لیے بھی لفظ مزارعت ہی استعمال ہوتا ہے۔ ملک کی کچھ مقامی اور علاقائی بولیوں میں اس عربی اصطلاح کا مفہوم ادا کرنے کے لیے زمینداری کا لفظ بھی بولا جاتا ہے۔ اس معاہدہ مزارعت میں ایک شخص زمین کا مالک ہوتا ہے اور دوسرا اس زمین سے اپنے عمل اور محنت کے ذریعے زرعی پیداوار حاصل کرتا ہے جس کو پہلے سے طے شدہ شرائط پر دونوں تقسیم کر لیتے ہیں۔" (۱۸)

الغرض اگر مذکورہ تمام تعریفوں اور آراء پر غور کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ تمام فقہاء نے لفظی تغیّر کے ساتھ ایک ہی بات ذرا مختلف یا اجمال و تفصیل کے انداز میں بیان کی ہے۔ البتہ یہ کہنا مبنی بر حقیقت ہو گا کہ مزارعت کی تعریف میں کوئی ابہام یا اختلاف نہیں اور اگر اختلاف ہے تو اس کے تفصیلی احکام اور جزئیات میں ہے۔

مزارعت کے مترادف الفاظ :

مزارعت کے چند ہم معنی اور مترادف الفاظ بھی ہیں۔ مثلاً مخابرہ' اہل حجاز خصوصاً اہل مدینہ لفظ مزارعت کی بجائے لفظ مخابرت بولتے اور استعمال کرتے تھے۔ مخابرہ کے لغوی معنی کو لیں تو یہ لفظ باب مفاعلہ کا مصدر ہے اس کا مادہ خبر ہے بمعنی کاشت کے لیے زمین کو جوتنا اور ہل چلانا۔ اسی سے خبرة بمعنی حصہ' خبار' بمعنی نرم مٹی یا زمین' خبیرة بمعنی سبز کھیتی اور گھاس ہے ایک اور لفظ محاقلہ ہے یہ بھی مزارعت کی طرح باب مفاعلہ سے مصدر ہے۔ اس کا مادہ حقل ہے جس کے معنی ہیں کھیت اور سرسبز کھیتی باب مفاعلہ کی خاصیت مشارکت کے پیش نظر محاقلہ کے معنی ہوئے دو فریقوں کے درمیان کھیتی کا معاملہ۔"

کراء الارض کا لفظ بھی مزارعت کی جگہ بولا جاتا ہے۔ اسکے معنی زمین کا کرایہ ہے یعنی مالک زمین' کاشتکار سے پیداوار کا جو حصہ لیتا ہے اسے کراء الارض کہتے ہیں۔ یعنی زمین سے فائدہ اٹھانے کا کرایہ ادا کرنا۔ اس کی بھی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اگر پیداوار کا ایک حصہ دینا طے کیا جائے تو یہ مزارعت و مخابرت کی طرح ہے۔ اور اگر نقد یعنی سونے اور درہم و دینار اور سکہ رائج الوقت کے عوض کرائے پر ہو تو یہ اجارہ ہے۔

حواشی

(۱) سنن نسائی (کتاب الشروط فیہ المزارعت والوثائق) ص ۵۴

(۲) القرآن الحکیم، الواقعہ: ۶۳، ۶۴

(۳) القرآن الحکیم، الواقعہ: ۶۵

(۴) سید امیر علی مولانا، عین الہدایہ۔ کتاب المزارعہ جلد ۴ ص ۱۰۴

(۵) القرآن الحکیم، الواقعہ: ۶۳، ۶۴

(۶) السنن ابو داؤد (کتاب مزارعت و مساقات جلد ۳۔ باب ۲) ص ۲۷۔۲۸

(۷) القرآن الکریم، الدخان: ۲۵، ۲۶

(۸) مولانا محمد طاسین، مروجہ نظام زمینداری اور اسلام۔ باب مزارعہ کی شرعی حیثیت ص ۶۰۔ ۶۲

(۹) شہزاد اقبال شام، مزارعت و مساقات۔ ص ۱۔ ۲

(۱۰) فتاویٰ عالمگیری، کتاب المزارعت۔ جلد ۴، ص ۹۴

(۱۱) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حجۃ اللہ البالغہ۔ (مترجم مولانا عبدالرحیم) ص ۱۲۷

(۱۲) محمد عبدالغفار لکھنوی، فتاوی نور الہدایہ۔ (مترجم مولوی وحید الزمان وقار) کتاب المزارعت ص ۴۱

(۱۳) مولانا سید امیر علی، عین الہدایہ۔ کتاب المزارعہ جلد ۴، ص ۱۰۴

(۱۴) مولانا تقی امین، اسلام کا زرعی نظام۔ ص ۱۷۱۔ ۱۷۵

(۱۵) مولانا مجیب اللہ ندوی، اسلامی فقہ۔ باب مزارعت، ص ۵۷۰

(۱۶) مولانا محمد طاسین، مروجہ نظام زمینداری اور اسلام۔ باب مزارعت کی شرعی حیثیت ص ۶۵

(۱۷) مولانا امجد علی، بہار شریعت۔ مزارعت کا بیان، ص ۷۶

(۱۸) شہزاد اقبال شام، مزارعت و مساقات۔ ص ۱۔ ۲

فصل II جواز مزارعت

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ معاملہ مزارعت ایک متنازع اور مختلف فیہ معاملہ ہے جسکے جواز اور عدم جواز کے متعلق اختلاف خیرالقرون سے چلا آرہا ہے۔ یعنی نبی اکرمؐ کے ساتھی ان کے تربیت یافتہ اور ایمان کے بلند درجات چھونے والے صحابہ اکرامؓ میں بھی مزارعت کے دو گروہ ہیں۔ ایک حامی اور دوسرے خلاف ان سے متعلق بحث مقالہ کے باب دوم فصل تین (مزارعت و مساقات بحوالہ صحابہ اکرامؓ) موجود ہے۔

یہاں جواز و عدم جواز کی بحث فقہائے احناف کے حوالہ سے کی جائے گی ان کے اندر بھی دو گروہ ہیں ایک وہ آئمہ مجتدین جو جواز مزارعت کے قائل ہیں۔ جبکہ دوسرے گروہ میں عدم جواز کے قائلین ہیں۔ دوسرؔے کا تو کیا امام ابو حنیفہؒ اور ان کے شاگردوں کے درمیان جواز و عدم جواز کا اختلاف تھا۔ یہ اختلاف اولی و غیراولی اور راجح و مرجوع کی قسم کا اختلاف نہ تھا بلکہ صحت و بطلان اور حلال و حرام کا اختلاف تھا۔

فقہاء کے مابین یہ اختلاف قرآن اور احادیث کے حوالہ سے ہے۔

○--- یعنی جو حضرات معاملہ مزارعت کو ناجائز و باطل کہتے ہیں۔ وہ کہتے کہ قرآن و حدیث کی رو سے یہ جائز نہیں ہے۔

○--- اور جو اس کو جائز و صحیح کہتے ہیں انکا مطلب بھی یہ ہے کہ اسلام اور قرآن و حدیث کی رو سے یہ معاملہ صحیح و درست ہے۔

لہٰذا یہ تو نہیں ہوسکتا کہ ایک معاملہ قرآن و حدیث میں جائز بھی ہو اور ناجائز بھی اور صحیح بھی ہو اور باطل بھی حلال بھی ہو اور حرام بھی کیونکہ یہ کھلا ہوا تضاد ہے جو دینی تعلیمات میں نہیں ہونا چاہیے۔

لہٰذا یہ ماننا پڑے گا کہ فقہاء کے دو مختلف اقوال میں سے ایک قول صحیح اور اسلامی اور دوسرا قول باطل و غیراسلامی ہے۔ یہ کہ ایک فریق حقیقت حال سمجھنے سے قاصر رہا ہے اور اس نے غلطی کھائی ہے۔ اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں کیونکہ مجتہد کی رائے کبھی خطا ہوتی ہے اور کبھی صواب اور خطا پر بھی ایک اجر ملتا ہے۔ مذکورہ اقوال میں سے کونسا قول صحیح اور کون سا غلط اور خلاف اسلام ہے اس کا تعین اگر ہوسکتا ہے تو صرف ان دلائل کے تحقیقی جائزے سے ہوسکتا ہے جو ہر فریق نے اپنے اپنے قول کی تائید و تصویب میں دیئے ہیں۔

آج اس کے تعین کی اس لئے بھی ضرورت ہے کہ اس کے بغیر اسلام کے معاشی نظام کا تعین نہیں ہوسکتا۔ جس کی نہایت شدت کے ساتھ ضرورت محسوس کی جارہی ہے۔ تاکہ اسلام کے معاشی نظام کو علمی اور نظری طور پر ایک متعین شکل میں پیش کیا جائے لیکن اسلام کے معاشی نظام کو اس وقت تک متعین شکل میں پیش نہیں کیا جاسکتا جب تک مزارعت کے متعلق یہ تعین نہ ہوجائے کہ یہ اسلام میں جائز ہے یا ناجائز کیونکہ اس معاملہ کے جائز ہونے کی صورت میں اسلام کے معاشی نظام کی جو شکل بنتی ہے وہ اس شکل سے بالکل مختلف ہوتی ہے جو اس معاملے کے عدم جواز کی صورت میں اسلام کے معاشی نظام کی بنتی ہے۔

○--- پہلی صورت میں وہ نظام زمینداری جائز قرار پاتا ہے جو اعلیٰ و ادنیٰ دو انسانی طبقوں پر مشتمل ہے۔ اپنی بے شمار گوناں گوں برائیوں کی وجہ سے قابل نفرت ہے اور مردود قرار پاچکا ہے۔ لیکن اس میں بعض صورتیں رہتی ہیں جنکو جائز

تصور کیا جا سکتا ہے اور اس کے مضر اثرات سے بچا جا سکتا ہے۔

○--- دوسری صورت میں ایک ایسا نظام زراعت وجود میں آتا ہے جس کے اندر کاشتکار ہی زمینوں کے مالک اور اپنے معاملات خود اپنی مرضی سے طے کرتے ہیں۔

الغرض آج یہ کہہ دینا کہ مزارعت آئمہ مجتہدین میں سے کس کے نزدیک حرام اور کس کے نزدیک حلال ہے ناکافی ہوگا۔ بلکہ سراسر مضر و نقصان دہ ہے لہٰذا علمائے اسلام کا یہ فرض ہے کہ وہ اجتماعی اجتہاد کے ذریعے یہ متعین اور واضح کریں کہ اسلام میں مزارعت کی صحیح اور حقیقی پوزیشن کیا ہے۔

برصغیر کے وہ حنفی فقہاء جو مزارعت کے جواز کے قائل ہیں۔ انہوں نے انہیں نظریات کو آگے بڑھایا جو عالم اسلام کے فقہاء کے پیش نگاہ تھے۔ البتہ چودھویں صدی ہجری میں برصغیر کے علمائے احناف نے مزارعت کے جواز اور عدم جواز کی طویل بحثیں کی ہیں۔ جو قرآن و سنتؐ کی تعلیمات اور صحابہؓ و تابعینؒ کے علم و عمل کی روشنی میں ہیں۔ ان علماء میں سے زیادہ معروف یہ اصحاب ہیں:

میر غلام قادر ہمدانیؒ --- مولانا مودودیؒ --- مفتی محمد شفیعؒ --- مولانا عبدالغفار حسنؒ --- مولانا حیدر زمان خانؒ --- مولانا محمد طاسینؒ --- مولانا تقی امینیؒ

چودھویں صدی ہجری سے پہلے برصغیر میں اسلامی علوم جو کہ معاملات زندگی سے متعلق ہیں بحثوں سے خارج تھے۔ علماء اور فقہاء کی بحثیں صرف عبادات اور ایمانیات تک محدود تھیں یا پھر اپنے فتاوی میں تمام اسلامی تعلیمات کے ابواب باندھ کر اپنے سے پہلے کے علماء کی بنائی ڈگر پر چلتے رہے۔ وقت کے تقاضوں کے ساتھ نہ چل سکے نہ ہی فروغ دین اسلام میں فکری نظری و عملی انقلاب برپا کرسکے۔ ذیل میں ہم برصغیر کے فقہاء کا ترتیب وار عصری اعتبار سے جائزہ لیں گے اس زمانے کا اعتبار تب سے ہوگا۔ جب سے برصغیر میں باقاعدہ اسلامی حکومت قائم ہوئی۔ جیسے غیاث الدین بلبن (۶۶۴ھ - ۶۸۶ھ)۔

اس عہد سے پہلے کی اسلامی تاریخ برصغیر کے حوالے سے ناپید ہے۔ محمد بن قاسم کی آمد کے بعد اسلام برصغیر میں متعارف تو ہوا لیکن رائج نہ ہوسکا کیونکہ اموی و عباسی دور حکومت شورشوں کا دور تھا۔ اس لئے اسلامی تحریک برصغیر میں انقلاب برپا نہ کرسکی۔ لیکن جب افغانستان کے راستے برصغیر میں مسلم حکمران داخل ہوئے تو یہاں باقاعدہ اسلامی حکومت قائم کی۔ اور آہستہ آہستہ اسلام پھیلنے لگا۔ مسلمانوں کی تعداد برصغیر میں بڑھنے لگی اسلامی تعلیمات کو سمجھنے کے لئے فتاوی لکھے جانے لگے تاکہ لوگ دینی مسائل کو قرآن کے حوالے سے سمجھ سکیں۔ سب سے پہلے جس فتاوی کا پتہ چلتا ہے وہ ہے فتاوی الغیاثیہ جو عہد غیاث الدین بلبن ۶۶۴ھ / ۱۲۶۶ء - ۶۸۶ھ / ۱۲۸۷ء میں لکھا گیا۔ اس کو عربی زبان اور حنفی مسلک پر لکھا گیا۔ (۱) اس کے اندر تمام ابواب رکھے گئے لیکن افسوس کہ شیرانی کلیکشن پنجاب یونیورسٹی میں قلمی نسخہ تو موجود ہے لیکن آدھا آخری حصہ ضائع ہوچکا ہے فہرست مضامین میں لکھا ہے کہ اس میں مزارعت و مساقات کے ابوب شامل تھے۔

اس کے بعد فتاوی قراخانی ہے جو عہد جلال الدین فیروز خلجی ۶۷۳ھ / ۱۲۹۰ء - ۷۰۳ھ / ۱۳۲۰ء میں لکھا گیا۔ یہ فتاوی فارسی زبان اور حنفی مسلک پر لکھا گیا ہے۔ یہ فتاوی پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں شیرانی کلیکشن کے تحت رکھا گیا ہے۔ قلمی نسخہ ہے۔ مصنف نے اس کے اندر مزارعت و مساقات کے ابواب ہی نہیں رکھے۔ (۲)

اس کے بعد جو فتاوی تاریخی اہمیت رکھتا ہے وہ ہے:

فوائد فیروز شاہی

اس کے مصنف ہیں شرف محمد عطائی یہ فتاوی فارسی زبان اور حنفی مسلک پر لکھا گیا ہے۔ اس کا عہد فیروز شاہ تغلق کا ۷۵۲ھ /۱۳۵۱ء - ۷۹۰ھ/۱۳۸۹ء تھا۔ یہ فتاوی پنجاب یونیورسٹی لائبریری شیرانی کلیکشن میں موجود ہے۔ اس میں مزارعت کا باب موجود ہے۔ مساقات کا نہیں ہے۔ قلمی نسخہ ہے۔ اس فتاوی میں مصنف نے مزارعت کے جواز پر فتوی دیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"فصل دوم در زراعت فی نوادر الفتاوی در جزست کہ الزّارع یتاجّر ربّہ کشاور و باخداوند تعالی بارز کانی میکند فی انیس الدء واح مروی پغامبر را بر سید جہ کوی در پشہ من رسول فرمودہ پشہ نو چست جواب دا دکشاورزی پیغامبر فرمود نیکو پشہ داری این پشہ ابراہیم خلیل اللہ است و بابرکت کبیي حق بحانہ و تعالی بدعاء ابراہیم در برشا بکشاد فردا قیامت برین کسب در بہشت قرین او باشد فی

فصل سیوم مزارعت فی نوادر الفتاوی امام اعظم ابو حنیفہ میکوید مزارعت بثلث وربع باطل است وصاحبیہ میکوید کہ جائز است۔ (۳)

مذکورہ بالا عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ مصنف مزارعت کے پیشہ کو بہت ہی برکت والا شمار کرتے ہیں۔ کہ اس پیشہ کو ابراہیمؑ کی دعا ہے کہ اس پیشہ سے جو بھی منسلک ہوگا۔ وہ مزارع قیامت میں ابراہیمؑ کے ساتھ ہوگا۔ ساتھ مصنف نے کہا کہ امام ابو حنیفہ تو اسے باطل معاہدہ قرار دیتے ہیں لیکن صاحبین (امام محمد و امام ابو یوسف) اسے جائز قرار دیتے ہیں۔ اس کے بعد فتاوی حمادیہ ہے اس کے مصنف الشیخ ابو الفتح رکن بن حسام الناگوری ہیں۔ یہ فتاوی عربی زبان اور حنفی مسلک پر لکھا گیا ہے۔ اس کا عہد خاندان سادات کا دور نویں صدی ہجری تھا۔ یہ فتاوی پنجاب یونیورسٹی ٹین لائبریری میں قلمی نسخہ کی صورت میں موجود ہے۔ اس میں مصنف نے چیدہ چیدہ مسائل مزارعت بیان کئے ہیں مصنف مزارعت کے جواز کے قائل ہیں۔ باب مزارعت شرائط اور مدت مزارعت اور مزارعت میں وکیل ڈالنا وغیرہ کے مسائل کا ذکر ہے۔ (۴)

فتاوی تاتارخانیہ

خاندان سادات کے دور نویں صدی ہجری کا ہے۔ اس کے مصنف پیر محمد شاہ ہیں۔ یہ فتاوی بدقسمتی سے پاکستان کی کسی لائبریری میں موجود نہیں۔ (۵)

فتاوی بابری جو کہ ظہیر الدین بابر کے عہد ۹۰۹ھ - ۹۱۳ھ میں لکھا گیا۔ یہ عربی زبان اور حنفی مسلک کے تحت ہے یہ فتاوی پاکستان کی کسی لائبریری میں موجود نہیں۔ (۶)

المتنانة مرمة الخزانة یہ فتاوی عربی زبان میں لکھا گیا ہے۔ اس کے مصنف علامہ مخدوم محمد جعفری بوبکانی ہے۔ یہ دسویں صدی ہجری میں لکھا گیا۔ اس میں مزارعت و مساقات کا باب نہیں ہے۔ (۷)

فتاوی ابراہیم شاہی' اس کے مصنف احمد بن المتلب بنظام گیلانی ہیں۔ یہ فتاوی بارہویں صدی ہجری میں سلطان ابراہیم

شاہ شرقی کے عہد میں لکھا گیا۔ یہ عربی زبان میں حنفی مسلک کے تحت ہے اس میں مزارعت و مساقات کے ابواب ہیں۔ جواز مزارعت کے بارے مصنف نے لکھا ہے:

کتاب المزارعة فی الخلاصة المزارعة فاسدة فی قول ابی حنیفۃؒ وقال صاحباه اذا استجمعت شرابطها جایزة والمعاملة علی ہذا الخلاف والفتوی علی قولهما التعامل الناس فی جمیع البلدان۔ (۸)

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے مطابق مزارعت فاسد ہے۔ صاحبینؒ کے نزدیک اگر شرائط پوری ہو جائیں تو جائز ہے۔ بہرحال اختلاف تو ہے اور فتوی صاحبین کے قول پر ہے وجہ یہ ہے کہ تمام مسلم ممالک میں مزارعت پر عمل ہو رہا ہے اس لئے حق میں فتوی ہے:

فتاوی عالمگیری میں مزارعت کے جواز پر فتوی ہے:

"اما شرعیتها فهی فاسده عند ابی حنیفه و عندهما جائزه والفتوی علی قولهما لحاجة الناس"

(مزارعت کے جائز ہونے میں اختلاف ہے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک عقد مزارعت فاسد ہے صاحبینؒ کے نزدیک جائز ہے۔ (لوگوں کی حاجت کی وجہ سے فتوی صاحبینؒ کے قول پر ہے)۔ (۹)

فتاوی نور الہدایہ' ترجمہ اردوی شرح وقایہ مصنف محمد عبدالغفار لکھنوی کی تصنیف ہے یہ فتاوی تیرھویں صدی ہجری میں لکھا گیا۔ صاحب فتاوی نے مزارعت کے حق میں فتوی دیا ہے۔ محمد عبدالغفار لکھنوی تفصیلاً لکھتے ہیں:

"امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ عقد صحیح نہیں ہے اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے منع کیا i مخابرت سے۔ ف روایت کیا اس کو مسلمؒ نے جابرؓ سے اور مخابرت لغت میں اہل مدینہ کے مزارعت[1] اور ایک روایت میں مسلمؒ کی صاف مزارعت کا لفظ موجود ہے ص ii اور اس واسطے کہ یہ عقد در حقیقت اجارہ لینا ہے۔ بعض پر اس چیز کے جو اجیر کے عمل سے نکلتی ہے تو مثل قفیز الطحان (بھاڑا) کے ہوا اور وہ منع ہے۔ صاحبینؒ کے نزدیک صحیح ہے اور اسی پر فتوی ہے ف اس لئے کہ i لوگ اس پر عمل کرتے چلے آئے ہیں۔ اور حاجت ہے طرف اس کے ii مثل مضاربت کے اور اس واسطے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے معاملہ کیا iii اہل خیبر سے اوپر نصف خارج کے خواہ پھل ہوں یا اناج ہو روایت کیا اس کو ابوداود' ترمذی' ابن ماجہ بخاری مسلم نے ابن عمر سے ہدایہ میں اس کا جواب دیا ہے کہ یہ معاملہ اہل خیبر کا مزارعت نہ تھا بلکہ خراج مقاسمہ کے طور پر تھا۔ اور وہ امام اعظم کے نزدیک جائز ہے۔ بالجملہ دلیل امام اعظم کی ظاہر حدیث سے قوی ہے اور عمل کرنا مذہب صاحبین پر بہ نظر ضرورت احتیاج کے ہے ص (۱۰)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی مزارعت کے جواز کے قائل ہیں۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب مصفّی شرح موطّا میں اس مسئلہ کو فتوی کی شکل دیتے ہوئے کہتے ہیں:

"اما مخابرہ و آں عمل کردن در زمین است بشرط بعض خارج زمین از یکے باشد و بذر و عمل از دیگرے و مزارعت و آں عمل کردن است در زرع بشرط بعض خارج زمین و بذر از یکے باشد و عمل از دیگرے جائز است یا نہ؟

اس مسئلہ پر فتوی شاہ صاحب نے جواز میں دیا فرماتے ہیں:

میں فقیر دریں مسئلہ بمذہب امام احمد از جواز ہر دو۔ (۱۱)

شاہ ولی اللہ صاحب اپنی کتاب البذور البازغہ میں جواز مزارعت کے سبب کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"لوگوں میں خلقی طور پر مساوات نہیں ہے ان کی طبیعتوں میں اختلاف ہے۔ صلاحیتوں اور استعدادوں میں فرق ہے اس لئے صالح سوسائٹی کے قیام کے لئے افراد میں باہمی تعاون اور غمخواری کا جذبہ پیدا ہونا ضروری ہے کیونکہ ہر شخص اپنی ضرورتوں کے رفع کرنے کے لیے دوسرے کا محتاج ہوتا ہے بسا اوقات کوئی شے کسی کے پاس موجود ہوتی ہے۔ لیکن اسے کار آمد بنانے کے لئے دوسرے شخص کی ضرورت ہوتی ہے۔ مثلاً" زمین کسی کے پاس ہے لیکن جو تنے اور بونے کا سامان اس کے پاس نہیں ہوتا یا سامان ہوتے ہوئے بھی صاحب زمین کو کاشتکاری کرنے کی ہمت و طاقت نہیں ہوتی یہی حال اموال منقولہ کا ہوتا ہے کہ راس المال کسی کے پاس موجود ہے لیکن تجارت کرنے کی فرصت اس کو نہیں ملتی یا تجارت کرنے میں مشقت برداشت کرنے کی ہمت نہیں ہوتی یا وہ شخص اس سے زیادہ اہم کام میں مصروف ہونے کی وجہ سے اس کو ناپسند کرتا ہے اس لئے باہمی تعاون اور دوسرے کا مال دے۔ کر اس کو نفع میں شریک کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔" (۱۲)

شاہ صاحب نے مزارعت کے جواز میں جس حیثیت سے گفتگو کی ہے۔ وہ دراصل ایسی حقیقت ہے جس کے بغیر کوئی صالح نظام نہیں چل سکتا نہ ہی صالح سوسائٹی قائم ہو سکتی ہے۔ اس لئے مزارعت کو ناجائز قرار دینے کی بجائے جواز کے تحت جو نقائص اس کی آڑ میں جنم لیتے ہیں انھیں دور کرنا چاہیے۔ یعنی ظلم، زبردستی۔ دھوکہ۔ وعدہ خلافی۔ حق تلفی۔ حرام وغیرہ۔

فتاوی دارالعلوم دیوبند کے مصنف مفتی عزیزالرحمن لکھتے ہیں کہ مزارعت جائز ہے فتوی کی شکل میں سوالاً" جواباً" بیان کرتے ہیں:

سوال نمبر ۱۲۶۰ زمین کو بٹائی پر دینا جس کو مزارعت کہا جاتا ہے جائز ہے یا نہیں اور جائز ہے تو اس کی شرطیں کیا ہیں۔ الجواب اقول و باللہ التوفیق ۔ درباره مزارعت مفتی بہ قول صاحبین ہے اور صاحبین کے نزدیک مزارعت کی صحت کی آٹھ شرطیں ہیں۔ جو درمختار میں بیان کی گئی ہیں۔ قال فی الدر المختار ولد تصح عندالامام لانها کقفیز الطحان وعندهما تصح و به یفتی للحاجة و قیاسا" هی المضاربة بشروط ثمانیةالخ

اور اسی میں بیان یعنی (مذکورہ فتوی) کے بارے رسم المفتی میں ہے۔ (اما العلامات للافتاء فقوله وعلیه الفتوی وبه یفتی و به ناخذ الخ)

ایک اور کتاب میں ہے:

(واما نحن فعلينا اتباع مارحجلوه وما صححوه كما لوافتوا فی حیاتهم)
ان مندرجہ بالا عبارات سے واضح ہے کہ ہم لوگوں کو اسی قول پر فتوی دینا چاہیے۔ جس کو مشائخ نے مفتی بہ قرار دیا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ تحریرات مرسلہ میں تحریر مولوی غلام محمد صاحب صحیح ہے اور جواب ان کا حق ہے۔ مولوی محمد فاضل صاحب کا جواب صحیح نہیں۔ اور اعتراض ان کا غیر صواب ہے واللہ تعالی اعلم۔ (۱۳)

فتاوی دارالعلوم دیوبند کے مصنف مفتی محمد شفیع ہیں۔ اسے امداد المفتین کامل بھی کہتے ہیں۔ یہ چودھویں صدی ہجری کا فتاوی ہے۔ مصنف مزارعت کے قائل ہیں۔ مزارعت کے چیدہ چیدہ مسائل پر ہی روشنی ڈالی گئی ہے۔ (۱۴)

امداد الفتاوی کے مصنف اشرف علی تھانوی ہیں۔ یہ فتاوی چودھویں صدی ہجری کا ہے۔ اس میں مصنف نے دیگر خاص خاص مسائل پر روشنی ڈالی ہے۔ جو آگے آئیں گے مصنف مزارعت کے جواز کے قائل ہیں۔ (۱۵)

عین الہدایہ کے مصنف سید امیر علی ہیں۔ یہ چودھویں صدی ہجری کا فتاوی ہی۔ اس کے مصنف مزارعت کے قائل ہیں۔ حدایہ کی شرح کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"وقالا جائزہ اور صاحبین ابو یوسف و محمد نے فرمایا کہ مزارعت جائز ہے۔ ف اور یہی امام احمد و جمہور علماء کا قول ہے:

پہلی دلیل۔ لما روی ان النبی علیہ السلام عامل اہل خیبر علے نصف ما یخرج من ثمرا و زرع۔
(اس واسطے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر کے ساتھ نصف پیداوار پر جو پھل و زراعت سے ہو کیا) ف یعنی جب خیبر فتح کیا تو وہاں کے یہودیوں کو کاشتکار و عامل اس شرط پر رکھا کہ زمین سے جو کھیتی پیدا ہو یا باغوں سے جو پھل پیدا ہوں اس کا نصف عامل کے واسطے ہے۔ اور نصف اہل ملک کے واسطے ہے۔

دوسری دلیل۔ دلا نہ عقد شرکۃ بین المال والعمل فجوز اعتبارا بالمضاربۃ
(اور اس دلیل سے کہ عقد مزارعت ایک عقد شرکت درمیان مال و عمل کے ہے تو بقیاس مضاربت کے جائز ہے) ف یعنی جیسے مضاربت میں رب المال کی طرف سے مال اور مضارب کی طرف سے کام ہوتا ہے۔ اور حاصلات میں شرکت ہوتی ہے۔ اسی طرح مزارعت میں کاشتکار کی طرف سے کام اور مالک کی طرف سے مال ہے۔ تو پیداوار کی شرکت جائز ہے۔ پس مضاربت پر مزارعت کا قیاس کیا۔

تیسری دلیل۔ قیاس میں مقیس علیہ و مقیس کے درمیان کوئی علت مشترکہ چاہیے جو وجہ قیاس ہو تو فرمایا والجامع دفع الحاجۃ (اور مشترکہ وجہ قیاس دفع ضرورت ہے) ف یعنی دفع ضرورت کی وجہ سے مضاربت کی شرکت جائز ہے اسی طرح دفع ضرورت کے واسطے مزارعت جائز ہے۔

"فان ذاالمال قدلا یہتدی الی العمل
(کیونکہ مالدار کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس کو کام کا ڈھنگ نہیں ہوتا ہے)۔ ف تو مال رائیگاں رہتا ہے۔ اس سے

کوئی تجارت یا پیداوار نہیں کرسکتا۔

والقوی علیہ لا یجد المال

(اور جو کام میں ہوشیار ہے وہ کبھی مال نہیں پاتا ہے)۔ ف تو اس کی ہوشیاری رائیگاں ہو جاتی ہے۔ جس سے کچھ نفع نہیں حاصل ہوتا ہے۔

فمست الحاجۃ الی انعقاد ہذا العقد بینہما

(تو ضرورت پڑی کہ ایسا عقد معاملہ ایک مالدار و ایک ہوشیار میں منعقد ہو جاوے)۔ ف یعنی جائز ہو جاوے۔

چوتھی دلیل

پھر جواز مزارعت کا قول جمہور علماء سے منقول ہے جن میں علیؓ، سعدؓ، ابن مسعودؓ و آل ابوبکرؓ، آل علیؓ و عمر بن عبدالعزیزؒ و ابن المسیبؒ و ابن سیرینؒ و عبدالرحمٰنؒ بن الاسود و موسیٰ بن طلحہ وغیرہم جماعت ہیں۔

(حدیث) صحیح بخاری میں ہے کہ قیس بن مسلم نے ابو جعفر سے روایت کی کہ مدینہ میں مہاجرین کا کوئی خاندان نہ تھا مگر آنکہ وہ تہائی و چوتھائی پر مزارعت کرتے تھے۔ پھر اہل زراعت میں ایک جماعت مذکورین کو بیان کیا۔

(۱۶)

مولانا امجد علی اپنی کتاب بہار شریعت میں مزارعت کے جواز پر فتویٰ دیتے ہیں۔ جیسے کہ انہوں نے فرمایا:

"امام اعظمؒ کے نزدیک مزارعت ناجائز ہے مگر فتویٰ قول صاحبین پر ہے کہ مزارعت جائز ہے۔ مزارعت کے متعلق مختلف قسم کی حدیثیں آئیں بعض سے جواز ثابت ہوتا ہے اور بعض سے عدم جواز اسی وجہ سے صحابہ و ائمہ میں اس کے جواز و عدم جواز میں اختلاف رہا۔ اور یہ اختلاف جواز و عدم جواز والی احادیث کے سبب رہا جو کہ درج ذیل ہیں۔

الف۔ صحیح مسلم میں عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے۔ ہم مزارعت کیا کرتے تھے اس میں حرج نہیں جانتے تھے یہاں تک رافع بن خدیجؓ نے جب یہ کہا کہ نبیؐ نے اس سے منع فرمایا ہے تو ہم نے اسے چھوڑ دیا۔

ب۔ صحیح بخاری و مسلم میں رافع بن خدیجؓ سے مروی ہے۔ مدینہ میں سب سے زیادہ ہمارے کھیت تھے اور ہم میں کوئی شخص زمین کو اس طرح کرایہ پر دیتا کہ اس ٹکڑے کی پیداوار میری ہے اور اس کی تمہاری تو کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک میں پیداوار ہوتی ہے اور دوسرے میں نہیں ہوتی لہٰذا نبی کریمؐ نے ان کو منع فرما دیا۔

حدیث۔ صحیحین میں حنظلہ بن رافع بن خدیجؓ سے راوی کہتے ہیں۔ میرے دو چچاؤں نے مجھے خبر دی کہ حضورؐ کے زمانے میں کچھ لوگ زمین کو اس طرح دیتے کہ جو کچھ نالیوں کے آس پاس پیداوار ہوگی وہ مالک زمین کی ہے۔ یا مالک زمین پیداوار میں سے کسی مخصوص شے کو اپنے لئے مستثنیٰ کرلیتا۔ لہٰذا نبیؐ نے اس سے منع فرما دیا۔ کہتے ہیں میں نے رافع سے پوچھا کہ روپیہ اشرفی سے زمین کو دینا کیسا ہے تو کہا اس میں حرج نہیں۔ بعض راوی کہتے ہیں کہ جس صورت میں ممانعت ہے اس کو جب وہ شخص دیکھے گا۔ جسے حلال و حرام کی سمجھ ہے وہ جائز نہیں کہہ سکتا۔

ج۔ صحیح بخاری و مسلم میں عمرو بن دینار سے مروی ہے کہتے ہیں میں نے طاؤس سے کہا کہ مزارعت چھوڑ دیتے تو اچھا تھا کیونکہ لوگ یہ کہتے ہیں اس سے نبیؐ نے ممانعت فرمائی ہے انہوں نے کہا اے عمرو اس ذریعہ سے لوگوں کو میں دیتا ہوں اور لوگوں کی اعانت کرتا ہوں اور مجھے ابن عباسؓ نے یہ خبر دی کہ نبیؐ نے اس کو نفع نہیں فرمایا اور حضورؐ نے یہ فرمایا کہ کوئی شخص اپنے بھائی کو زمین مفت دے دے یہ اس سے بہتر ہے کہ اس پر اجرت لے۔

د۔ صحیح بخاری میں ابو جعفر یعنی امام بن محمد باقرؒ سے مروی ہے۔ مدینہ میں مہاجرین کا کوئی گھرانہ ایسا نہیں جو تہائی اور چوتھائی پر مزارعت نہ کرتا ہو اور حضرت علی و سعد بن مالک و عبداللہ بن مسعود و عمر بن عبدالعزیز و قاسم و عروہ و آل ابی بکر و آل عمر و آل علی و ابن سیرین سب نے مزارعت کی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔۔(۱۷)

خلاصہ الفتاوی مع مجموعہ الفتاوی کے مصنف عبدالرشید بخاری ہیں۔ یہ فتاوی چودھویں صدی ہجری یعنی ۱۳۰۴ھ میں لکھا گیا۔ مصنف مزارعت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

عند محمد و عند ابی یوسفؒ لا یزداد علی المشروط والمزارعة جائزة علی قولھا والفتوے علی قولھما ثمہ انما فرع المسائل علی قول من جوّز المزارعة لعلمہ ان الناس لا یاخذون بقولہ۔ (۱۸)

مصنف بھی گزشتہ علماء کی طرح صاحبینؒ کے مطابق جواز کا فتوی دیتے ہیں۔ کہ اگر شرائط کا لحاظ رکھا جائے تو مزارعت جائز ہے۔ اور فتوی ان امام محمد و ابو یوسف کے قول پر ہی ہے۔

خاکسار میر غلام قادر ہمدانی کے حوالے سے مزارعت کا جائزہ لیا جائے تو انہوں نے اپنی کتاب مسئلہ ملکیت زمین و مزارعت میں کافی تفصیلی بحث کی ہے۔ یہ چودھویں صدی ہجری کے سکالر ہیں۔

مصنف لکھتے ہیں زمین کو آباد کرنے کا مطلب ایک بنجر زمین بنانا' سنوارنا اور زیر کاشت لانا ہے' لہٰذا زمین پر جو حقوق خود کاشتی کی بناء پر قائم ہوتے ہیں وہ اصح اور خارج از بحث ہیں۔ یہ حق ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ دوسری شکلیں یوں پیدا ہوتی ہیں۔ مثلاً" ایک مسلمہ مالک قابض اس زمین کو اپنی زندگی میں کسی دوسرے شخص کے نام حق انتفاع بذریعہ بیعہ۔ رہن۔ ہبہ۔ وراثت منتقل کردے اور قبضہ اس کے سپرد کردے۔

اگر ان پانچ صورتوں میں سے کسی صورت پر ایک شخص کو زمین کے کسی قطعہ پر حقوق حاصل ہوں لیکن وہ کھیتی باڑی کے علاوہ کسی اور مشغلہ میں زندگی گذار رہا ہے۔ یا وہ تجارت کرتا ہے۔ حکومت کے عمال کی حیثیت سے ملازم ہو یا وہ صنّاع ہو یا وہ عورت ہو یا اس قابل ہی نہیں کہ وہ زمین میں کاشت کاری اپنے ہاتھ سے کرسکے۔ تو ایسی صورت میں مالک زمین اپنی زمین انتفاع کی خاطر ذیل کی تین صورتوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرکے مزارعت کا اہتمام کرسکے گا۔

ا۔ نقد اجرت یومیہ دے کر کھیتی باڑی کا تمام کام مزدوروں یا کاشت کار افراد کو سالانہ یا ماہانہ تنخواہ مقرر کرکے

دے اور کاشت کرائے۔

۲۔ کام کرنے والے کھیت کے مزدور سے یہ طے کرے کہ زمین کی پیداوار سے متعین حصہ (مقدار) اسے دی جائے گی مثلاً" فی کنال دو من غلہ یا اس طرح جو طے پا جائے۔

۳۔ زمین کی پیداوار کا ایک حصہ یعنی نصف یا تہائی اسے دی جائے گی اور زمین اور تخم مالک زمین کا ہو گا۔ ہل' بیل اور محنت مزارع کی ہو گی۔

مذکورہ پہلی دونوں صورتوں میں کام کرنے والا مزدور کہلائے گا اور تیسری صورت میں مزارع کہلائے گا۔

جہاں تک متعین اجرت پر کام کرنے کا تعلق ہے اس میں شریعت اسلامی کی رو سے کسی قسم کی قطعا" قباحت نظر نہیں آتی۔ یہ باہمی قرار داد (معاہدہ) رضامندی اور انصاف سے دونوں فریقوں میں طے پاتی ہے۔ اور عین تجارتی اصولوں پر مبنی ہے لیکن ٹھیکہ یا کرایہ پر مزارعت کے لئے دینے میں کچھ پیچیدہ صورتیں نظر آتی ہیں۔ اسی پہلو میں فقہائے اسلام کا باہم اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ اور دونوں گروہ جواز و عدم جواز کے حوالے سے احادیث ہی کا سہارا لیتے ہیں۔ مزارعت کی رخصت محض ان محدود استثنائی صورتوں کے لئے ہے جہاں زمین کسی ایسے شخص کے پاس پیشتر ازیں بیان کردہ پانچ صورتوں میں سے کسی ایک صورت سے پہنچ جائے جو خود بہ عذر معقول کاشت کرنے سے معذور ہو ورنہ اصل روح کے لحاظ سے اولیٰ فیصلہ وہی ہے کہ زمین خود کاشت کی بنیاد پر تقسیم ہو۔

مزارعت محولہ بالا استثنائی صورتوں کے علاوہ کسی اور صورت میں جائز نہیں۔

جو لوگ مزارعت کی ناجائز صورتوں کے جواز کی تلاش میں ادھر ادھر کی باتوں کا آسرا لیتے ہیں۔ ان کے متعلق بلا روک ٹوک یہ کہنا درست ہے کہ یہ لوگ جاگیرداروں' زمینداروں اور مروّجہ اصطلاح میں سامراجیت کے نمائندے ہیں ورنہ شریعت اسلامی کے قطعی اور حتمی فیصلے یہی ہیں۔ جو بیان کر دیے گئے ہیں۔ (۱۹)

تقی امینی اپنی کتاب اسلام کا زرعی نظام میں مزارعت کے جواز سے متعلق لکھتے ہیں:

"حقیقت یہ ہے کہ مزارعت ایک قسم کا معاہدہ ہوتا ہے۔ جس کی رو سے کاشتکار زمین کو بٹائی پر لیتا ہے۔ اور صاحب زمین کاشتکار کی محنت کا معاوضہ غلہ کی صورت میں ادا کرتا ہے۔ اور کاشتکار صاحب زمین کی زمین کا کرایہ غلہ کی صورت میں دیتا ہے۔ اگر اس معاہدہ میں نیک جذبہ ہو اور زمین و محنت کے پیش نظر ہر ایک کو اپنا اپنا حق پانے کی توقع ہو تو یہ باہمی تعاون و تشارک اور ہمدردی و غمخواری کی بہترین شکل ہے۔

اگر یہ صورت نہ پائی جائے بلکہ کاشتکار کی مجبوری و بے بسی صاحب زمین کی ازدیاد دولت کا سبب بنے یا دونوں میں سے کسی جانب سے بددیانتی اور خیانت کا اندیشہ ہو تو ایسی حالت میں اسلام مزارعت کی اجازت نہیں دے سکتا۔ (۲۰)

مولانا مجیب اللہ ندوی اپنی کتاب اسلامی فقہ میں جواز مزارعت سے متعلق لکھتے ہیں کہ مزارعت کی صورتیں یہ ہیں خود کاشتی' اجارہ (لگان) بٹائی (مزارعت)

"اگر آدمی کسی وجہ سے خود کھیتی باڑی نہیں کرتا ہے یا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے تو اس کو یہ حق ہے کہ وہ دوسروں کو لگان یعنی نقد لے کر اپنی زمین دے دے اس صورت میں مالک لگان پائے گا اور مزارع یعنی کاشتکار پوری پیدوار کا مالک ہوگا۔ یا اگر وہ لگان پر نہیں دیتا یا کوئی لگان پر نہیں لیتا تو پھر وہ بٹائی پر دے دے۔ یعنی غلہ میں آدھا مالک کا اور آدھا کاشتکار کا یا کم و بیش (لگان پر دینے کو شریعت میں اجارہ ارض اور بٹائی پر دینے کو مزارعت کہتے ہیں)۔ مصنف لکھتے ہیں کہ مزارعت یعنی بٹائی پر زمین دینے کو بعض صحابہ اور آئمہ اربعہ میں سے بیشتر حضرات نے مطلقاً" ناپسند کیا ہے۔ البتہ کچھ شرائط کے ساتھ جائز کہا ہے۔ لیکن اجارہ ارض یعنی زمین کو لگان پر دینے میں سب کا اتفاق ہے۔

مصنف لکھتے ہیں کہ مزارعت کا معاملہ اپنی ابتداء میں تو اجرت اور کرایہ کا معاملہ ہوتا ہے مگر نتیجہ کے اعتبار سے یہ شرکت کا معاملہ ہے۔ جس طرح اجرت اور کرایہ کے معاملہ میں کسی چیز کا فائدہ آدمی کچھ معاوضہ دے کر حاصل کرتا ہے۔ اسی طرح مزارعت میں ایک مزارع یعنی کاشتکار مالک زمین سے ایک متوقع فائدے کے پیش نظر اپنی زمین اس کے حوالے کرتا ہے۔ لیکن اس معاملہ کے نتیجہ میں جو پیداوار ہوتی ہے۔ اس کی تقسیم ان ہی اصولوں پر ہوتی ہے جن اصولوں کی بنا پر کوئی شراکتی کاروبار کے فائدے کی تقسیم ہوتی ہے۔ اس لئے مزارعت کے معاملہ میں اجرت و شرکت دونوں کے شرائط و قیود کا لحاظ ضروری ہے' جیسا کہ بدائع الصنائع ج ۶' ص ۱۷۷ پر ہے۔

المزارعة نوع شركة على كون الاراضى من طرف والعمل من طرف اخر۔ والحاصلات تقسيم بينهما ۔ (۲۱)

مولانا عبدالغفار حسن اپنے مقالہ مزارعت پر تحقیقی نظر میں انتہائی عمیق نگاہ سے شریعت اسلامیہ میں مزارعت پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

"ائمہ سلف و خلف کے مختلف مسالک پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے درمیان زمین کی انفرادی ملکیت کے بارے میں کوئی اختلاف نہ تھا۔ اختلاف اس بات میں تھا کہ اس ملکیت کی حدود کیا ہیں اور مالکانہ حقوق کا استعمال کیسے کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ حرمت مزارعت کے قائل ہونے کے باوجود کراء الارض بالذہب والورق یعنی سونے چاندی کے عوض کرایہ پر دینے کو جائز قرار دیتے ہیں۔" (۲۲)

مولانا حیدر زمان خان صدیقی اپنے مقالہ "مسئلہ مزارعت پر تحقیقی نظر" میں دیگر علماء سے الگ فکر پیش کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"موجودہ زمینداریوں کا تاریخی جائزہ لیا جائے اور پھر ملکیت زمین کی شرعی حیثیت کو بھی مدّ نظر رکھا جائے تو اس بات میں کسی طرح کا الجھاؤ باقی نہیں رہنا چاہیے کہ جب ہمارے زمانہ کی اکثر و بیشتر زمینی ملکیتیں سرے سے جائز و صحیح ہی نہیں ہیں تو ان میں عقد مزارعت کا تحقق ہی کیسے ہو سکتا ہے؟ یعنی آپ جس کو مالک زمین تصور کرتے ہیں وہ دراصل مالک ہی نہیں ہے اور جس کو آپ موروثی یا غیر موروثی مزارع کہتے ہیں وہ حقیقت میں

زمین کا آبادکار ہے اور شرعی نقطہ نظر سے یہی اس کا حقیقی مالک ہے۔ مصنف مزید لکھتے ہیں:

"اب دوسری باتوں سے قطع نظر مزارعت کے مسئلہ پر ہمیں اس نقطہ نظر سے غور کرلینا چاہیے۔ کہ کیا معاملہ مزارعت اپنی ذات کے اعتبار سے سودی کاروبار کی طرح معاشرہ میں مستقل اور دائمی شورش و اضطراب پیدا کرنے والا تو نہیں ہے۔ اس بات کو نہ دیکھیے کہ مزارعت کا رواج شروع سے چلا آتا ہے۔ اور اس کے قائلین جواز میں بڑے بڑے اہل علم و تقوی بھی شامل ہیں۔ ہمیں ان بزرگوں کے علم و تقوی سے انکار نہیں ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ہمارے دل میں ان بزرگان دین کا احترام کسی دوسرے سے کم نہیں ہے۔ لیکن اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ علماء سلف میں سے جنھوں نے مزارعت کو ناجائز قرار دیا ہے وہ بھی علم و تقوی میں کسی سے کم نہیں ہے۔

مگر آج ہمیں یہ حق حاصل ہے کہ علماء سلف کے ان دو گروہوں کے دلائل و شواہد کا جائزہ لیں اور جو رائے کتاب و سنت سے قریب تر ہو اس کو اپنا لیں"۔ غرض مولانا حیدر زمان صدیقی صاحب نے بھی وہی انداز اختیار کیا ہے جو چودھویں صدی ہجری کے دیگر سکالرز اور علماء حضرات کا ہے یعنی مزارعت پر بات ایک ہی طور سے کی ہے جیسے کہ

○--- ملکیت زمین کا معاملہ

○--- تحدید ملکیت زمین کا معاملہ

○--- مزارعت قرآن کے حوالے سے

○--- مزارعت احادیث کے حوالے سے

○--- مزارعت آثار صحابہ و فقہاء کے حوالے سے

○--- دونوں گروہوں کے دلائل

○--- فیصلہ آخر میں قارئین پر چھوڑ دیتے ہیں۔

اپنی واضح رائے دینے سے اجتناب کرتے ہیں۔

مولانا حیدر زمان صدیقی لکھتے ہیں کہ درج ذیل صورتیں کھیتی باڑی کی تمام علماء و فقہاء کے نزدیک درست ہیں۔

۱۔ خود کاشتی۔

۲۔ نقد اجرت دے کر کاشت کرانا اس کی دو اقسام ہیں۔

i۔ ایک یہ کہ مالک زمین کسی شخص کو مزدور کی حیثیت سے استعمال کرے اور اس کی محنت کی اجرت نقد دے کر پوری پیداوار خود لے لے۔

ii۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مالک زمین کاشتکار سے نقد لگان وصول کرلے اور پیداوار پوری کی پوری کاشت کار کے پاس رہے۔ دراصل اختلاف اس صورت میں ہے کہ زمین کی پیداوار کے ایک حصہ پر زمین کاشت

کرنے کو دی جائے۔ جس کو مزارعت کیا جاتا ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ ممنوع صورت ہے۔ (۲۳)
شہزاد اقبال شام اپنے مقالہ مزارعت اور مساقات میں لکھتے ہیں:
"اسلامی معاشرہ میں مزارعت کبھی متنازعہ فیہ معاملہ نہیں رہا جس پر فقہا کی متضاد آراء پائی جاتی ہوں بلکہ مزارعت کا معاملہ اسلامی معاشرے میں ہمیشہ سے خوش اسلوبی سے چلا آرہا ہے۔ کیونکہ اسلامی معاشرہ میں جب بھی عملی اور تحقیقی اعتبار سے کوئی شے امت کو بحیثیت مجموعی قابل قبول ہوتی ہے تو اس کے بین السطور قرآن و سنت کی تعلیمات، رسول اللہ کا عمل اور صحابہ کرام اور دوسرے مسلمانوں کا اجتماعی عمل ہوتا ہے۔ یہی وہ پیمانہ ہے جو کسی بھی جدید فکر و فلسفہ کے درست یا غلط ہونے کی نشاندہی کرتا ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک شے قرنوں سے اسلامی تہذیب کے رگ و ریشے میں رچی بسی ہو قرآنی تعلیمات اس کے حق میں ہوں رسول اللہ کی مجموعی تعلیمات صحابہ کرام کو اس کے بارے میں ایک خاص طرح کا طرز عمل اس طرح اختیار کروا رہی ہوں کہ بعد میں آنے والے بھی اسے اختیار کرتے جائیں، علمی حلقوں میں اس کے ایک ایک گوشے پر بحث و نظر کی علمی محفلیں منعقد ہو چکی ہوں اور لا تجتمع امتی علی الضلالہ (میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی) حدیث نبویؐ کی تفسیر مسلمانوں کا اجتماعی عمل کر رہا ہو اور پھر یکایک اس کے عدم جواز کے دلائل قرآن و سنت ہی سے ملنے شروع ہو جائیں یہی رویہ مزارعت کے ساتھ اختیار کیا گیا جس کی بڑی وجہ موجودہ جاگیرداری نظام اور اس کی خرابیاں ہیں۔
شہزاد اقبال شام مزید لکھتے ہیں:
"مزارعت بہت سے معاملات میں سے ایک معاملہ ہے۔ اگرچہ فنی لحاظ سے کتب فقہ میں اس کی تمام جزئیات کا احاطہ کیا جاتا ہے۔ تاہم عملاً" اسلام نے بہت ہی سادہ اور سہل انداز میں اسے لوگوں کے لئے وضع کیا ہے۔ کہ زمین کا مالک کسی وجہ سے اپنی زمین خود کاشت نہ کرنا چاہے تو کچھ شرائط پر کسی دوسرے کو کاشت کے لئے دے دے تاکہ ایک تو وسائل ضائع نہ ہوں اور دوسرے یہ کہ ضرورت مند کو کام کرنے کے مواقع حاصل رہیں یہ ایک معاشرتی معاملہ ہے جس میں فریقین کے معاشرتی رتبے کا دخل قطعاً" نہیں ہے۔ نہ اس میں ذات پات کی تقسیم کا تصور ہے کہ جو کاشتکاری کرے وہ تو کھشتری گردانا جائے اور جو زمین کا مالک ہو وہ اونچی ذات کا برہمن قرار پائے بلکہ عین ممکن ہے کہ اسلامی معاشرے کا زمین دار آج اپنی زمین کسی دوسرے کو کاشت کے لئے دے رہا ہو تو کل وہ زمین بیچ کر صنعت و حرفت کے طرف مائل ہو جائے۔ حتیٰ کہ اس کی اولاد کسی دوسرے کی زمین لے کر کاشتکاری کرتی نظر آئے۔

شریعت اسلامیہ میں مزارعت :

صرف مزارعت کے بارے میں شرعی احکام کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے۔ کہ رسول اللہ سے قبل زمین کو بٹائی پر دینے کا رواج عام تھا جس کے بارے میں قرآن خاموش ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ نے اسے درست قرار دیا اور اس میں کسی تبدیلی کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ اگر مزارعت میں کوئی بڑی

خرابی ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس کی اصلاح کے لیے حکم نازل فرماتے۔ لیکن قرآن نے اس وقت کے معاشرے میں رائج مزارعت کے بارے میں سکوت اختیار کرکے اسے جائز قرار دیا۔ جہاں تک احادیث کا تعلق ہے تو ان میں ہمیں دونوں طرح کی احادیث ملتی ہیں۔ جن میں بعض احادیث مزارعت کو غلط قرار دیتی ہیں۔ اور بعض اس کے جواز پر دلالت کرتی ہیں۔ یہ دونوں طرح کی احادیث مستند کتب احادیث میں موجود ہیں۔ جن پر فقہاء نے ابتدا ہی سے نقد و جرح کے بعد ایک معتدل اور متوازن نقطہ نظر پیش کیا جس میں جزوی طور پر اختلاف تو موجود ہے لیکن بحیثیت مجموعی امت مسلمہ نے مزارعت کو قبول کیا اس لیے بعد کے ادوار میں یہ بات زیر بحث نہ رہی کہ مزارعت جائز ہے یا اس کے جائز ہونے میں کوئی شک و شبہ ہے۔

امام ابو حنیفہ“، امام زفرؒ، امام شافعیؒ کے ایک قول کے علاوہ تمام فقہائے امت مزارعت کے معاملہ کو جائز قرار دیتے ہیں۔ احناف کے دو بڑے فقہاء امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ بھی مزارعت کے جواز کے قائل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فقہ حنفی کے تمام مفتی مزارعت کے جواز پر فتوی دیتے چلے آئے ہیں۔ (۲۴)

ان کی دلیل حدیث خیبر ہے (ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے اہل خیبر کے ساتھ پھلوں اور دوسری زرعی پیداوار کے لئے نصف نصف پر معاملہ کیا) صحیح بخاری و مسلم

امام ابو حنیفہ“ کا مزارعت کو جائز کہہ دینا؟

مزارعت کے قائلین یہ تک کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ“ بھی مزارعت کو اس صورت میں جائز قرار دیتے ہیں۔ جب کہ زمیندار اور کاشتکار دونوں آلات کشاورزی اور بیج کے مالک ہوں۔ اس صورت میں گویا کاشتکار نے زمین کو آلات کشاورزی اور بیج کے عوض کرایہ پر لیا اور اسی زمین کی پیداوار کا ایک مقررہ حصہ اس کو ملے گا۔ جو باہمی رضامندی کی بنا پر ہوگا نہ کہ اجرت کے طور پر امام ابوحنیفہ“ کے بارے مذکورہ رائے کے قائلین کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ“ دراصل مزارعت کی وہ صورت ممنوع قرار دیتے ہیں کہ اسی جنس میں سے حصہ مخصوص کیا جائے جس کو بویا جائے ان کے نزدیک یہ قفیزالطحان (یعنی بھاڑا) ہے۔

فتاوی ابراہیم شاہی میں موضوع زیر بحث کے بارے آیا ہے۔ وفی المصفے والقیاس بترک مالبقامل کما فی الاستضاع کذا فی الھدایۃ وفی التھذیب المزارعۃ فاسدہ عند ابی حنیفۃ“ رحمۃ اللہ ولوزرعھا فلہ اجر مثلہ خرج منہ شئی اولم یخرج وعند ھما جایزۃ وعلیہ الفتوی لعموم البلوی کذا فی السراجیہ وفی الزمنی من الطحاوی والمصفی ثم الحیلہ لان حنیفہ رحمۃ اللہ فی جواز المعاملہ والمزارعۃ ان یستاجر العامل باجرۃ معلومۃ فاذا مضت تلک المدۃ یجب الامر سواء حصل مسناک خراج اولم یحصل ثم تراضیا“ علی بعض الخارج مکان الاجرۃ فیجوز ذلک وفی الکبری۔ (۲۵)

مذکورہ عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ امام غزالیؒ کی کتاب المصفے میں آیا ہے کہ امام ابو حنیفہ“ کے حوالے سے قیاس اس بات کی طرف راجع ہے کہ مزارعت ترک کی جائے۔ ھدایہ اور تھذیب میں بھی امام ابوحنیفہ“ کی

طرف سے ہی موقف ہے۔ لیکن اگر وہ زراعت کرلے بغیر اجازت کے تو محنت کی اجرت دی جائے گی۔ کچھ پیداوار ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ فتویٰ بھی اسی پر ہے۔ کیونکہ عوام الناس اس پر عمل کر رہے ہیں۔ یہی بات سراجیہ، زمنی، طحاوی اور مضمے میں ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے ہاں مزارعت اور مساقات کے جواز کے لئے حیلہ اختیار کیا گیا ہے کہ کسان یا مزدور اگر مالک زمین سے مقررہ اجرت پر زمین لے لے خاص مدت کے لئے تو یہ طریقہ درست ہے پیداوار ہو یا نہ ہو۔ پھر اگر وہ بعض پیداوار پر راضی ہوجائے یا اجرت لینے پر راضی ہوجائے تو درست ہے۔ یہ کبریٰ میں ہے

عین الہدیہ میں مذکور ہے:

وہی فاسدہ عند ابی حنیفۃ (اور امام ابو حنیفہؒ کے اجتہاد میں مزارعت فاسد ہے) ف اور یہی قول مالک و شافعی کا ہے اور یہ قول مجاہد و نخعی و عکرمہ وابن عباس کا ہے۔ خصافؒ نے حیلہ ذکر کیا کہ پہلے کوئی شخص زمین کو مزارعت پر لے پھر دونوں جھگڑا کریں اور ایسے قاضی کے حضور میں مقدمہ لاویں جو مزارعت کو جائز جانتا ہے پس جب وہ حکم جواز دے دے تو بالا جماع سب کے نزدیک جواز ہوگا۔ (۲۶)

میر غلام قادر ہمدانی خاکسار اپنی کتاب مسئلہ ملکیت زمین و مزارعت میں لکھتے ہیں:

"امام ابو حنیفہؒ صرف اسی صورت میں مزارعت یعنی بٹائی پر کاشت کا جائز ہونا قرار دیتے ہیں، جب مالک زمین اپنی زمین کے علاوہ دوسرے مصارف کاشت کے راس المال میں اپنا حصہ ڈالے اور اس کے مطابق منافع اور پیداوار میں حصہ لے۔ یعنی امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ مالک تخم، ہل اور بیل وغیرہ میں بھی کاشتکار کے ساتھ شریک ہو۔ اس فیصلہ سے یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ مزارعت کی اس شکل کو جس میں محض زمین کا مالک یا قابض ہونے کے سبب منافع پیداوار میں بٹائی کی صورت میں حصہ لے صحیح نہیں ہے۔ بلکہ زمین کے علاوہ کاشت کے مصارف میں بھی شرکت لازمی ہے۔ (۲۷)

مولانا تقی امینی موضوع زیر بحث کے بارے کہتے ہیں:

مشہور یہ ہے کہ مزارعت کو امام ابو حنیفہؒ ناجائز کہتے تھے اور ان کے دونوں شاگرد امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ جواز کا فتویٰ دیتے تھے۔ بعض کتب فقہ کی تصریحات اس کی تائید کرتی ہیں۔

مثلاً" مبسوط، ہدایہ، کنز الدقائق وغیرہ یعنی لا تجوز المزازعۃ والمساقات عند ابی حنفیہ۔

(مزارعت (کھیت کو بٹائی پر دینا) اور مساقات (درختوں کو بٹائی پر دینا) دونوں امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ناجائز ہیں)۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ ایک طرف امام ابو حنیفہؒ کا یہ مسلک بیان کیا جاتا ہے۔ کہ وہ مزارعت کو ناجائز کہتے ہیں۔ اور دوسری طرف مزارعت کے بارے میں بہت سے جزئیات ان کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں۔ جب کوئی مقنن کسی قانونی کلیہ ہی کو نہیں تسلیم کرتا تو اس کلیہ پر جزئیات کی تصریح کے کیا معنی ہیں۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ کسی کے نزدیک ایک کلیہ قابل تسلیم نہ ہو اور اس سے چند در چند جزئی مسائل کا استنباط کرکے ان کو

صحیح مانے۔

اس شبہہ کا جواب مختلف لوگ مختلف طریقوں سے دیتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ امام صاحب سے اجازت اور ممانعت کے بارے میں جو کچھ بیان کیا جاتا ہے اس پر غائر نظر ڈالنے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ امام موصوف نے اس سلسلہ میں بالکل وہی رویہ اختیار کیا تھا جو خلافت کے زمانہ میں تھا۔ یعنی انہوں نے لوگوں کو اس لئے (۱) منع کیا تھا کہ اس سے ناجائز فائدہ اٹھا کر کاشتکاروں کی محنت کا کھانے والا طبقہ پیدا نہ ہو اور صاحب زمین اپنی زمینیں دوسروں کو مفت دے کر عزیمت اور اولویت کا درجہ حاصل کریں۔ (۲) اجازت اس لئے دے دی تھی کہ جن صورتوں میں اس بات کے پیدا ہونے کا اندیشہ نہ ہو وہ امداد باہمی کی ایک بہترین شکل بن جاتی تھی۔ جس کی افادیت سے کوئی صالح سوسائٹی انکار کی جرات نہیں کر سکتی۔

الغرض امام ابو حنیفہؒ کے متعلق یہ خیال کرنا کہ وہ مزارعت کی ہر شکل کو ناجائز کہتے تھے عدم واقفیت کا نتیجہ ہے۔ انہوں نے اس شکل سے روکا تھا۔ جس میں باہمی نزاع اور حق تلفی کا اندیشہ تھا۔ یا یہ کہ مفت زمین دینے پر لوگوں کو زیادہ ترغیب دلائی ہو اسی کو دیکھ کر لوگوں نے یقین کر لیا ہو کہ امام صاحب مزارعت کو ناجائز کہتے ہیں۔ بالفرض اس بات کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ واقعی امام صاحب مزارعت کو نا درست سمجھتے ہیں تو بکثرت آثار و احادیث کی موجودگی میں ان کا یہ قول قابل اعتبار نہ ہوگا۔ (۲۸)

مولانا عبدالغفار حسن اپنی تصنیف مزارعت پر تحقیقی نظر میں لکھتے ہیں۔

"مزارعت کے بارے فقہاء و محدثین کرام میں دو مسلک پائے جاتے ہیں ایک مزارعت (بٹائی) کی ہر صورت ناجائز ہے۔ اس مسلک کے قائلین یہ حضرات ہیں۔ عکرمہؒ، مجاہدؒ، نخعیؒ، امام ابو حنیفہؒ، امام زفرؒ، امام شافعیؒ ۔ البتہ ان سب حضرات کے نزدیک مساقات کے ضمن میں مزارعت جائز ہے۔ مستقلاً علیحدہ نہیں یعنی باغ کے احاطہ میں ایک تہائی زمین بٹائی پر دی جاسکتی ہے۔" (۲۹)

شہزاد اقبال شام لکھتے ہیں:

امام ابو حنیفہؒ اور امام زفر سے بھی مزارعت کے بارے میں دو مختلف آراء منقول ہیں۔ ایک رائے کے مطابق وہ اسے فاسد قرار دیتے ہیں۔ باطل نہیں جیسا کہ فتاوی عالم گیری میں ہے کہ ان کی اس رائے میں احتیاط کو دخل ہے۔ ان کی دوسری رائے یہ ہے کہ اگر تہائی یا چوتھائی پر مزارعت کی جائے تو یہ باطل ہے۔ اس طرح امام شافعی بھی اسے ناجائز قرار نہیں دیتے سوائے اس کے کہ یہ مساقات (آبپاشی) کا معاملہ ہو وہ بھی احتیاج کی حالت میں جائز ہے۔ (۳۰)

مولانا محمد طاسین بیان کرتے ہیں:

رہا یہ سوال کہ اگر امام اعظم کے نزدیک مزارعت کا معاملہ بنیادی اور جوہری طور پر ایک باطل اور فاسد معاملہ تھا تو اس معاملہ سے متعلق وہ بعض ایسی تفریعات کے کیوں قائل ہوتے جو ایک بنیادی طور پر باطل معاملہ سے متعلق نہیں ہو سکتی مثلاً امام ابو حنیفہؒ کا یہ کہنا۔

فان سقی الارض وکربها ولم یخرج شیئاً فله اجر مثله۔

(پس اگر کاشت کار نے دوسرے کی زمین کو پانی سے سینچ دیا اور جوت دیا اور کوئی چیز زمین سے برآمد نہ ہوئی تو ایسی صورت میں کاشتکار کے لئے مالک زمین پر اجر مثل ہوگا)۔ (۳۱)

○--- تو اس سوال کا جواب وہی ہے جو بعض علماء نے ان الفاظ میں دیا ہے۔

ان الامام کان یعلم ان الناس لیسوا بعاملین علی مسالتی ففرع المسائل علی انهم ان زارعوها فما ذاتکون احکامها۔

(چونکہ امام صاحب یہ جانتے تھے کہ لوگ مزارعت کے معاملہ میں میرے قول پر عمل کرنے والے نہیں لہٰذا انہوں نے کچھ مسائل کی اس طرح تفریع کی کہ اگر کچھ لوگ مزارعت کا معاملہ کرلیں تو اس صورت میں اس کے احکام کیا ہونگے)۔ (۳۲)

طاسین فرماتے ہیں کہ

مطلب یہ کہ امام اعظم نے مزارعت سے بعض فروعی مسائل کے بارے میں جو بعض احکام تجویز کئے وہ اس وجہ سے نہیں کہ ان کے نزدیک یہ معاملہ بنیادی طور پر باطل معاملہ نہ تھا اس وجہ سے تجویز کئے کہ کاشت کار کو اس کے عمل و کام کا معاوضہ ضرور ملے اور اس کی محنت و مشقت یونہی رایئگاں نہ جائے۔ اس طرح بیج والے کو اس کے بیج کا عوض ضرور ملے جو اس کا حق ہے۔ (۳۳)

حواشی

(۱) الخطیب داؤد بن یوسف، فتاوی الغیاثیہ۔ قلمی عہد غیاث الدین بلبن۔
(۲) فتاوی قراخانی عہد جلال الدین فیروز خلجی۔
(۳) شرف محمد عطائی، فوائد فیروز شاہی۔ (قلمی نسخہ) باب مزارعت ص ۳۰۶ ۔ ۳۰۸۔
(۴) الشیخ ابوالفتح رکن بن حسام الناگوری، فتاوی حمادیہ (قلمی نسخہ)۔
(۵) پیر محمد شاہ، فتاوی تاتارخانیہ۔
(۶) فتاوی بابری، عہد ظہیرالدین بابر ۹۰۹ھ ۔ ۹۱۳ھ۔
(۷) علامہ مخدوم محمد جعفر بوبکانی، المتنانتہ مرمۃ الخزانتہ قلمی۔ (دسویں صدی ہجری)۔
(۸) احمد بن حمید الملقب بنظام گیلانی، فتاوی ابراہیم شاہی قلمی (عہد سلطان ابراہیم شاہ شرقی) ص ۱۷۳۔
(۹) فتاوی عالمگیری (مترجم سید امیر علی) کتاب المزارعت ص ۹۲۔
(۱۰) محمد عبدالغفار لکھنوی، فتاوی نورالہدایہ ترجمہ اردوی شرح وقایہ کتاب المزارعت جلد ۱ ص ۴۱۔
(۱۱) شاہ ولی اللہ، مصفی شرح موطا۔ ص ۵۴۔
(۱۲) شاہ ولی اللہ، البذور البازغہ۔ ص ۷۰۔
(۱۳) مفتی عزیزالرحمن، فتاوی دارالعلوم دیوبند/عزیزالفتاوی (تیرھویں صدی ہجری)۔ ص ۶۹۵ ۔ ۶۹۶۔
(۱۴) مفتی محمد شفیع، فتاوی دارالعلوم دیوبند/امداد المفتیں کامل (چودھویں صدی ہجری)۔
(۱۵) اشرف علی تھانوی صاحب، امداد الفتاوی۔ (چودھویں صدی ہجری)۔
(۱۶) مولانا سید امیر علی، عین الہدایہ کتاب المزارعت۔ جلد ۴ ص ۱۰۴ ۔ ۱۱۰۔
(۱۷) مولانا امجد علی، بہار شریعت کتاب المزارعت۔ ص ۷۵ ۔ ۷۶۔
(۱۸) مولانا عبدالرشید بخاری، خلاصۃ الفتاوی مع مجموعہ الفتاوی۔ کتاب المزارعت۔ جلد ۴ ص ۱۹۰۔
(۱۹) خاکسار میر غلام قادر ہمدانی، مسئلہ ملکیت زمین و مزارعت۔ ص ۱۵۳ ۔ ۱۵۸۔
(۲۰) مولانا تقی امینی، اسلام کا زرعی نظام۔ ص ۱۷۵۔
(۲۱) مولانا مجیب اللہ ندوی، اسلامی فقہ (زراعت مزارعت)۔ ص ۵۷۰ ۔ ۵۷۱۔
(۲۲) عبدالغفار حسن، مزارعت پر تحقیقی نظر۔ ص ۸۹۔
(۲۳) مولانا حیدر زمان صدیقی، مسئلہ مزارعت پر تحقیقی نظر۔ ص ۱۳۷ ۔ ۱۴۳۔
(۲۴) شہزاد اقبال شام، مزارعت و مساقات۔ ص ۴۰۲۔
(۲۵) احمد بن حمید الملقب بنظام گیلانی، بہ فتاوی ابراہیم شاہی۔ قلمی ص ۱۷۳۔
(۲۶) سید امیر علی، عین الہدایہ کتاب المزارعت۔ جلد ۴ ص ۱۰۴۔
(۲۷) میر غلام قادر ہمدانی، مسئلہ ملکیت زمین و مزارعت۔ ص ۱۷۱ ۔ ۱۷۳۔

(۲۸) تقی امینی مولانا، اسلام کا زرعی نظام۔ ص ۱۶۰۔ ۱۶۳۔

(۲۹) مولانا عبدالغفار حسن، مزارعت پر تحقیقی نظر۔ ص ۸۹۔

(۳۰) شہزاد اقبال شام، مزارعت و مساقات۔ ص ۴۔

(۳۱) امام محمد بن حسن الشیبانی، الجامع الصغیر۔ ص ۱۴۸۔

(۳۲) فیض الباری۔ جلد ۳ ص ۲۹۵۔

(۳۳) مولانا محمد طاسین، مروجہ نظام زمینداری اور اسلام۔ ص ۲۲۰۔ ۲۲۱۔

فصل III عدم جواز مزارعت

جن فقہا نے عدم جواز مزارعت پر فتویٰ دیا ہے ان میں نمایاں فقہ حنفی کے بانی امام ابو حنیفہؒ ہیں۔ ان کے موقف سے آگاہی امام ابو حنیفہؒ کے تلامذہ کی کتب سے ہوتی ہیں۔ کیونکہ فقہ میں امام ابو حنیفہؒ کی اپنی کوئی کتاب نہیں۔ اس لیے ان کے تلامذہ جو بھی نظریات اپنے استاد امام ابو حنیفہؒ کی طرف منسوب کریں گے انہیں پر انحصار کرنا پڑے گا۔ اور امام ابو حنیفہؒ سے متعلق جاننے کے لیے ان دو اہم تلامذہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کی کتب کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔

جیسا کہ امام ابو یوسفؒ اپنی تصنیف کتاب الخراج میں اپنے استاد امام ابو حنیفہؒ کے بارے لکھتے ہیں:

"کان ابو حنیفۃ ممن یکرہ ذلک کلہ فی الارض البیضاء و فی النخل و الشجر بالثلث والربع واقل واکثر۔"

(امام ابو حنیفہؒ ان لوگوں میں سے تھے جو مزارعت و مساقات کی ہر شکل کو برا اور ناجائز کہتے تھے۔ وہ خالی زمین ہو یا باغ و درختوں میں تہائی کے بدلے ہو یا چوتھائی کے یا اس سے کم کے یا زیادہ کے) (۱)

کتاب الخراج میں مزید لکھا ہے:

"وجہ آخر المزارعۃ بالثلث والربع فقال ابو حنیفۃ فی ھذا انہ فاسد و علی المستاجر اجر مثلھا۔"

(دوسری وجہ ہے مزارعت تہائی اور چوتھائی پر دینا پس امام ابو حنیفہؒ کا اس سے متعلق موقف یہ ہے کہ وہ فاسد معاملہ ہے۔ اور مستاجر پر اجر مثل یعنی کاشتکار کے لیے لازم ہے) (۲)

اس آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کہیں دو آدمیوں نے آپس میں یہ معاملہ کر لیا ہو تو اسے فسخ کر دیا جائے اور کاشتکار نے جو محنت کی ہو اس کا اسے رواج کے مطابق معاوضہ ادا کیا جائے یعنی مالک زمین اس کو اس کی محنت کی اجرت ادا کرے اور کاشت کار کا کوئی مالی خرچہ ہوا ہے تو وہ بھی اس کو ادا کر دے۔

امام ابو یوسف اپنی دوسری کتاب اختلاف ابی حنیفہؒ و ابن ابی لیلیٰ میں لکھتے ہیں:

واذا اعطی الرجل الرجل ارضا مزارعۃ بالنصف او الثلث او الربع' او اعطی نخلا و شجرا معاملۃ بالنصف او اقل من ذلک او اکثر فان ابا حنیفہ کان یقول ھذا کلہ باطل لانہ استاجر بشئی مجھول و یقول ارایت لو لم یخرج من ذلک شیئی الیس کا عملہ ذلک بغیر اجر۔"

(اور جب ایک آدمی دوسرے آدمی کو زمین مزارعت پر دے نصف کے عوض یا تہائی یا چوتھائی کے عوض یا ایک شخص باغ و درخت دوسرے کو مساقاۃ پر دے بعوض آدھے پھل یا آدھے سی کم یا آدھے سے زیادہ تو امام ابو حنیفہؒ فرماتے تھے یہ سب معاملہ باطل ہے کیونکہ اس میں ایک شخص دوسرے کو اجیر بناتا ہے مجہول اجرت کے بدلے اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ بتائیے اگر کسی وجہ سے کھیت اور باغ میں کچھ بھی پیدا نہ ہو تو ایسی صورت میں اس اجیر یعنی کسان و باغبان کا کیا کرایہ کیا سب کام بغیر اجرت کے نہیں ہو کر رہ جائے گا؟) (۳)

ان حوالوں سے وضاحت ہوتی ہے کہ امام ابو حنیفہؒ مزارعت و مساقات کو ناجائز معاملہ قرار دیتے ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کے دوسرے شاگرد امام محمد بن حسن الشیبانیؒ امام ابو حنیفہؒ کے بارے لکھتے ہیں:

وبهذا نا خذ لا باس بمعامله النخل على الشطر والربع او مزارعة الا رض البيضا على الشطر اوالثلث والربع و كان ابو حنيفةؒ يكره ذلك و يذكر ان ذلك هو امخابرة التى فهى رسول الله صلى الله عليه وسلم "

(اور اس کو ہم لیتے اور سمجھتے تھے کہ اس میں کچھ حرج نہیں کہ باغ کا معاملہ شطر یعنی نصف یا چوتھائی پر کیا جائے یا زمین کا معاملہ نصف یا تہائی یا چوتھائی کی مزارعت پر کیا جائے اور ابو حنیفہؒ اس کو حرام اور ناجائز سمجھتے اور کہتے تھے کہ یہ وہی مخابرہ ہے جس سے رسول اللہؐ نے روکا اور منع فرمایا ہے) (۴)

امام محمدؒ اپنی دوسری کتاب الجامع الصغیر میں لکھتے ہیں:

"محمد عن يعقوب عن ابى حنيفه قال المزارعة فاسدہ فان سقى الا رض و كربها ولم يخرج شيئا فله اجر مثله"

(محمد نے یعقوب (یعنی قاضی ابو یوسف) سے روایت کیا انہوں نے امام ابو حنیفہؒ سے روایت کیا وہ کہتے ہیں مزارعت فاسد معاملہ ہے اگر کسی نے زمین سینچ اور جوت لی اور کوئی شے اس سے پیدا نہیں ہوتی تو کاشت کار کے لیے اجر مثل ہوگا)(۵)

مذکورہ بالا تمام عبارات سے واضح ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ مزارعت و مساقات کے عدم جواز کے اس لیے قائل ہیں کہ ان کے نزدیک اس معاملہ میں اجرت مجہول ہے۔ یعنی کبھی نصف کبھی تہائی یا چوتھائی غلہ کی شرط لگانا پھر اس میں یہ اندیشہ بھی رہتا ہے کہ تمام محنت کرنے کے باوجود کچھ بھی پیدا نہ ہو۔

برصغیر پاک و ہند میں مولانا محمد طاسین جو کہ چودھویں صدی ہجری کے سکالر ہیں مزارعت کے عدم جواز کے قائل ہیں۔ اپنی کتاب مروجہ نظام زمینداری اور اسلام میں لکھتے ہیں:

"معاملہ مزارعت ایک متنازع اور مختلف فیہ معاملہ ہے جس کے جواز و عدم جواز کے متعلق فقہاء اسلام کے درمیان اختلاف خیرالقرون سے چلا آ رہا ہے۔ جبکہ اگر معاملہ مزارعت اسلام میں باطل و حرام ہے تو صحیح اور حلال نہیں ہو سکتا اور اگر جائز اور حلال ہے تو ناجائز و حرام نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا یہ ماننا پڑے گا کہ مجتہدین کے دو گروہوں میں سے ایک نے غلطی کھائی۔ اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں کیونکہ مجتہد کی رائے کبھی خطا اور کبھی صواب ہوتی ہے۔"

- مولانا طاسین لکھتے ہیں کہ مزارعت و مساقات کو جائز کہنے والے درج ذیل عقلی و قیاسی دلائل پیش کرتے ہیں جو سراسر نادرست ہیں۔
- جواز مزارعت کے لیے معاملہ خیبر والی حدیث اہم ہے کہ نبیؐ نے یہود خیبر سے باغات کی پیداوار میں بٹائی پر معاملہ کیا۔

○-- دوسری قیاسی دلیل کہ مزارعت' مضاربت کے مشابہ ہے لہٰذا جب مضاربت جائز ہے تو مزارعت بھی جائز ہونی چاہیے۔

○-- تیسری دلیل صحابہ و تابعین کے بعض آثار پیش کرتے تھے جو آثار کی بحث میں آ چکے ہیں۔

○-- مصنف طاسین مذکورہ دلائل پر بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ۔

(۱) خیبر والا معاملہ خراج مقاسمہ کا تھا مزارعت و مساقات کا نہیں۔

(۲) جبکہ مضاربت پر مزارعت کا قیاس فاسد ہے۔

(۳) اور صحابہ کے آثار میں سے اکثر ضعیف اور ساقط الاعتبار ہیں۔

○--- مصنف طاسین کے نزدیک دلائل کے لحاظ سے مزارعت کے متعلق صاحبینؒ کا موقف امام ابو حنیفہؒ کے مقابلہ میں بہت کمزور تھا۔ لیکن کیونکہ قاضی ابو یوسف عباسی خلیفہ ہارون الرشید کے عہد میں قاضی القضاۃ تھے اور ان کا مملکت میں غیر معمولی اثر و رسوخ تھا لہٰذا دلائل کے اعتبار سے کمزور ہونے کے باوجود قاضی ابو یوسف کے موقف کو قبول عام حاصل ہوا۔

○--- اور امام ابو حنیفہؒ کے موقف کو اپنے قوی اور مضبوط دلائل کے علی الرغم وہ قبول عام حاصل نہ ہوا جس کا وہ مستحق تھا۔ دوسری وجہ قاضی ابو یوسف کے موقف کو قبول عام حاصل ہونے کی یہ ہوئی کہ ان کا موقف ان حالات سے زیادہ مطابقت رکھتا تھا جو ملوکیت اور شاہی نظام حکومت کے قائم ہو جانے کے نتیجے میں پیدا ہو چکے تھے' شاہی نظام حکومت جاگیرداری کی بنیاد پر استوار تھا۔ حکومت کے مختلف مناصب پر فائز لوگوں کو ان کی خدمات کے صلے میں بڑے بڑے قطعات اراضی بطور جاگیر ملے ہوئے تھے۔ جن کو ظاہر ہے کہ وہ خود تو کاشت نہیں کر سکتے تھے۔

یہ مسلمانوں کی بدقسمتی تھی کہ انہوں نے مزارعت کے بارے میں امام ابو حنیفہؒ کے موقف کو چھوڑ کر خاص ابو یوسفؒ کے موقف کو عملاً اختیار کیا۔ اور اس کی وجہ سے ان کو ناقابل تلافی نقصان اٹھانا پڑا۔

چونکہ امام ابو حنیفہؒ کا موقف صحیح اور حق تھا لہٰذا وہ علمی و نظری طور پر قائم اور زندہ رہا۔ ہر دور کے اندر کتابوں میں بھی لکھا گیا اور درس و تدریس میں اس کا برابر ذکر رہا اور ہر دور میں علماء کی ایک بڑی جماعت اس کی حمایت و تائید کرتی رہی اور پھر معاشیات کے موجودہ دور میں اسلام کے معاشی نظام کی اشتراکی نظام پر بہتری اور برتری اگر ہم نظری طور پر ثابت کر سکتے ہیں تو مزارعت کے متعلق قاضی ابو یوسف کے موقف کی بناء پر نہیں بلکہ امام ابو حنیفہؒ اور دوسرے آئمہ کے موقف کی بنا پر کر سکتے ہیں جو مزاعت کے عدم جواز کے قائل تھے۔

لہٰذا ان کے لیے ان اراضی سے فائدہ اٹھانے کا طریقہ صرف یہی تھا۔ کہ وہ ان کو مزارعت اور اجارے پر دیں اور فائدہ اٹھائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور مزارعت رائج ہو گئی۔ جس کا طاقتور سبب وہ سیاسی نظام اور حکومتی ڈھانچہ تھا جو خلافت راشدہ کے کچھ ہی عرصہ بعد اسلامی مملکت میں قائم ہو گیا تھا' اس نظام کے

موجود ہوتے ہوئے مزارعت اور کراء الارض کو ختم کرنا تقریباً ناممکن تھا۔ حالانکہ اسلام کے تصور عدل اور قرآن و حدیث کے تصور معاملات کی رو سے امام ابو حنیفہ کا موقف بالکل درست تھا اور اسلام کے پیش نظر جس قسم کے آئیڈیل اور مثالی معاشرے کا قیام تھا وہ مزارعت کے جواز کی بنا پر نہیں بلکہ عدم جواز کی بنیاد پر ہی عمل میں آ سکتا تھا۔

میں سمجھتا ہوں کہ امام ابو حنیفہ کی نظر ان تمام پہلوؤں پر تھی' لہٰذا انہوں نے غلط حالات کے ساتھ مصالحت کی بجائے مزارعت کے متعلق وہ موقف اختیار کیا جو اسلام کے اصل منشاء کے مطابق اور نظری طور پر بالکل صحیح درست تھا۔"

مصنف لکھتے ہیں:

"اگر ہمارے علماء و فقہاء مذکورہ دلائل پر عمیق نگاہ ڈالتے تو وہ کبھی بھی مزارعت کے متعلق علی الاطلاق جواز کا فتویٰ نہ دیتے اور پوری احتیاط کے ساتھ ضرور یہ سوچتے کہ اسلام اور مسلمانوں کی بھلائی و بہتری مزارعت کے جواز میں ہے یا عدم جواز میں اور پھر یقیناً اس نتیجے تک پہنچتے کہ عدم جواز کی رائے ہی ہر لحاظ سے بہتر اور صحیح رائے ہے۔ اور اس کے ذریعے ایک معتدل و متوازن معاشی ماحول کے قیام میں مدد مل سکتی ہے جس کی شدت کے ساتھ ضرورت محسوس کی جا رہی ہے۔" (٦)

الغرض مذکورہ اصحاب نے ظلم و تعدّی' ناانصافی اور جھگڑا فساد کے اندیشے کی بنیاد پر مزارعت کی ہر شکل کو ناجائز تصور کیا ہے۔ تاکہ لوگ احتیاط کے پہلو کو زیادہ اختیار کریں جبکہ امام ابو حنیفہ سے متعلق ہم نے پچھلی فصل میں پڑھا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے مزارعت و مساقات کے ابواب میں ضمنی مباحث پر اظہار خیال کیا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جہاں مزارعت کی اشد ضرورت ہو اور ظلم' فساد اور جھگڑے کا اندیشہ نہ ہو۔ تو وہاں اس کی اجازت ہے۔

حواشی

(۱) امام ابو یوسف، کتاب الخراج۔ ص ۸۸۔

(۲) امام ابو یوسف، کتاب الخراج۔ ص ۹۱۔

(۳) امام ابو یوسف، اختلاف ابی حنیفہؒ و ابن ابی لیلیٰ۔ ص ۴۱۔۴۲۔

(۴) امام محمد، الموطا محمد۔ ص ۳۵۷۔

(۵) امام محمد، الجامع الصغیر۔ ص ۱۴۸

(۶) مولانا محمد طاسین، مروجہ نظام زمینداری اور اسلام۔ ص ۲۲۲۔ ۲۲۴ و ۲۴۹

فصل IV رکن مزارعت

مزارعت کے ارکان پر فقہی مسالک نے الگ سے بحث نہیں کی۔ کتب فقہ میں مزارعت کے متعلق احکام تو ملتے ہیں لیکن ان کے ارکان کی بحث عام طور پر عقد یا بیع کی بحث میں ملتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مزارعت بھی عقد یا معاہدہ ہی کی ایک قسم ہے جس میں خرید و فروخت کی بجائے زمین پر معاملہ کیا جاتا ہے۔ احناف کے نزدیک مزارعت صرف صیغہ (ایجاب و قبول) یعنی ایک رکن پر مشتمل ہے۔

عالم اسلام کے علمائے احناف کی طرح برصغیر کے بیشتر علماء نے بھی ارکان مزارعت کتب فقہ میں ذکر نہیں کیے سوائے چند کے اس سے واضح ہوتا ہے کہ علماء کے درمیان ارکان مزارعت کے اندر کوئی اختلاف نہیں۔

فتاویٰ عالمگیری میں رکن مزارعت سے متعلق آیا ہے:

"و اما رکنها فالا یجاب والقبول و هو ان یقول صاحب للعامل دفعت الیک هذه الارض مزارعة بکذا و یقول العامل قبلت او رضیت او ما یدل علٰی قبوله و رضاه فاذا وجدا تم العقد بینهما۔"

(رکن مزارعت ایجاب و قبول ہے (یعنی زمیندار کاشتکار سے یوں کہے کہ میں نے یہ زمین اس قدر حاصلات پر تجھے کاشت کے واسطے دی اور کاشتکار یہ کہے کہ میں نے قبول کی یا میں اس پر راضی ہوں یا ایسی کوئی بات جو اس کے قبول کرنے اور رضامندی پر دلالت کرے یا پائی جاوے۔ پس جب ایجاب و قبول پایا گیا تو دونوں کے درمیان عقد مزارعت پورا ہو جائے گا۔) (۱)

فتاویٰ نورالہدایہ ترجمہ اردوی شرح وقایہ میں محمد عبدالغفار لکھنوی رکن مزارعت کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ارکان اس مزارعت کے چار ہیں۔ ایک زمین، دوسرے تخم، تیسرے محنت، چوتھے بیل۔" (۲)

برصغیر کے فقہاء میں سے تیسرے جنہوں نے رکن مزارعت پر بات کی ہے وہ ہیں۔

شہزاد اقبال شام اپنی کتاب مزارعت و مساقات میں لکھتے ہیں:

"احناف کے نزدیک مزارعت صرف صیغہ (ایجاب و قبول) پر مشتمل ہے۔ اس لیے احناف کے نزدیک مزارعت صرف ایک رکن پر مشتمل ہے۔" (۳)

حواشی

(۱) فتاویٰ عالمگیری، کتاب المزارعت۔ جلد ۴ ص ۹۲۔ ۹۳

(۲) محمد عبدالغفار لکھنوی، فتاویٰ نورالہدایہ ترجمہ اردوی شرح وقایہ، کتاب المزارعت۔ ص ۴۴۱

(۳) شہزاد اقبال شام، مزارعت و مساقات۔ ص ۷

فصل V (i) شرائط مزارعت صحیحہ

مزارعت کے انعقاد کے لیے جو شرائط صحیحہ لازم ہیں وہ شرائط مزارعت صحیحہ درج ذیل ہیں:

پہلی قسم کی شرائط کا تعین فریقین معاملہ (زمیندار اور کاشتکار) سے ہے۔ فریقین معاملہ میں سے کوئی بچہ اور مجنوں نہ ہو بلکہ عاقل ہو بلوغت کی پابندی شرط میں نہیں۔ فریقین میں سے کوئی مرتد نہ ہو۔

دوسری قسم کی شرائط کا تعلق اس جنس سے ہے جو بوئی جائے مثلاً گندم' جو' یا کپاس وغیرہ یعنی جس جنس کے بونے کا ارادہ کیا جائے اس کی وضاحت ہو' اگر زمیندار یہ کہہ دے کہ جو جی چاہے بویا جا سکتا ہے تو کاشتکار کو اختیار ہو گا جو چاہے بوئے البتہ کھیتی کی زمین میں مساقات یعنی درخت لگانے کا اختیار اس کو نہیں ہو گا۔ کیونکہ عقد مزارعت خاص کھیتی کے لیے ہو گا۔

تیسری قسم کی شرائط کا تعلق پیداوار سے ہے جو کھیت سے زراعت کے بعد حاصل ہو گی۔ اس میں سے چھ باتوں کا لحاظ رکھا جائے گا۔

اول: معاملہ کے وقت حقوق فریقین کا ذکر کر دیا جائے پیداوار کے حوالے سے کہ کس کا کتنا حصہ ہو گا۔

دوم: پیداوار میں فریقین کا حق تسلیم کیاجائے یعنی اگر باہم رضامندی سے یہ شرط طے پائے کہ تمام پیداوار ایک فریق (کاشتکار) کا حق ہو گا دوسرے کا کچھ حق نہ ہو گا تو عقد مزارعت صحیح ہو گا کیونکہ یہ مالک زمین کی عنایت ہو گی۔ اگر تمام پیداوار مالک زمین کی ٹھہرے اور کاشتکار کو کچھ نہ دیا جائے تو یہ کاشتکار کی طرف سے اعانت متصور ہو گی۔

سوم: فریقین میں سے ہر ایک کے لیے حصہ حاصل پیداوار سے ہی دینا لازم ہوگا مثلاً اگر یہ قرار پایا کہ ایک فریق کو گندم ملے گی اور دوسرے کو کپاس تو درست نہیں۔ اسی طرح یہ بھی درست نہیں کہ فریقین سے ایک کو چاول ملنے کی شرط ہو لیکن وہ چاول نہیں جو اس زمین سے پیدا ہوئے جس پر معاہدہ کیا گیا وغیرہ۔

چہارم: زمین کی پیداوار میں سے ہر فریق کے لیے ایک مقررہ حصہ پہلے سے طے کر لیا جائے مثلاً نصف یا تہائی یا چوتھائی وغیرہ۔

پنجم: پیداوار مین سے حصہ نصف یا تہائی کی صورت میں طے ہونا چاہیے لہٰذا اس صورت میں یہ درست نہ ہو گا کہ حصہ دو یا تین بوری کہہ کر مقرر کیا جائے۔

ششم: فریقین میں سے کسی ایک کے لیے حصہ مقررہ کی علاوہ ایک خاص مقدار مزید مقرر نہیں ہونا چاہیے۔ مثلاً یہ طے ہو کہ کسی ایک فریق کو نصف پیداور کے علاوہ ایک بوری مزید جنس ملے گی یا یہ کہ بیج کی قیمت نکالنے کے بعد بقیہ پیداوار کا نصف یا تہائی اس کا حق ہو گا۔ کیونکہ ممکن ہے کہ اس زمین سے اتنا ہی پیدا ہو جتنا بیج تھا۔ تو مزید کہاں سے دیا جائے گا۔

چوتھی قسم کی شرائط کا تعلق زمین سے ہے جس میں زراعت مطلوب ہو۔ اس میں تین امور لازم ہیں۔

ایک یہ کہ زمین قابل کاشت ہو' اگر وہ زمین شور یا سیم زدہ ہے تو عقد مزارعت درست نہ ہو گا۔ اور زمین ایسی ہو جو میعاد معاہدہ کے اندر قابل کاشت رہے' گو معاہدہ کے وقت اس میں کاشت نہ کی جا سکے مثلاً کاشت کے وقت پانی وغیرہ آ جاتا ہو تو معاملہ درست ہو گا۔

دوسرے یہ کہ وہ رقبہ معلوم ہو جس زمین میں کھیتی کا معاہدہ کیا گیا ہو۔ اس کا حدود اربعہ بھی معلوم ہونا چاہیے پھر اگر

صرف یہ کہہ دیا جائے کہ اس خطہ زمین میں گندم بھی بوئی جائے اور مکئی بھی تو یہ مبہم معاملہ ہوگا۔ بلکہ حد بندی کے ذریعہ آگاہ کرنا چاہیے کہ کتنے خطہ میں گندم اور کتنے خطہ میں مکئی بوئی جائے۔

تیسرے یہ کہ وہ زمین ایسی ہو جس کی بابت معاملہ کیا جا سکے' کاشت کے کام میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ یعنی قانونی پیچیدگی یا وراثت کا جھگڑا۔ اسی طرح اگر کھیت میں پہلے سے ہی بڑی بڑی کھیتی ہو تو عقد مزاعت درست نہ ہوگا۔ کیونکہ اس طرح کاشتکار کھیتی اگانے میں خود مختار نہیں رہ جائے گا۔

پانچویں قسم کی شرائط کا تعلق آلات کشاورزی سے ہے' یہ آلات مزارعت' معاملہ کے اندر یعنی عمل مزارعت میں شامل ہیں۔ لہٰذا اگر اس بیل کا جو جوتنے میں استعمال ہوتا ہے الگ معاوضہ رکھا جائے تو غلط ہوگا۔ اسی طرح اگر کاشتکار کی محنت یا بیج وغیرہ کا علیحدہ معاوضہ مقرر کیا جائے تو معاملہ فاسد ہو جائے گا۔

چھٹی قسم کی شرائط کا تعلق یہ طے کرنے سے ہے کہ بیج کس کی طرف سے ہوگا۔ مالک یا کاشتکار کی طرف سے؟ اگر بیج زمیندار کا ہو تو مزارعت کا معاملہ گویا کاشتکار کو مزدوری پر لگا لینا ہوا۔ اگر بیج کاشتکار کے ذمے ہو تو گویا اس نے زمین کرایہ پر لی۔ اس لیے مزارعت کی نوعیت کی وضاحت کے لیے یہ جاننا از حد ضروری ہے کہ بیج کس کے ذمہ ہوگا۔

ساتویں قسم کی شرائط کا تعلق مدت بیان کرنے سے ہے کہ معاہدہ مزارعت کتنے عرصہ کے لیے ہے۔ عام طور پر اس کا بیان ضروری نہیں خیال کیا جاتا اور پہلی فصل کے پک کر تیار ہونے کی مدت تک معاہدہ تسلیم کیا جاتا ہے البتہ بعض جگہوں پر مدت کی وضاحت کرنا ضروری خیال کیا جاتا ہے۔

آٹھویں قسم کی شرائط تخلیۃ الارض یعنی مالک زمین' کاشتکار کو زمین حوالے کر دے اور خود مداخلت نہ کرے یا اپنے کام کرنے کی شرط نہ رکھے بلکہ کھیتی سے لا تعلق ہو جائے۔ البتہ اگر رضاکارانہ کام کرنے میں مدد کرنا چاہے تو کر سکتا ہے اس کام کے معاوضہ کا مطالبہ وہ علیحدہ سے نہیں کر سکتا۔

نویں قسم کی شرائط یہ ہیں کہ اس فریق کے حصہ کا خاص تعین کر دیا جائے جس کی طرف سے بیج نہیں ہیں۔ کیونکہ بیج والے کا استحقاق تو مسلّم ہے اور دوسرے کے حصہ کے بارے وضاحت ہونا ضروری ہے اس طرح اس کے کام کرنے میں جھجک نہیں رہ جائے گی۔

فتاویٰ عالمگیری میں شرائط مزارعت صحیحہ چھ بیان ہوئی ہیں:

"اما شرائط مصححة للعقد علی قول من یجیز المزارعة فانواع بعضها یرجع الی المزارع و بعضها یرجع الی الآلة للمزارعة و بعضها یرجع الی المزروع و بعضها یرجع الی الخارج من الزرع و بعضها یرجع الی المزروع فیه و بعضها یرجع الی مدة المزارعة"

(جہاں تک شرائط مزارعت صحیحہ ہیں تو مزارعت کو جائز کہنے والوں کے نزدیک اس کی چند اقسام ہیں۔ ایک وہ شرائط جو مزارع کی طرف راجع ہیں۔ دوسری جو آلات مزارعت کی طرف راجع ہیں۔ تیسری جو مزروع کی طرف ہیں۔ چوتھی کھیتی کی حاصلات کی طرف۔ پانچویں مزروع فیہ کی طرف چھٹی مدت مزارعت کی طرف راجع شرائط ہیں) (۱)

فتاویٰ دار العلوم دیوبند / عزیز الفتاویٰ میں شرائط مزارعت صحیحہ آٹھ ذکر ہوئی ہیں:

"مزارعت کی صحت کی شروط تقریباً علی مذہب الصاحبین کتب فقہ میں آٹھ لکھی ہیں۔ اگر یہ شرطیں پوری ہوں گی تو مزارعت صحیح ہو گی ورنہ فاسد ہو گی۔ وہ شرائط ثمانیہ ہیں۔ صلاحیت زمین' اہلیت عاقدین' ذکر المدۃ' تخم کس کا ہوگا۔ بیان جنس مزروع' بیان حصہ مزارع و مالک زمین' تخلیہ بین الارض و العامل' شرکہ فی الخارج۔"

فتاویٰ نور الہدایہ ترجمہ اردوی شرح وقایہ' عین الہدایہ' خلاصہ الفتاویٰ اور بہار شریعت میں شرائط مزارعت صحیحہ آٹھ ہی بیان ہوئی ہیں:

جیسا کہ مولانا مجیب اللہ ندوی بھی اپنی کتاب اسلامی فقہ میں آٹھ شرائط کو درست تسلیم کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"مزارعت اور اجارہ ارض کی سب سے پہلی شرط ہے معاملہ کرنے والے دونوں عاقل ہوں اپنی مرضی سے معاملہ کریں۔ دوسری شرط کہ زمین قابل کاشت ہو۔ تیسری شرط مالک اور مزارع دونوں اپنا حصہ طے کر لیں۔ چوتھی شرط زمین' ہل' بیل' بیج کے بارے میں یہ طے ہونا چاہیے کہ کس کی کون سی چیز ہوگی۔ پانچویں مالک اور کاشت کار کے درمیان تخلیہ ہو۔ چھٹی ذکر المدۃ ہو۔ ساتویں جو چیز بوئی جاتی ہے اس کی وضاحت کی جائے۔ آٹھویں مالک زمین اور کاشتکار پیداوار میں شریک ہوں۔" (۳)

الغرض فتاویٰ عالمگیری کی نسبت باقی تمام فقہاء احناف شرائط مزارعت صحیحہ آٹھ درست مانتے ہیں۔ یہ جان لینے کے بعد کہ تقریباً تمام علماء کے نزدیک شرائط مزارعت یکساں ہیں۔ شرائط مزارعت صحیحہ کی تمام اقسام کو تفصیلاً بیان کیا جانا از حد ضروری ہے تاکہ مسائل اخذ کرتے وقت معاملہ مزارعت کی جزئیات اوجھل نہ ہوں۔

پہلی قسم کی شرائط

ان کا تعلق فریقین معاملہ (زمیندار اور کاشتکار) سے ہے کہ وہ عقد مزارعت کی اہلیت رکھتے ہوں۔ نابالغ بچہ اور مجنوں یا مرتد نہ ہو۔

فتاویٰ عالمگیری میں نابالغ اور بچہ سے متعلق آیا ہے:

ان یکون عاقلا فلا نصح مزارعة المجنون والصبی الذی لا یعقل المزارعت و اما البلوغ فلیس بشرط لجواز المزارعة حتی تجوز مزارعة الصبی الماذون دفعة واحدة"

(یہ کہ مزارع شخص عاقل ہو پس مجنوں یا ایسے نابالغ کے ساتھ جو مزارعت کو سمجھتا نہیں ہے مزارعت صحیح نہیں اور بالغ ہونا جواز مزارعت کے واسطے شرط نہیں۔ حتکہ طفل ماذون کے ساتھ دفعتہ واحدہ مزارعت صحیح جائز ہے) (۴)

فتاویٰ نور الہدایہ ترجمہ اردوی شرح وقایہ میں لکھا ہے:

"کہ شرط کے تحت عاقدین اہل ہوں ف یعنی عاقل ہوں تو مجنوں اور صغیر غیر عاقل سے یہ عقد درست نہیں ہے لیکن صبی عاقل اور غلام اور کافر سے درست ہے۔ طحطاوی ص" (۵)

عین الہدایہ میں لکھا ہے:

والثانی ان یکون رب الارض والمزارع من اہل العقد و ہو لا یختص بہ لان عقدا مالا یصح الا من الاہل"

(دوم شرط یہ کہ زمیندار اور کاشتکار دونوں اس لائق ہوں کہ عقد معاملہ کر سکتے ہیں اور یہ شرط کچھ عقد مزارعت ہی کے ساتھ مختص نہیں ہے کیونکہ کوئی عقد صحیح نہیں ہوتا مگر اسی سے جو اس عقد کی لیاقت رکھتا ہو) ف پس زمیندار یا کاشتکار کوئی ایسا نہ ہو کہ طفل لا ۔عقل یا مجنون ہے یا غلام مجور ہے بلکہ ہر ایک ایسا ہو کہ عاقل بالغ و تصرفات پر قادر ہے۔" (۶)

بہار شریعت کے اندر مولانا امجد علی لکھتے ہیں:

عاقدین عاقل بالغ آزاد ہوں اگر نابالغ یا غلام ہو تو اس کا ماذون ہونا ضروری ہے۔"(۷)

مجیب اللہ ندوی ؒ اپنی کتاب اسلامی فقہ میں لکھتے ہیں کہ:

"مزارعت اور اجارہ ارض کی سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ معاملہ کرنے والے دونوں عاقل ہوں اپنی مرضی سے معاملہ کریں دونوں کا بالغ ہونا ضروری نہیں ہے۔ یعنی دونوں ایجاب و قبول کریں یہی شرط مزارعت کا بھی رکن ہے۔" (۸)

فتاویٰ عالمگیری میں مرتد سے معاملہ مزارعت کرنے کے بارے حکم ہے:

"والثانی ان لا یکون مرتدا علٰی قیاس قول ابی حنیفۃ فی قیاس قول من اجاز عنهما هذا لیس بشرط لجواز المزارعۃ و مزارعۃ المرتد نافذۃ للحال۔"

(مزارعت جائز کہنے والے کے قول پر قیاس قول امام ابو حنیفہ ؒ یہ شرط ہے کہ مزارع مرتد نہ ہو اور صاحبین کے نزدیک جواز مزارعت کے واسطے یہ شرط نہیں ہے اور مرتد کی مزارعت فی الحال نافذ ہوتی ہے) (۹)

دوسری قسم کی شرائط:

ان کا تعلق اس جنس سے ہے جو بوئی جائے۔

فتاویٰ عالمگیری میں مذکور ہے:

"واما الذی یرجع الی المزارع فهو ان یکون معلوما و هو ان یبین ما زرع الّا اذا قال لہ ازرع فیها ما شئت فیجوز ولہ ان یزرعها ما شاء الا انہ لا یملک الغرس لان الداخل تحت العقد الزرع دون الغرس هکذا فی البدائع.... فیز ول المفسد فیجوز کذا فی فتاوٰی قاضی خان"

(مزروع کو چاہیے کہ بیج معلوم ہو یعنی جو بوتا ہے بیان کر دیا جائے لیکن اگر کاشتکار سے زمیندار نے کہہ دیا کہ زمین میں جو تیرا جی چاہے کاشت کرنا تو جائز ہے لیکن وہ درخت لگانے کا اختیار نہیں رکھے گا' کیونکہ عقد مزارعت کے تحت کھیتی داخل ہے۔ درخت لگانا نہیں (بحوالہ بدائع)..... امر مفسد زائل ہو کر جائز ہو جائے گا۔ فتاویٰ قاضی خان میں ہے) (۱۰)

فتاویٰ نور الہدایہ ترجمہ اردوی شرح وقایہ میں زیر بحث موضوع سے متعلق آیا ہے:

"جو چیز بوئی جائے اس کی جنس مذکور ہو ف یعنی باجرا یا جوار یا گیہوں ص۔" (۱۱)

عین الہدایہ میں مصنف لکھتے ہیں:

"بیان جنس البذر لیصیر الاجر معلوما۔"

(تخم کی جنس بیان ہو تاکہ اجرت معلوم ہو جاوے ف یعنی اجرت کاشتکار تو پیداوار کا ایک جزو ہے۔ جبکہ تخم از جانب زمیندار ہوں یا اجرت زمین بعض پیداوار ہے جبکہ بیج از جانب کاشتکار ہوں پس تخم بیان کرنا ضروری ہے تاکہ یہ معلوم ہو جاوے کہ اجرت کس قسم کا اناج ہے اس واسطے کہ شائد بعض قسم کے اناج پر رضامندی نہ ہو مثلاً عقد مزارعت کے بعد کاشتکار نے چاہا کہ اس میں کاکن یا کودوں کی زراعت کرے حالانکہ مالک زمین اس پر راضی نہیں تو نزاع ہو گا اور اسی طرح برعکس صورت میں ہے پس بیان کرنا ضرور ہے۔ ک۔ شیخ الاسلام خواہرزادہ نے فرمایا کہ یہ شرط بدلیل قیاس ہے اور استحسانا شرط نہیں بلکہ کاشتکار کی رائے پر تفویض ہے۔ ع۔ میں کہتا ہوں کہ یہ صرف اس صورت میں کہ بیج از جانب کاشتکار ہوں پس شائد کہ مالک کی طرف سے تخم ہونے کی صورت میں بیان ضروری ہو گا۔ م۔ اور شیخ الاسلام نے دوسرے مقام پر قیاس و استحسان کی کچھ تفصیل نہیں لکھی بلکہ لکھا کہ جنس تخم کا بیان شرط ہے یہی اقرب بصواب ہے۔ ع۔ میں کہتا ہوں کہ یہ اس وقت کے تخم از جانب مالک زمین ہوں واللہ اعلم۔ م۔ لیکن اگر تعمیم کرے مثلاً کہے کہ اس شرط پر کہ جو کچھ تیری رائے میں آوے اس میں زراعت کر یا کہا کہ جو کچھ میری رائے میں آوے تو جائز ہے۔ ہاں اگر اس طرح بھی بیان نہ ہو یعنی خاص یا عام کسی طرح بیان نہ ہو تو مزارعت فاسد ہے اور اگر بدون بیان کے فاسد ہونے کی صورت میں کاشتکار نے اس میں زراعت کی تو عقد مذکور بدل کر جائز ہو جائے گا۔ کیونکہ اب جنس تخم معلوم ہو گئی۔ الذخیرہ۔" (۱۲)

بہار شریعت میں بیان ہوا ہے:

"یہ بیان کہ کیا چیز بوئے گا اور اگر متعین نہ کرے تو اجازت دے کر تیرا جو جی چاہے اس میں بونا یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ کتنے بیج ڈالے گا کہ زمین جتنی ہوتی ہے اسی حساب سے کاشتکار بیج ڈالا کرتے ہیں۔" (۱۳)

مولانا مجیب اللہ ندوی لکھتے ہیں:

"یہ شرائط میں سے ہے کہ جو چیز بونی ہو وہ بتا دی جائے۔ مزارع یہ بتا دے کہ گیہوں بوئے گا یا ترکاری بوئے گا۔ یا تمباکو کیونکہ ہو سکتا ہے کہ زمین کا مالک کسی چیز کی کاشت کو اپنی زمین میں ناپسند کرتا ہو۔ اور بعد میں اختلاف ہو اور پھر حصہ کی تعیین میں بھی اس سے مدد ملتی ہے البتہ اگر مالک زمین یہ اجازت دے دے کہ جس چیز کی چاہو کاشت کرو تو پھر اس کو اختیار ہے کہ جو چیز چاہے بوئے۔" (۱۴)

تیسری قسم کی شرائط

اس کا تعلق پیداوار سے ہے جو کھیت سے زراعت کے بعد حاصل ہو۔

فتاویٰ عالمگیری میں مذکور ہے:

"و اما الذی یرجع الی الخارج من الزرع فانواع منها ان یکون مذکور انی العقد حتے لو سکت عنه فسد العقد و منها ان یکون لهما حتے لو شرطا ان یکون الخارج لا حدهما لا یصح العقد و منها ان یکون حصه کل واحد من المزارعین بعض الخارج حتے لو شرطا ان یکون من غیره لا یصح العقد لان معنے الشرکة لازم لهذا العقد فکل شرط یکون قاطعا للشرکة یکون مفسد العقد و منها ان یکون ذلک البعض من الخارج معلوم القدر من النصف والثلث والربع و نحوه و منها ان یکون جزء شائعا من الجملة حتے لو شرطا لا حدهما قفزانا معلومة لا یصح العقد و کذا اذا ذکر جزء شائعا و شرط زیادة اقفزة معلومة لا تصح المزارعة و علے هذا اذا شرط احدهما البذر لنفسه و ان یکون الباقی بینهما لا تصح المزارعة لجواز ان لا تخرج الارض الاّ قدر البذر۔"

(اور جو شرط غلہ' پیداوار اور زراعت کی طرف راجع ہے وہ چند طرح کی شرطیں ہیں

اول یہ کہ عقد میں اسکا ذکر ہو۔ حتکہ اگر عقد میں اس کے ذکر سے سکوت کیا ہو تو عقد فاسد ہو گا۔

دوم ازاں جملہ دونوں کے واسطے ہونے کی شرط ہو۔

سوم حتکہ اگر یہ شرط کی کہ تمام حاصلات پیداوار دونوں میں سے ایک کسی کے واسطے ہو تو عقد مزارعت صحیح نہ ہو گا۔

چہارم اور ازاں جملہ یہ کہ ہر دو زمیندار و کاشتکار میں سے ایک کے واسطے حاصلات میں سے بعض حصہ کی شرط ہو۔

پنجم حتکہ اگر سوائے اس پیداوار کے دوسری چیز سے ہونے کی شرط لگائی تو عقد صحیح نہ ہو گا۔ اس واسطے کہ اس عقد کے واسطے شرکت لازم ہے پس جو شرط ایسی ہو گی کہ شرکت کو قطع کرتی ہے وہ عقد کی مفسد ہو گی۔

ششم ازاں جملہ یہ کہ حاصلات غلّہ میں سے جو بعض ٹھہرا ہے اس کی مقدار نصف یا ثلث یا چوتھائی وغیرہ بیان سے معلوم ہو۔

ہفتم ازاں جملہ یہ کہ یہ حصہ معلوم تمام پیداوار میں سے جزو شائع ہو۔ حتکہ اگر دونوں میں سے کسی کے واسطے کسی قدر تفیز معلومہ کی شرط لگائی ہو تو عقد صحیح نہ ہو گا۔ اس طرح اگر جزء شائع تو ذکر کیا مگر اس جزء پر کچھ تفیز معلومہ کرنے کی شرط لگائی تو مزارعت صحیح ہو گی۔

ہشتم علیٰ ہذا اگر ایک کے واسطے یہ شرط لگائی کہ جس قدر بیج خرچ ہوئے ہیں وہ اس کو دے کر باقی دونوں میں مشترک ہو تو مزارعت صحیح نہ ہو گی کیونکہ جائز ہے کہ زمین میں سوائے اس مقدار تخم کے زیادہ پیدا نہ ہو۔(۱۵)

<u>فتاویٰ نور الہدایہ ترجمہ اردوی شرح وقایہ</u> میں مذکورہ موضوع سے متعلق آیا ہے :

"جو غلہ پیدا ہووے اس میں دونوں کی شرکت ہووے۔ (۱) اور مزارعت باطل ہو جائے گی اگر احد العاقدین

کے واسطے من یا دو من غلہ معین کر دیا گیا ہووے ف یعنی مثلاً یہ کہہ دیا گیا ہووے کہ دس من غلّہ فلاں کو ملے گا بعد اس کے نصفا نصف یا اثلاثا" تقسیم کر لیں گے۔ مزارعت اس صورت میں اس لیے باطل ہے کہ احتمال ہے سوائے دس من غلے کے اور کچھ پیدا نہ ہووے تو مشارکت منقطع ہو جائے گی پس ضرور ہے کہ جس قدر نکلے دونوں میں مشترک رہے ص (۲) یا ایک مقام خاص میں جو غلہ نکلے وہ ایک کے لیے معین کر دیا جائے یا (۳) بقدر تخم کے صاحب تخم پہلے نکال لیوے یا (۴) بقدر خراج معین کے پہلے دے دیا جاوے پھر باقی تقسیم ہووے ف ان سب صورتوں میں مزارعت باطل ہے اس لیے کہ شاید اسی مقام خاص میں غلہ نکلے اور کہیں نہ نکلے یا بقدر تخم ہی کے پیدا ہو یا جس قدر خراج معین ہے اس قدر غلہ نکلے زیادہ پیدا نہ ہووے پس مشارکت نہ رہے گی (۵) اور اگر خراج مقاسمہ ہو یعنی جو بقدر ثلث یا خمس خارج کے ہوتا ہے ہووے تو عقد مزارعت باطل نہ ہو گی۔ جیسے عشر کی پہلے دے دینے کی شرط ہووے اس لیے کہ اس میں شرکت منقطع نہیں ہوتی بلکہ جس قدر پیدا ہو گا خواہ کتنا ہی قلیل ہو اس کا ربع یا خمس یا خراج مقاسمہ میں ہووے ادا کر کے باقی بطور شرط کے تقسیم کر لیں گے کذا فی الاصل ص یا بھوسا ایک کا ہووے اور دانہ دوسرے کا ف اس لیے کہ شرکت اس صورت میں منقطع ہو جاتی ہے اس میں جو مقصود زراعت ہے یعنی اناج کذا فی الاصل ص یا دانہ نصفا نصف ہووے اور بھوسا اس کا جو صاحب تخم نہیں ہے ف اس لیے کہ یہ شرط خلاف ہے مقتضائے عقد کے کیونکہ بھوسے کا مستحق وہی ہے جس کے بیج ہیں ص یا بھوسا نصفا نصف ہو اور دانہ ایک کا ہووے ف اس لیے کہ مقصود میں شرکت منقطع ہو جاتی ہے ص اور اگر شرط کی کہ دانہ نصفا نصف ہو اور بھوسا تخم والے کو ملے یا بھوسے کا بالکل ذکر نہ ہی کیا تو درست ہے۔ ف اس لیے کہ اول صورت میں شرط موافق مقتضائے عقد کے ہے کیونکہ بھوسا اسی کی ملک کی افزائش ہے جس کا تخم ہے اور دوسری صورت میں مقصود یعنی اناج میں شرکت حاصل ہے تو صورت میں کل بھوسا صاحب تخم کو ملے گا اور بعضوں کے نزدیک مشترک رہے گا۔ دانے کی متابعت سے کذا فی الاصل ص"(۱۶)

عین الہدایہ میں موضوع زیر بحث سے متعلق آیا ہے:

"والشرکہ فی الخارج بعد حصولہ" (کہ پیداوار حاصل ہونے کے بعد پیداوار میں شرکت ہو۔) ف یعنی مزارعت کا عقد کرنے کے وقت دونوں میں یہ شرط ہو کہ جب پیداوار حاصل ہو تو ہم دونوں میں اس حساب سے مشترک ہو گی پس یہ شرط بالفصل ہو جاوے اگرچہ شرکت در حقیقت بعد حصول پیداوار کے ہو گی "لا نہ ینعقد شرکۃ فی الانتہاء" (اس واسطے کہ مزارعت تو انتہاء میں عقد شرکت ہو جاتی ہے) ف یعنی ابھی تو عقد مزارعت ہے پھر جب کام پورا ہو گیا اور پیداوار حاصل ہو گئی تو اب یہ غلہ ان دونوں کے درمیان مال مشترک ہے پس شرکت کے احکام معتبر ہوں گے حتیکہ بٹوارہ کریں "مما یقطع بتہ الشرکۃ کان مفسدا للعقد" (پس جو شرط ایسی ہو کہ اس شرکت کو قطع کرے تو وہ عقد مزارعت کو فاسد کرنے والی ہو گی۔ ف ☆ چنانچہ اگر یہ شرط ہو کہ دونوں میں سے ایک کے واسطے دس من غلہ ہے اور باقی دوسرے کے واسطے ہے تو مفسد ہے

کیونکہ شرکت نہیں ہے اور شائد کہ اس سے زیادہ پیدا نہ ہو۔ ☆ وعلیٰ ہذا اگر اس شخص نے جس کے بیج میں یہ شرط کی کہ میرے بیج نکال کر باقی مشترک ہے تو فاسد ہے اور حیلہ یہ ہے کہ تخم کا اندازہ کرے مثلاً پیداوار اس نے پچاس من اندازہ کی اور تخم پانچ من ہے تو دسواں حصہ تخم کا اور نصف حق مزارعت ملا کر اپنے واسطے یوں شرط کرے کہ میں نے تجھے یہ زمین مزارعت پر دی اس شرط سے کہ میرے واسطے پیداوار میں نصف مع دہم کے ہے اور باقی تیرے واسطے ہے تو یہ جائز ہے یا کہا کہ میرے واسطے دو تہائی اور تیرے واسطے باقی تہائی ہے۔ الغرض تخم کا حق اپنے حصہ شرکت میں شامل کرے ع" (۱۷)

امام ابن عابدینؒ لکھتے ہیں:

"و من شرایطها بیان النصیب علی وجه لا یقطع الشرکة بینهما فی الخارج بان یقول بالنصف او الثلث او الربع و ما اشبه ذلک فان بینا نصیب احدهما ینظر ان بینا نصیب من کان البذر من جهة جازت المزارعة استحسانا۔:" (۱۸)

بہار شریعت میں مذکور ہے:

"ہر ایک کو کیا ملے گا اس کا عقد میں ذکر کرنا ضروری ہے اور جو کچھ پیداوار ہو اس میں دونوں کی شرکت ہو اگر فقط ایک کو دینا قرار پایا تو عقد صحیح نہیں اور یہ شرط کہ دوسری چیز میں سے دیا جائے گا اس سے بھی شرکت نہ ہوئی اور جو مقدار ہو ہر ایک کے لیے اس کا تعین ہو جانا ضروری ہے۔ مثلاً نصف یا تہائی یا چوتھائی اور جو کچھ حصہ ہو جزو شائع ہو۔ لہٰذا اگر ایک کے لیے یہ ٹھہرا کہ ایک من یا دو من دیے جائیں گے تو صحیح نہیں۔ یوں ہی اگر یہ ٹھہرا کہ بیج کی مقدار نکالنے کے بعد باقی کو اس طرح تقسیم کیا جائے گا تو مزارعت صحیح نہ ہوئی اس طرح اگر یہ ٹھہرا کہ زمین کا عشر نکال کر باقی کو تقسیم کیا جائے تو حرج نہیں یونہی اگر طے ہوا کہ دونوں میں ایک کو پہلے پیداوار کا دسواں حصہ دیا جائے اس کے بعد اس طرح تقسیم ہو تو اس میں حرج نہیں۔" (۱۹)

مولانا تقی امینی بیان کرتے ہیں:

"پیداوار میں دونوں فریق برابر کے حصہ دار ہوں اور حصہ کا ذکر پہلے کیا گیا ہو۔"

جبکہ درج ذیل تمام صورتیں ناجائز ہوں گی:

(۱) اگر ایک خاص مقدار پہلے سے متعین کر لی جائے یعنی یہ شرط کی جائی کہ فصل کی پیداوار خواہ کتنی ہو صاحب زمین کو پانچ یا دس من غلہ دینا پڑے گا۔

(۲) شمالی یا جنوبی جانب وغیرہ کی پیداوار صاحب زمین کے لیے مخصوص کر دی جائی۔

(۳) نالی اور دھوپ وغیرہ کی جانب کی پیداوار خاص کر دی جائی۔

(۴) اس شرط پر کسی کو زمین دینا کہ جب تک ہم چاہیں گے تمہارے پاس رکھیں گے اور جب نہ چاہیں گے بے دخل کر دیں گے۔

مذکورہ صورتوں میں یا تو ایک کا حصہ متعین ہے اور دوسرے کا حصہ مشتبہ ہے اور یا دونوں کا حصہ محض بخت و

اتفاق پر منحصر ہے اگر اچانک دل چاہنے پر کاشتکار کو زمین سے بے دخل کر دیا جائے تو عین ممکن ہے کہ اس کے پاس گزر بسر کا اور کوئی سامان نہ رہ جائے۔ اس لیے مزارعت کی صحت کے لیے تعیین مدت کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ البتہ جہاں ایسا رواج نہ ہو وہاں عرف کو مانا جائے گا۔"(۲۰)

مجیب اللہ ندوی اپنی کتاب اسلامی فقہ میں لکھتے ہیں:

(i)"مالک اور مزارع دونوں اپنا حصہ طے کر لیں کہ کس کو کتنا حصہ ملے گا دونوں میں سے کوئی بھی نہ تو اپنے لیے کوئی کھیت مخصوص کر کے معاملہ طے کرے اور نہ وزن' اور پیمانہ کی مقدار مقرر کر کے یہ کہے کہ زیادہ پیداوار ہو یا کم وہ' اتنے من یا اتنے بوجھ ہم لے لیں گے اور جو بچے گا وہ تمہارا ہوگا تو مزارعت صحیح نہ ہوگی اگر دونوں کے حصہ کا تذکرہ نہ ہو تو کاشتکار کے حصہ کا ذکر ضرور ہونا چاہیے کہ اتنا کاشتکار کا ہوگا بقیہ مالک کا۔ اگر زمین لگان پر دینی ہے تو لگان طے ہو جانی چاہیے کہ کتنی ہوگی اس صورت میں کاشتکار کو غلہ اور مالک کو نقد لگان ملے گا۔ (ii) کہ بٹائی پر دینے کے بعد دونوں کو طے شدہ حصہ کے مطابق پیداوار میں شریک رہنا پڑے گا ایسا نہیں ہو سکتا۔ کہ فصل کٹنے کے بعد کوئی فریق یہ کہے کہ ہم غلہ کے بجائے روپیہ لیں گے یا کوئی دوسری جنس لیں گے۔"(۲۱)

چوتھی قسم کی شرائط

اس کا تعلق زمین سے ہے جس میں زراعت مطلوب ہو۔

فتاویٰ عالمگیری میں مذکور ہے:

"واما الذی یرجع الی المزروع فیہ و ھوالا رض فانواع منھا ان تکون صالحۃ للزراعۃ حتی لو کانت سنجۃ او نزۃ لا یجوز العقد و اما اذا کانت صالحۃ للزراعۃ فی المدۃ لکن لا یمکن زراعتھا وقت العقد بعارض من انقطاع الماء و نھان الشتاء و نحوہ من العوارض التی ھی علی شرف الزوال فی المدۃ تجوز مزارعتھا و منھا ان تکون معلومۃ فان کانت مجھولۃ لا تصح المزارعۃ لا نھا تودی الی المنازعۃ ولو دفع الا رض مزارعۃ علی۔ ان ما یزرع فیھا حنطۃ فکذا وما یزرع فیھا شعیرا فکذا فسد العقد لا ن المزروع فیہ مجھول و کذا لو قال علی ان یزرع بعضھا حنطۃ و بعضھا شعیرا" لا ن التنصیص علی التبعیض تنصیص علی التجھیل ولو قال علی ان ما زرعت فیھا حنطۃ فکذا و ما زرعت فیھا شعیرا جاز لا نہ جعل الا رض کلھا ظرفا الزرع الحنطۃ او لزرع الشعیر فانعدم التجھیل۔"

(اور جو شرائط مزروع فیہ یعنی زمین کی طرف راجع ہے وہ چند طرح کی ہے ازاں جملہ کہ یہ زمین قابل کاشت ہو۔ حتیٰ کہ اگرچہ زمین شور یا نمناک ہو گی تو عقد ناجائز ہوگا اور اگر زمین مذکورہ مدت مزارعت میں قابل زراعت ہو لیکن وقت عقد کے کسی عارض بوجہ سے زراعت نہ ہو سکتی ہو مثلاً پانی منقطع ہو یا برف گرتا ہو یا اس کے مثل کوئی امر مانع ہو حالانکہ یہ مانع ایسا ہو کہ مدت مزارعت کے اندر ہی دور ہونے والا ہو تو مزارعت

جائز ہوگی۔

زمین کا رقبہ معلوم ہو۔

ازاں جملہ یہ ہے ہ زمین معلومہ ہو اور اگر مجہول ہو گی تو مزارعت صحیح نہ ہوگی' کیونکہ اس جہالت سے جھگڑا پیدا ہو سکتا ہے اور اگر زمین مزارعت پر اس قرار داد سے دی کہ جس میں گیہوں بووے اس میں یہ بٹائی اور جس میں جو بووے اس میں یہ بٹائی ہے تو عقد فاسد ہوگا۔ کیونکہ مزروع فیہ مجہول ہے۔ اس طرح اگر یوں کہا کہ اس قرار داد سے کہ بعض میں گیہوں بودے اور بعض میں جو بو دے تو بھی فاسد ہے' کیونکہ صریحاً" بعض بعض کرنا قطعی تجہیل (شناخت گم کرنا) ہے۔ اور اگر یوں کہا کہ اس قرار داد سے جس میں تو گیہوں بو دے تو یہ بٹائی یا جو بودے تو یہ بٹائی ہے تو یہ جائز ہے کیونکہ اس نے پوری زمین گیہوں یا جو بونے کے واسطے قرار دی ہے۔ پس تجہیل نہ رہی۔" (۲۲)

عین الہدایہ میں زیر بحث موضوع سے متعلق لکھا ہے:

"احدہا کون الارض صالحۃ للزراعۃ لان المقصود لا یحصل دونہ)

(کہ زمین قابل زراعت ہو یعنی بالفعل اس میں زراعت کرنا ممکن ہو اس واسطے کہ بدون اس کے مزارعت کا مقصود نہیں حاصل ہو گا۔" (۲۳)

خلاصہ الفتاویٰ میں عبدالرشید بخاری لکھتے ہیں:

"کون الارض صالحۃ للزراعۃ" (۲۴)

باقی تمام فقہاء بھی عبدالرشید بخاری کی طرح مزروع فیہ کے معاملہ میں صرف اس کا قابل کاشت ہونا مانتے ہیں۔ دیگر مسئلوں یعنی رقبہ زمین معلوم ہونا وغیرہ کا ذکر نہیں کرتے:

بہار شریعت میں مولانا امجد علی زیر بحث موضوع سے متعلق کہتے ہیں:

"زمین قابل کاشت ہو اگر شور زمین یا بنجر جس میں زراعت کی قابلیت نہیں ہے مزارعت پر دی گئی تو یہ عقد ناجائز ہے اگر کسی وجہ سے اس وقت قابل زراعت نہیں ہے مگر وہ وجہ زائل ہو جائے گی مثلاً اس وقت وہاں پانی نہیں ہے۔ مگر وقت پر پانی ہو جائے گا اس وقت کھیت پانی میں ڈوبا ہوا ہے بونے کے وقت تک سوکھ جائے گا تو مزارعت جائز ہے۔" (۲۵)

مجیب اللہ ندوی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

"کہ جو زمین مزارعت کے لیے دی جائے وہ قابل کاشت ہو اگر کوئی اپنی اوکر بنجر زمین دے کہ یہ کہے کہ تم اس کو قابل کاشت بناؤ اور بنا کر اس میں کھیتی کرو جو پیداوار ہو گی دونوں بانٹ لیں گے تو یہ صحیح نہیں ہے او سر اور بنجر زمین کسی کی ملکیت نہیں ہوتی۔" (۲۶)

پانچویں قسم کی شرائط

اس کا تعلق آلات کشاورزی سے ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں بیان ہوا ہے:

"واما الذی یرجع الی الۃ المزارعۃ فھو ان یکون البقر فی العقد تابعا و ان جعل مقصودا فی العقد تفسد المزارعۃ"

(اور جو شرط کہ آلات مزارعت کی طرف راجع ہے وہ یہ ہے کہ بیل اس عقد میں تابع عقد قرار دیا جاوے اور اگر بیل بھی عقد میں مقصود ہو تو مزارعت فاسد ہو گی) (۲۷)

مولانا مجیب اللہ ندوی لکھتے ہیں:

"زمین، ہل، بیل اور بیج کے بارے میں یہ طے ہو جانا چاہیے کہ کس کی کون سی چیز ہو گی، یعنی یہ کہ مالک صرف زمین دے کر علیحدہ ہو جائے گا اور ہل، بیل اور محنت مزارع کی۔" (۲۸)

چھٹی قسم کی شرائط

اس کا تعلق یہ طے کرنے سے ہے کہ بیج کس کی طرف سے ہو گا۔

فتاویٰ نورا لہدایہ ترجمہ اردوی شرح وقایہ میں مذکورہ موضوع سے متعلق لکھا ہے:

"کہ تخم دینے والے کو متعین کر دینا ف یعنی بیج بونے کے لیے کون دیوے جس کی زمین ہے وہ دیوے یا جو محنت کرتا ہے وہ دیوے گا۔ اس کی نعیین ضروری ہے اور بعضوں کے نزدیک موافق عرف کے عمل ضرور ہے۔ در مختار ص" (۲۹)

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ذکر کیا گیا ہے:

"مزارعت کی صحت کی شروط تقریبا علی مذہب الصاحبین کتب فقہ میں آٹھ ہیں۔ ان میں سے پانچویں یہ ہے ہ معلوم ہو تخم کس کا ہو گا۔" (۳۰)

عین الہدایہ میں ذکر ہوا ہے:

"وبیان من علیہ البذر قطعا للمنازعۃ واعلاما للمعقود علیہ و ہو منافع الارض او منافع العامل۔"

(یہ کہ وہ شخص بیان سے معین ہو جاوے جس پر تخم ہونگے تاکہ جھگڑا قطع ہو اور تاکہ معقود علیہ کا اعلام (خبر دینا۔ بتانا) ہو جاوے اور وہ زمین کے منافع یا عامل کے منافع ہیں) ف یعنی عقد مزارعت میں صریح بیان ہو جاوے کہ تخم از جانب زمیندار ہوں گے یا از جانب کاشتکار ہوں گے۔ تاکہ بعد معاقدہ کے جھگڑا نہ ہو اور یہ بھی معلوم ہو جاوے کہ کس چیز کے منافع حاصل کرنے پر عقد ہوا۔ چنانچہ اگر تخم از جانب کاشتکار ٹھہریں تو گویا اس نے زمین کو منافع حاصل کرنے کے لیے لیا ہے کہ اس میں اپنے بیجوں سے زراعت کرے اور اگر بیج از جانب زمیندار ہوں تو اس نے کاشتکار کے منافع پر عقد کیا یعنی کاشتکار اس کی زمین میں سے اس کے بیجوں سے کام و محنت کرے، اور واضح ہو کہ اصل میں کل کھیتی اس شخص کی ملک ہے جس کے بیج ہیں۔ اور دوسرے کا حصہ اس میں بوجہ قرار داد معاملہ کے ہے جبکہ مزارعت جائز ہے۔" (۳۱)

خلاصۃ الفتاویٰ میں بیان ہوا ہے:

"و من شرایطها بیان من علیه البذر و عن بعض ائمة البلخ ان کان فی کل موضع کان بینهم عرف ظاهر ان البذر یکون علی احدهما بعینه فلا یشترط بیان من علیه البذر۔" (۳۲)

بہار شریعت میں موضوع زیر بحث کے بارے میں کہا گیا ہے:

"یہ بیان کہ بیج مالک زمین دے گا یا کاشتکار کے ذمہ ہو گا اگر بیان نہ ہو تو وہاں کا جو عرف ہو وہ کیا جائے جیسے یہاں ہندوستان بھر میں یہی عرف ہے کہ بیج کاشتکار کے ہوتے ہیں۔"(۳۳)

ساتویں قسم کی شرائط

ان کا تعلق مدت بیان کرنے سے ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں بیان ہے:

"واما الذی یرجع الی المدة فهو ان تکون المدة معلومة فلا تصح المزارعة الا ببیان المدة لتفاوت وقت ابتداء الزراعة حتی ارکان فی موضع لا یتفاوت یجوز من غیر بیان المدة و هو علی اول زرع یخرج هکذا فی البدائع و ان بین وقتا لا یتمکن فیه من الزراعة فسدت المزارعة فصار ذکره ولا ذکره سواء و کذلک اذا بین مدة لا یعیش احدهما الی مثلها غالبًا لا تجوز کذا فی الذخیرة۔"

(اور جو شرط مدت کی طرف راجع ہے وہ یہ ہے کہ مدت معلومہ ہو پس مزارعت بدون بیان مدت کے صحیح نہ ہوگی۔ کیونکہ ابتدائے زراعت کا وقت مختلف ہوتا ہے حتیٰ کہ جس موضع میں اس امر میں تفاوت نہ ہو وہاں بغیر بیان مدت کے مزارعت جائز ہوگی اور اس کا وقت وہ ہوگا جس وقت کوئی کھیتی پہلے پھوٹے یہ بدائع میں ہے اور اگر وقت ایسا بیان کیا کہ اس وقت کاشتکار کو زراعت کی مجال نہیں ہے تو مزارعت فاسد ہوگی اور مدت کا ذکر کرنا اور نہ کرنا یکساں ہوگا اس طرح اگر ایسی مدّت بیان کی کہ دونوں میں سے ایک اس وقت تک غالبًا زندہ نہ رہے گا تو بھی مزارعت جائز نہ ہوگی یہ ذخیرہ میں ہے۔) (۳۴)

فتاویٰ نور الہدایہ ترجمہ اردوی شرح وقایہ میں ذکر کیا گیا ہے:

"مزارعت کے صحیح ہونے کی شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ مدت مذکور ہو ف موافق دستور کے اور درمختار میں ہے کہ ہمارے زمانے میں ذکر مدّت ضروری نہیں اور اسی پر فتویٰ ہے ص" (۳۵)

عین الہدایہ میں زیر بحث موضوع سے متعلق لکھا گیا ہے:

" (و بیان المدة لانه عقد علی منافع الارض)

اور یہ کہ مدت بیان ہو اس واسطے کہ عقد مزارعت ایسا عقد ہے جو زمین کے منافع حاصل کرنے پر واقع ہوتا ہے۔ ف اگر تخم کاشتکار کی جانب سے ہوں۔ (اور منافع العامل) یا کاشتکار کے منافع حاصل کرنے پر واقع ہوتا ہے۔ ف جبکہ تخم مالک زمین کی جانب سے ہوں غرض کہ زمین یا عامل کے منافع حاصل کرنے پر یہ عقد ہوتا

ہے اور منافع حاصل کرنے کی کوئی حد ہونا چاہیے کہ یہ منافع کہاں تک معقود ہووے۔ (والمدۃ ہی المیعاد لہا لنعلم بہا) اور مدت ہی اس منافع کے لیے معیار ہے۔ تاکہ مدت سے منافع کی حد معلوم ہو۔ ف یعنی اس مدت تک زمین یا کاشتکار کے منافع پر یہ عقد واقع ہوا ہے اور غیر محدود نہیں ہے۔" (۳٦)

خلاصہ الفتاوی میں مصنف لکھتے ہیں:

"و بیان المدۃ سنۃ اور سنتین شرط فی المزارعۃ و فی المعاملہ یجوز من غیر بیان المدۃ استحسانا و یقع علی اول ثمرۃ یخرج فی تلک السنۃ و فی النوا زل عن محمد بن سلمۃؒ المزارعۃ من غیر بیان المدۃ جائزۃ ایضا و یقع علی سنۃ واحدۃ یعنی علی زرع واحد و بہ اخذ الفقیہ ابو اللیثؒ و فی النوازل وقال انما شرط اصل الکوفۃ بیان الوقت لان وقت المزارعۃ عندھم متفاوت و ابتداءھا و انتہاؤھا مجھول و وقت المعاملۃ معلوم فاجاز والمعاملۃ و یقع علی اول السنۃ و لم یجیز والمزارعۃ اما فی بلادنا وقت المزارعۃ فمعلوم فیجوز و ان لم یوقت کالمعاملہ ولو دفع ارضہ مزارعۃ خمسھا یۃ سنۃ فھی فاسدۃ" (۳۷)

بہار شریعت میں مذکور ہے:

"یہاں مدت مثلاً ایک سال دو سال کے لیے زمین دی اور اگر مدت کا بیان نہ ہو تو صرف پہلی فصل کے لیے مزارعت ہوئی اور اگر ایسی مدت بیان کی جس میں زراعت نہ ہو سکے یا اتنی مدت بیان کی کہ اتنی مدت تک ایک کے زندہ رہنے کی بظاہر امید نہیں تو ان دونوں صورتوں میں مزارعت فاسد ہے۔" (۳۸)

اسلام کا زرعی نظام میں تقی امینی لکھتے ہیں:

"مزارعت کی صحت کے لیے تعیین مدت کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ البتہ جہاں کہیں مدت معین کرنے کا عرف و رواج نہ ہو وہاں تعیین مدت کے بغیر معاملہ مزارعت صحیح ہو جائے گا لیکن ایسی صورت میں یہ معاملہ پہلے ہی سال کے لیے سمجھا جائے گا۔" (۳۹)

مولانا مجیب اللہ ندوی لکھتے ہیں:

"شرائط میں سے ہے کہ زمین دیے جانے کی مدت متعین کر دی جائے کہ اتنے مہینے یا اتنے سالوں کے لیے دی جائے گی۔" (۴۰)

آٹھویں قسم کی شرائط

ان کا تعلق تخلیہ بین الارض والعامل سے ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں مذکورہ موضوع سے متعلق لکھا ہے:

"ومنھا ان تکون سلمۃ الی العاقد مخلاۃ و ھو ان یوجد من صاحب الارض التخلیۃ بین الارض والعامل حتٰی لو شرط العمل علی رب الارض لا تصح المزارعۃ لانعدام التخلیۃ فکذا اذا اشترط عملھما جمیعا کذا فی البدائع والتخلیۃ ان یقول صاحب الارض للعامل

سلّمت الیک الارض و من التخلیۃ ان تکون الارض فارغۃ عند العقد فان کان فیھا زرع قد نبت یجوز العقد و یکون معاملۃ ولا یکون مزارعۃ و ان کان فیھا زرع قد ادرک لا یجوز لان الزرع بعد الادراک لا یحتاج الی العمل فتعذر تجویزھا معاملۃ ھکذا فی فتاوٰی قاضی خان۔"

(کہ زمین مذکورہ فارغ کاشتکار کے سپرد کی گئی ہو۔ یعنی مالک زمین کی طرف سے موانع دور کر کے زمین اور کاشتکار کے درمیان تخلیہ کیا گیا ہو۔ حتکہ اگر مالک زمین کے ذمہ کھیتی کے کام میں سے کچھ کام شرط کیا گیا ہو۔ مزارعت صحیح نہ ہو گی۔ کیونکہ تخلیہ نہ پایا گیا۔ اس طرح اگر زمیندار و کاشتکار دونوں کے ذمہ کام کرنا مشروط ہو تو بھی یہی حکم ہے۔ یہ بدائع میں ہے اور تخلیہ کے یہ معنی ہیں کہ مالک زمین کاشتکار سے یوں کہے کہ یہ زمین میں نے تیرے سپرد کی اور یہ بات بھی منجملہ تخلیہ کے ہے کہ زمین مذکور عقد کے وقت فارغ ہو اور اگر ایسا نہ ہو بلکہ اس میں زراعت موجود ہو جو اگی ہو تو عقد جائز ہو گا۔ مگر یہ عقد معاملت ہو گا' عقد مزارعت نہ ہو گا۔ اور اگر اس کی کھیتی پوری ہو کر پختگی پر آگئی ہو تو یہ بھی جائز نہ ہو گا کیونکہ کھیتی کو تیار ہو جانے کے بعد کسی کام کی حاجت نہیں ہے۔ پس اس عقد کو عقد معاملہ تجویز کرنا متعذر ہے یہ فتاوٰی قاضی خان میں ہے۔"(۴۱)

فتاوٰی نور الہدایہ ترجمہ اردوی شرح وقایہ میں ذکر ہوا ہے:

"زمین محنت کرنے والے کے بالکل سپرد کر دی جاوے ف تو اگر صاحب زمین کا عمل بھی شرط ہو یا دونوں کا عمل مشروط ہووے تو عقد صحیح نہیں تخلیہ نہ ہونے کے سبب سے اور تخلیہ یہ ہے کہ زمین کا مالک کہے میں نے تجھ کو تسلیم کر دی یعنی سپرد کر دی زمین کذا فی الطحاوی ص"(۴۲)

فتاوٰی دارالعلوم دیوبند میں مذکور ہے:

"تخلیہ بین الارض والعامل بہت ضروری شرط ہے۔" (۴۳)

عین الہدایہ میں مصنف لکھتے ہیں:

"ان تخلی رب الارض بینھا و بین العامل" یہ کہ زمیندار اپنی زمین و عامل کے درمیان روک اٹھاوے) ف یعنی پورے طور پر کاشتکار کے قبضہ میں دے دے اور اپنا لگاؤ بالکل دور کرے۔ "حتٰی لو شرط عمل رب الارض یفسد العقد لفوات التخلیۃ" (حتی کہ اگر کاشتکار کے ساتھ زمیندار کا کام کرنا شرط ہو تو عقد مزارعت فاسد ہو جائے گا۔ کیونکہ تخلیہ مذکور جاتا رہے گا) ف کیونکہ مالک کا دخل و قبضہ موجود رہے گا۔"(۴۴)

خلاصہ الفتاوٰی میں ذکر کیا گیا ہے:

"ومن شرائطھا التخلیۃ حتے لو شرط فی فے العقد ما یتعذر بہ التخلیۃ مثل عمل رب الارض یفسد المزارعۃ" (۴۵)

بہار شریعت میں لکھا ہے:

"مالک زمین کاشتکار کو وہ زمین سپرد کر دے اور اگر یہ ٹھہرا ہے کہ مالک زمین بھی اس میں کام کرے گا تو مزارعت صحیح نہیں۔" (۴٦)

مولانا مجیب اللہ ندوی لکھتے ہیں:

"ایک شرط یہ ہے کہ زمین کو خالی کر کے کاشتکار کے حوالہ کر دیا جائے۔" (۴۷)

نویں قسم کی شرائط

ان کا تعلق اس فریق کے حصہ کا خاص تعین کر دینا ہے جس کی طرف سے بیج نہ ہوں۔

فتاویٰ نورالہدایہ ترجمہ اردوی شرح وقایہ میں مصنف لکھتے ہیں:

"کہ دوسرے شخص کا حصہ مقرر ہووے ف یعنی جس کا بیج نہیں ہے۔ اس کا حصہ مقرر کر دینا ضروری ہے۔" (۴۸)

عین الہدایہ میں آیا ہے:

"وبیان نصیب من لا بذر من قبلہ"

(کہ جس شخص کی جانب سے بیج نہیں ہیں زراعت میں سے اس کا حصہ بیان ہو جاوے) "لانہ یستحقہ عوضا بالشرط" (کیونکہ وہ اس حصہ کا مستحق بطور عوض کے بوجہ شرط کے ہوتا ہے) ف ورنہ جس کے بیج ہیں اس کی کھیتی ہے ولیکن جب عقد معاملہ میں شرط کی گئی کہ اس کو کام کے عوض میں نصف یا تہائی و چوتھائی وغیرہ ملے گا تو اس حصہ کا بیان ہونا چاہیے

"لا بدان یکون معلوما" (تو اس کا معلوم ہونا ضرور ہے۔ "وما لا یعلم لا یستحق شرطا بالعقد" (اور جو معلوم نہ ہو وہ مستحق نہیں ہوتی حالانکہ عقد کے ذریعہ سے شرط ہو) ف یعنی عقد کے ذریعہ سے جس چیز کا استحقاق ہوا حالانکہ مشروط ہو تو بھی اس کا استحقاق نہیں ہوتا جبکہ معلوم نہیں ہے حتیٰ کہ بیع سے مبیع کا استحقاق نہیں ہوتا اگر غیر معلوم ہو۔" (۴۹)

خلاصہ الفتاویٰ میں بیان ہوا ہے:

"و من شرایطها بیان النصیب علی وجه لا یقطع الشرکة بینهما فی الخارج بان یقول بالنصف او الثلث او الربع وما اشبه ذلک فان بینا نصیب احدهما ینظر ان بینا نصیب من کان البذر من جهة جازت المزارعة استحسانا۔" (۵۰)

مسئلہ مزارعت کے جہاں تک افادی پہلو کا تعلق ہے اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ البتہ اس کی شرطوں اور عملی جامہ پہنانے کی شکلوں میں مفاد عامہ کے پیش نظر اختلاف رائے کی گنجائش نکل سکتی ہے۔ مذکورہ بالا شرائط سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ اسلام کس قسم کی مزارعت کو جائز کہتا ہے اور کس قسم کی مزارعت ناجائز ہے۔ مزارعت میں تمام وہ شرطیں ناجائز ہوں گی جن کا انجام نہ معلوم ہو یا آپس میں نزاع اور حق تلفی کا سبب بنیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن بعض صورتوں سے منع فرمایا تھا اس کی اصل وجہ یہی تھی چنانچہ اسی بناء پر حضرت لیث" کہتے ہیں "وکان الذی نہی عن ذلک ما لو نظر فیہ ذوالفہم بالحلال

والحرام لم یجیزوه لما فیه من المخاطرة" (رسول اللہ ؐ نے جن صورتوں سے منع فرمایا تھا وہ ایسی تھیں کہ جن کو کوئی بھی سوجھ بوجھ رکھنے والا اور حلال و حرام کی تمیز رکھنے والا شخص جائز نہ رکھتا کیونکہ ان میں حق تلفی وغیرہ کا خطرہ تھا) (بحوالہ صحیح مسلم)

اب آئندہ ان شرائط کا تفصیلی جائزہ لیا جائے گا جو ناجائز اور فاسد ہیں اور جو نزاع اور حق تلفی کا سبب بن سکتی ہیں۔

(ii) شرائط مزارعت مفسدہ

(۱) شرائط مزارعت مفسدہ میں سے ایک یہ ہے کہ جملہ پیداوار کو فریقین میں سے ایک کا حصہ قرار دیا جائے۔

(۲) اس طرح اگر کاشت کی ذمہ داری زمیندار نے خود لی اور یہ شرط لگا دی کہ محنت اس کے ہی ذمہ ہوگی تو معاملہ فاسد ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ زمین پھر کاشتکار کے سپرد نہیں ہوسکے گی حالانکہ معاملہ مزارعت کے صحیح ہونے کے لئے تخلیہ شرط ہے۔

(۳) ایک اور شرط جس سے عقد مزارعت فاسد ہوجاتا ہے یہ ہے کہ آلات کشاورزی جانور وغیرہ فراہم کرنا زمیندار کے ذمے ہو۔ کیونکہ آلات کشاورزی فراہم کرنا کاشتکار کے ذمہ ہے۔

(۴) اس طرح بھی مزارعت فاسد ہوگی اگر کاٹنا چھڑنا وغیرہ زمیندار کے ذمے شرط کیا جائے بشرطیکہ یہی رواج مشہور ہو۔ اس سلسلے میں جو اصول اختیار کرنا چاہیے وہ یہ ہے کہ جو امور کاشت کے کام میں اناج کاٹنے اور خشک ہونے سے پہلے ضروری ہیں مثلاً سینچنا' حفاظت کرنا نقصان دہ بوٹیوں کو اکھاڑنا یا گوڈی یا پانی کی کھال بنانا وغیرہ یہ سب تو مزارع (یا کاشتکار) کے ذمے ہوں۔ باقی وہ امور جو بالیاں خشک ہونے اور انہیں اتارنے کے بعد ضروری ہیں ان کی دو قسمیں ہیں۔

(ا) پہلی قسم میں وہ امور ہیں جن کی ضرورت غلہ کی تقسیم سے پہلے پڑتی ہے۔ مثلاً بالیوں سے دانے کو نکال کر بھوسے کو دور کرنا۔ اور چھڑنا اور اس کو صاف کرنا اور اس پر جو اخراجات ہوں وہ تو فریقین کے ذمے ان کے حصوں کی نسبت سے ڈالے جائیں۔ مثلاً نصف یا تہائی وغیرہ۔

(ب) دوسری قسم کے وہ امور ہیں جن کی ضرورت مزارعت میں اناج کی تقسیم کے بعد پڑتی ہے۔ جیسے کھیت سے اٹھا کر گھر تک لانا وغیرہ ان اخراجات کی ذمہ داری فریقین کے حصے کے مطابق ہر ایک پر جدا جدا ہوگی۔ یعنی تقسیم کے بعد جس قدر حصہ ان میں سے ہر ایک کو ملے گا اسی نسبت سے وہ اخراجات برداشت کریں گے۔

(۵) ایک اور فاسد شرط یہ کہ بھوسا اس فریق کا حق قرار پائے جس نے بیج نہ دیا ہو۔ یہ شرط تقاضائے صحت معاملہ کے منافی ہے۔ معاملہ کا تقاضا یہ ہے کہ بھوسا بیج والے کا حق ہے۔ اگر بوقت معاملہ بھوسے کا ذکر نہیں آیا اور یہ نہیں بتایا گیا کہ بھوسا دونوں میں سے کس فریق کا ہوگا۔ ایسی صورت میں بعض اصحاب تو یہی کہتے ہیں کہ بھوسا بیج والے کا حق ہے۔ کیونکہ بھوسا اناج کے دانوں میں سے نکلا ہے۔ لہذا وہ اس کا حق ہے۔ جس نے دانے دیے۔ لیکن بعض اصحاب کہتے ہیں کہ بھوسے پر عام رواج کے پیش نظر فریقین کے حصوں کے مطابق ان کا حق ہے بایں طور کہ اگر کاشتکار صرف چوتھائی حصے کا شریک ہے تو حنفیہ کے نزدیک غالب خیال یہ ہے کہ بھوسے پر اس کا کوئی حق نہیں ہے۔ ہاں اگر ایک تہائی کا شریک ہے تو آدھے بھوسے کا حق دار ہے۔

(۶) ایک اور شرط مزارعت کو مفسد کرنے کی یہ ہے کہ زمیندار مزارع سے یہ شرط کر لے کہ وہ زمین پر کوئی ایسی چیز بنائے گا کہ میعاد معاملہ گزر جانے پر بھی وہ چیز اس زمین پر باقی رہے جیسے کوئی گھر یا پانی کے لئے گڑھا (حوض) وغیرہ اگر اسی قسم کی کوئی شرط لگائی گئی تو معاملہ فاسد ہوجائے گا۔ رہا اغراض کاشت کے لئے زمین کی کھدائی وغیرہ کی شرط تو دیکھنا

ہوگا کہ یہ زراعت کے کام کی بہتری کے لئے ہے یا زمین کو بہتر بنانے کے لئے جس کا فائدہ مدت مزارعت گذر جانے کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔ پہلی صورت میں یہ شرط صحیح ہے اور معاہدہ مزارعت کو متقاضی بھی ہے۔ کیونکہ جب تک زمین کی کھدائی نہ ہو وہ قابل کاشت نہیں ہوگی۔

دوسری صورت میں ایسی شرط معاملہ کو فاسد کردے گی اس کی مثال یہ ہے کہ بغرض کاشت زمین میں قلبہ رانی کی شرط کے ساتھ یہ بھی شرط لگا دی کہ جب کھیتی کٹ چکے تو اس میں دوبارہ قلبہ رانی کرکے چھوڑا جائے۔ تاکہ زمیندار اس زمین کو قابل کاشت تیار رکھے۔ اس صورت میں دوبارہ قلبہ رانی کی شرط کو اس کھیتی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ لہٰذا معاملہ فاسد ہوجائے گا۔

فوائد فیروز شاہی میں لکھا ہے:

"۳۔ ہمچنین تخم بشرط نیست مرتحت مزارعت را کرمہ دی زمین پیکی میدہد بدین شرط اگر گندم بکار و حصہ او چندین روا نباشد (واگر جو بکار و حصہ او چندین)"

(اگر کوئی آدمی کسی کو زمین دیتا ہے۔ اس شرط کے ساتھ کہ گندم کاشت کرے تو اتنا خاص حصہ ہوگا جو کاشت کرے تو اتنا خاص حصہ ہوگا یہ درست نہیں ہے۔) (۵۱)

فتاویٰ عالمگیری میں مذکور ہے:

"و اما الشروط المفسدة للمزارعة فانواع منها كون الخارج لاحدهما لانه شرط يقطع الشركة ومنها شرط العمل على صاحب الارض لان ذلك يمنع التسليم ومنها شرط البقر عليه ومنها شرط الحصاد والرفع الى البيدر والدياس------------ عمل يبقى اثره ومنفعة الى ما بعد المدة فكان مفسدا حتى اركان فى موضع لا تبقى منفعة لا تفسد"

(۱) (ازاں جملہ یہ کہ تمام پیداوار غلہ دونوں میں سے کسی ایک کے واسطے شرط کیا تو یہ شرط مفسد ہے کیونکہ شرکت کو قطع کرتی ہے۔

(۲) ازاں جملہ یہ کہ مالک زمین پر کام کرنے کی شرط لگائی تو مفسد ہے کیونکہ یہ شرط مزروع فیہ سپرد کرنے سے مانع ہے۔

(۳) ازاں جملہ یہ کہ مالک زمین کے ذمہ بیل دینا شرط کیا۔

(۴) ازاں جملہ یہ کھیتی کاٹ کر کھلیان میں ڈالنے اور روندائی اور دانہ صاف کرانے کی شرط کاشتکار کے ذمہ لگائی تو مفسد ہے۔ (ا) اور اصل یہ ہے کہ کھیتی تیار ہوکر خشک ہونے سے پہلے کھیتی کی اصلاح کے واسطے جن باتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ جیسے سینچنا و حفاظت کرنا و نکلنا و نالیاں وغیرہ وغیرہ تیار کرنا یہ سب کاشتکار کے ذمہ ہیں۔ اور (ب) جن امور کی ضرورت کھیتی پوری تیار ہوکر خشک ہونے کے بعد تقسیم غلہ سے پہلے ہوتی ہے۔ جیسے پھٹک کر دانہ صاف کرنا وغیرہ وہ ان دونوں کے ذمہ اسی حساب سے جو پیداوار غلہ میں مشروط ہے ہوتا ہے۔ (ج) اور تقسیم غلہ کے بعد حصہ رسدی کے احراز (اپنے مکان میں جمع کرکے محفوظ کرلینا) کے واسطے جن امور کی ضرورت ہوتی ہے جیسے اٹھا کر گھر پہونچانا وغیرہ تو یہ کام دونوں میں سے ہر ایک پر اپنے اپنے حصہ کے واسطے لازم ہے (حوالہ) اور (امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے کھیتی کاٹنے اور کھلیان میں ڈالنے اور روندنے و دانہ پاک کرنے کی شرط کاشتکار کے ذمہ جائز رکھی ہے۔ اس وجہ سے کہ

لوگوں کا تعامل پایا جاتا ہے۔)

حوالہ (اور ہمارے بعض مشائخ ماوراء النہر نے بھی اس پر فتوی دیا ہے۔ اور اس کو مشائخ خراسان میں سے نصر بن یحیٰ و محمد بن مسلمہ نے اختیار کیا ہے۔ کذا فی البدائع)

حوالہ (اور ظاہر الروایت کے موافق کاشتکار کے ذمہ کھیتی کاٹنے اور روندنے اور دانہ پاک کرنے کی شرط لگانی مفسد ہے۔ کذافی فتاوی قاضی خان۔ اور اسی پر فتوی ہے۔ کذا فی الکبرے اور نصر بن یحی و محمد بن سلمہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ یہ سب باتیں کاشتکار کے ذمہ ہوتی ہیں خواہ شرط لگائی ہو یا نہ لگائی ہو۔ اس وجہ سے کہ عرف یہی ہے اور شیخ شمس الائمہ سرخسی نے فرمایا کہ ہمارے دیار میں یہی صحیح ہے۔ اور شیخ ابوبکر محمد بن الفضلؒ سے مروی ہے کہ ان سے جب اس مسئلہ پر فتوی طلب کیا جاتا تو فرماتے تھے کہ اس میں عرف ظاہر ہے۔ یہ فتاوی قاضی خان میں ہے۔

(۵) ازاں جملہ یہ ہے کہ جس کی طرف سے بیج نہ تھا اس کے واسطے بھوسے کی شرط کرنا یہ فاسد ہے۔

(۶) ازاں جملہ یہ ہے کہ مالک زمین کاشتکار کے ذمے ایسے کام کی شرط لگا دے جس کا اثر و منفعت مدت مزارعت کے بعد باقی رہے۔ جیسے چہار دیواری بنانا و کنگرہ درست کرنا اور نہر کھود کر تیار کردینا اور کاریز بنانا اور اسکے مثل کام جن کا اثر و منفعت مدت مزارعت گزرنے کے بعد باقی رہتا ہے۔

(۷) رہا زمین گوڑنا (ہل چلانا) پس اگر عقد میں دونوں نے بغیر صفت تثنیہ یعنی دوبارہ گوڑنے کی مطلقاً" شرط کیا تو عامہ مشائخ نے فرمایا کہ مزارعت فاسد نہ ہوگی۔ اور یہی صحیح ہے اور اگر دوبارہ گوڑنا شرط کیا تو مزارعت فاسد ہوگی کیونکہ دوبارہ گوڑنے کے یا تو یہ معنی ہیں کہ ایک دفعہ زراعت کے واسطے گوڑے اور دوسری دفعہ کھیتی کٹنے کے بعد گوڑ دے تاکہ گوڑی ہوئی زمین اپنے مالک کے پاس واپس پہنچے تو ایسی شرط بلاشک مفسد ہے۔ کیونکہ بعد کھیتی کٹنے کے گوڑنا اس سال کے کاموں میں سے نہیں ہے۔ اور یا یہ معنی ہیں کہ قبل زراعت کے دوبارہ گوڑ کر زراعت کرے اور یہ کام ایسا ہے کہ اس کا اثر و نفع مدت مزارعت کے بعد بھی باقی رہتا ہے۔ تو یہ شرط مفسد ہوگی۔ حتکہ جہاں کہیں اس کا اثر و نفع باقی نہیں رہتا ہے وہاں یہ شرط مفسد نہ ہوگی۔"(۵۲)

بہار شریعت میں مصنف لکھتے ہیں:

"شرط درج ذیل سے مزارعت فاسد ہوجاتی ہے۔

(۱) پیداوار کا ایک کے لئے مخصوص ہونا۔

(۲) مالک زمین کے کام کرنے کی شرط

(۳) ہل' بیل مالک زمین کے ذمہ شرط کردینا۔

(۴) کھیت کاٹنا اور ڈھو کر خرمن میں پہنچانا پھر دائیں چلانا اور غلہ کو بھوسہ اڑا کر جدا کرنا ان سب کو مزارع پر شرط کرنا مفسد ہے۔ اس میں دو روایتیں ہیں۔ اور یہاں کا عرف یہ ہے کہ یہ چیزیں بھی مزارع ہی کرتا ہے۔ مگر رواج یہ ہے کہ ان سب چیزوں میں مزدوری جو کچھ دی جاتی ہے وہ مشترک غلہ سے دی جاتی ہے۔ مزارع اپنے پاس سے نہیں دیتا بلکہ ان مصارف کے بعد جو کچھ غلہ بچتا ہے وہ حسب قرار داد تقسیم ہوتا ہے۔

(۵) ایک کو غلہ ملے گا اور دوسرے کو صرف بھوسہ یہ بھی فاسد ہے۔

(۶) غلہ بانٹا جائے گا اور بھوسہ وہ لے گا جس کے بیج نہیں۔ بھوسہ بانٹا جائے گا اور غلہ صرف ایک کو ملے گا۔ اور اگر یہ شرط ہے کہ غلہ بٹے گا اور بھوسہ اس کو ملے گا جس کے بیج ہیں۔ جیسا یہاں کا یہی عرف ہے کہ مزارع بیج دیتا ہے۔ اور بھوسہ لیتا ہے یہ صورت صحیح ہے۔ یوہیں اگر بھوسے کے متعلق کچھ ذکر ہی نہ آیا کہ اس کو کون لے گا یہ بھی صحیح ہے مگر اس صورت میں بھوسہ کون لے گا۔ اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ یہ بھی بٹے گا اور دوسرا یہ کہ جس کے بیج ہیں۔ اسے ملے گا۔ ظاہر الروایہ ہے اور یہاں کا عرف دوسرے قول کے موافق ہے۔" (۵۳)

مجیب اللہ ندوی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے:

(۱) "مزارعت و مساقات یا اجارہ ارض میں اگر کاشت کار نے مالک زمین سے بھی کام کرنے کی شرط لگا دی تو یہ معاملہ فاسد ہو جائے گا۔ فصل کی تیاری میں جتنی محنت صرف ہوگی وہ سب کاشت کار کے ذمہ ہوگی مالک سے وہ محنت نہیں لے سکتا یوں وہ خود کر لے تو اس کو اختیار ہے۔

(۲) کھیتی کے اخراجات اور اس کے کاٹنے' دھونے' مالش یا دانہ نکالنے کی ذمہ داری اگر کاشت کار پر ڈالی جائے تو یہ معاملہ صحیح نہ ہوگا۔

بلکہ اپنے اپنے حصہ کے بقدر خرچ برداشت کرنا ہوگا۔ یہ امام صاحبؒ کا مسلک ہے مگر امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں۔ کہ سارے زرعی اخراجات اور کاٹنے اور مالش کرنے کی ذمہ داری کاشت کار پر ڈالی جاسکتی ہے۔ امام سرخسیؒ نے تعامل کی وجہ سے اسی کو ترجیح دی ہے ہمارے دیار میں بھی یہی تعامل ہے البتہ غلہ پیدا کرنے کے لئے کھاد وغیرہ ڈالنے میں دونوں کو شریک کرنا ضروری ہے۔

(۳) غلّہ تقسیم ہو جانے کے بعد ہر شخص اپنا غلہ اٹھا کر لے جاوے کاشتکار پر مالک زمین کا غلہ پہونچانے کی ذمہ داری نہیں ہے۔ اگر اس سے یہ کام لیا جائے گا تو مزدوری دینی پڑے گی۔

(۴) جس کا بیج ہو وہ یہ شرط نہیں لگا سکتا کہ بیج کے بقدر غلہ لے لینے کے بعد پھر دونوں تقسیم کریں گے اگر یہ شرط لگائی گئی تو یہ معاملہ فاسد ہو جائے گا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اتنا ہی غلہ پیدا ہو جتنا بیج ڈالا گیا ہے۔ اس لئے دوسرا بالکل محروم ہو جائے گا اور یہ شراکت کے اصول کے خلاف ہے کہ کوئی فریق بالکل محروم رہ جائے۔

(۵) اسی طرح جتنی زمین بطور مزارعت کسی کو دی گئی ہے۔ اس زمین کا یا کھیت کا یا فصل کا کوئی حصہ کوئی فریق مخصوص نہیں کر سکتا ورنہ یہ معاملہ باطل ہو جائے گا۔ مثلاً" یہ کہ کھیت کا مالک کھیت کے دو ٹکڑے کر دے اور یہ کہے کہ فلاں ٹکڑے میں جو پیدا ہوگا وہ میرا اور دوسرے ٹکڑے میں جو پیدا ہوگا۔ وہ تمہارا یا گیہوں اور جو بونے کے لئے معاملہ ہو اور ایک نے یہ شرط لگا دی کہ گیہوں ہمارا ہوگا اور جو تمہارا تو یہ بھی ناجائز ہے۔ اسی طرح کسی کھیت میں لوکی اور آلو بویا گیا اور یہ شرط کسی فریق نے لگائی کہ آلو ہمارا اور لوکی تمہاری یا لوکی ہماری اور آلو تمہارا تو یہ سب صورتیں ناجائز ہوگی۔

اسی طرح بطور مساقات باغ یا کوئی کھیتی دی اور یہ شرط لگا دی کہ فلاں درخت یا فلاں پھل مثلاً" لنگڑا' ثمر بہشت یا دسہری یا خاص الخاص یا فلاں بیجوں کے درخت کا پھل ہمارا ہوگا یا فلاں چیز کی فصل ہماری ہوگی بقیہ تمہاری تو یہ شرط لگا دینے سے

بھی یہ معاملہ ناجائز ہو جائے گا۔

(۶) غلہ کی طرح بھوسہ بھی دونوں میں تقسیم ہو گا اگر یہ شرط لگا دی کہ غلہ ایک کا اور بھوسہ دوسرے کا تو یہ صحیح نہیں ہے لیکن جس نے بیج دیا ہے اس نے اگر یہ شرط لگا دی کہ کل بھوسہ ہم لیں گے تو یہ شرط صحیح ہے لیکن اگر یہ شرط وہ فریق لگا دے جس نے بیج نہیں دیا ہے تو یہ معاملہ باطل ہو جائے گا۔ فقہاء نے بیج کی قید اس لئے لگائی ہے کہ بھوسہ ایک ضمنی نتیجہ ہے۔ بیج کا اس لئے بیج والے کو اتنی رعایت دی جاسکتی ہے کہ وہ یہ شرط لگا سکے۔ مزارعت کا معاملہ طے کرتے وقت اگر بھوسہ کے بارے میں کچھ طے نہیں ہوا تھا تو پھر غلہ کی تقسیم کے مطابق بھوسہ کی تقسیم بھی ہوگی۔ (ہدایہ ج ۳ ص ۴۱۴)

(۷) مزارعت میں بفرض محال کچھ نہ پیدا ہو تو پھر عامل یعنی کاشت کار کو کچھ نہ ملے گا۔ لیکن اگر مالک نے سب کچھ دے کر کسی کاشتکار سے بطور اجیر کھیتی کرائی تھی اور یہ شرط لگائی تھی کہ جو پیداوار ہوگی۔ اس میں اتنا حصہ تم کو دیں گے تو کچھ پیدا نہ ہونے کی صورت میں اتنے دن کی مزدوری مالک کو دینی پڑے گی۔

(۸) کاشت کار مزارعت کی زمین میں کچھ محنت کر چکا ہے۔ مثلاً" دو ایک بار ہل چلا چکا ہے۔ یا کیاریاں بنا رہا ہے۔ گھاس وغیرہ صاف کر کے اس میں کھاد وغیرہ ڈال چکا ہے مگر ابھی تک اس نے کھیت میں بویا نہیں ہے تو مالک زمین کو اس وقت تک معاملہ فسخ کرنے کا حق ہے مگر اتنے دن کی محنت کی مزدوری اس کو دینی پڑے گی اور جو خرچ اس نے کیا ہے وہ واپس کرنا پڑے گا۔" (۵۴)

حواشی

(۱) فتاویٰ عالمگیری' کتاب المزارعہ۔ جلد ۴ ص ۹۳۔۔

(۲) مفتی عزیز الرحمٰن' فتاویٰ دارالعلوم دیوبند / عزیز الفتاویٰ' سوال نمبر۱۲۶۱' ص ۸۰۔

(۳) مجیب اللہ ندوی' اسلامی فقہ' باب مزارعہ ص ۵۷۱۔ ۵۷۲۔

(۴) فتاویٰ عالمگیری' کتاب المزارعت۔ جلد ۴ ص ۹۳۔

(۵) مولانا محمد عبدالغفار لکھنوی' نور الہدایہ' ترجمہ اردوی شرح وقایہ۔ کتاب المزارعہ جلد ۱ ص ۴۲۔

(۶) سید امیر علی' عین الہدایہ۔ کتاب المزارعہ' ص ۴۰۔

(۷) مولانا امجد علی' بہار شریعت۔ کتاب المزارعہ' ص ۷۶۔

(۸) مجیب اللہ ندوی' اسلامی فقہ۔ باب المزارعہ' ص ۵۷۱۔

(۹) فتاویٰ عالمگیری' کتاب المزارعت۔ جلد ۴ ص ۹۳۔

(۱۰) فتاویٰ عالمگیری' کتاب المزارع' باب ۴' ص ۹۳۔

(۱۱) مولانا محمد عبدالغفار لکھنوی' نور الہدایہ ترجمہ اردوی شرح وقایہ' جلد ۱ کتاب المزارعت' ص ۴۲۔

(۱۲) سید امیر علی' عین الہدایہ۔ کتاب المزارعت' ص ۴۳۔

(۱۳) مولانا امجد علی' بہار شریعت۔ کتاب المزارعت' ص ۷۶۔

(۱۴) مولانا مجیب اللہ ندوی' اسلامی فقہ۔ ص ۵۷۳۔

(۱۵) فتاویٰ عالمگیری' کتاب المزارعت' باب ۴' ص ۹۳۔

(۱۶) مولانا محمد عبدالغفار لکھنوی' نور الہدایہ ترجمہ اردوی شرح وقایہ' جلد ۱' کتاب المزارعہ' ص ۴۲۔

(۱۷) سید امیر علی مولانا' عین الہدایہ' کتاب المزارعت' ص ۴۳۔ ۴۵۔

(۱۸) امام ابن عابدین' خلاصہ الفتاوے مع مجموعہ الفتاویٰ ☆' کتاب المزارعت' ص ۱۹۰۔

☆ مجموعہ الفتاویٰ مولانا عبدالحیٔ لکھنوی کی تصنیف ہے اس میں کتاب المزارعت و مساقات نہیں ہے اس لیے یہاں ذکر نہیں آیا۔

(۱۹) مولانا امجد علی' بہار شریعت۔ کتاب المزارعت ۷۶ ۔ ۷۷

(۲۰) تقی امینی' اسلامی کا زرعی نظام۔ ص ۱۸۴۔

(۲۱) مجیب اللہ ندوی' اسلامی فقہ' باب المزارعت' ص ۵۷۲۔

(۲۲) فتاویٰ عالمگیری' کتاب المزارعہ' جلد ۴' ص ۹۴۔

(۲۳) سید امیر علی' عین الہدایہ۔ کتاب المزارعت' ص ۴۵۔

(۲۴) عبدالرشید البخاری' خلاصہ الفتاویٰ۔ کتاب المزارعت' ص ۱۹۴۔

(۲۵) مولانا امجد علی، بہار شریعت، کتاب المزارعت، ص ۷۶۔

(۲۶) مجیب اللہ ندوی، اسلامی فقہ۔ کتاب المزارعت، ص ۵۷۱۔

(۲۷) فتاویٰ عالمگیری، کتاب المزارعت، جلد ۴، ص ۹۴۔

(۲۸) مجیب اللہ ندوی، اسلامی فقہ، باب مزارعت، ص ۵۷۱۔

(۲۹) مولانا محمد عبدالغفار لکھنوی، نور الہدایہ، ترجمہ اردوی شرح وقایہ، کتاب المزارعت، ص ۴۲۔

(۳۰) عزیز الفتاویٰ، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، سوالاً جواباً (سوال نمبر ۱۲۶۱) ص ۶۰۔

(۳۱) سید امیر علی، عین الہدایہ، کتاب المزارعت، ص ۵۰۔

(۳۲) عبدالرشید بخاری، خلاصہ الفتاویٰ۔ کتاب المزارعت، ص ۱۹۰۔

(۳۳) مولانا امجد علی، بہار شریعت۔ کتاب المزارعت، ص ۷۶۔

(۳۴) فتاویٰ عالمگیری، کتاب المزارعت باب ۴، ص ۹۴۔

(۳۵) مولانا محمد عبدالغفار لکھنوی، نور الہدایہ ترجمہ اردوی شرح وقایہ، جلد ۱، کتاب المزارعت، ص ۴۲۔

(۳۶) سید امیر علی، عین الہدایہ، کتاب المزارعت، ص ۵۱۔

(۳۷) عبدالرشید بخاری، خلاصہ الفتاویٰ، کتاب المزارعت، ص ۱۹۰۔

(۳۸) مولانا امجد علی، بہار شریعت، کتاب المزارعت، ص ۷۶۔

(۳۹) تقی امینی، اسلام کا زرعی نظام، باب مزارعت، ص ۱۸۴۔

(۴۰) مولانا مجیب اللہ ندوی، اسلامی فقہ، ص ۵۷۳۔

(۴۱) فتاویٰ عالمگیری، کتاب المزارعت، باب ۴، ص ۹۴۔

(۴۲) محمد عبدالغفار لکھنوی، نور الہدایہ، ترجمہ اردوی شرح وقایہ، کتاب المزارعت، جلد ۱، ص ۴۲۔

(۴۳) عزیز الرحمن، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند/ عزیز الفتاویٰ، سوالاً جواباً، سوال نمبر ۱۲۶۱۔

(۴۴) سید امیر علی، عین الہدایہ، کتاب المزارعت، ص ۵۴

(۴۵) عبدالرشید بخاری، خلاصہ الفتاویٰ، کتاب المزارعت، ص ۱۹۰۔

(۴۶) مولانا امجد علی، بہار شریعت، کتاب المزارعت، ص ۷۶۔

(۴۷) مولانا مجیب اللہ ندوی، اسلامی فقہ، ص ۵۷۳۔

(۴۸) محمد عبدالغفار لکھنوی، نور الہدایہ ترجمہ اردوی شرح وقایہ، جلد ۱، کتاب المزارعت، ص ۴۲۔

(۴۹) سید امیر علی، عین الہدایہ، کتاب المزارعت، ص ۵۵۔

(۵۰) عبدالرشید بخاری، خلاصہ الفتاویٰ، کتاب المزارعت، ص ۱۹۰۔

(۵۱) شرف محمد عطائی، فوائد فیروز شاہی فارسی کتاب المزارعت ص ۴۰۔

(۵۲) فتاویٰ عالمگیری، کتاب المزارعت۔ باب ۴ ص ۹۵۔

(۵۳) مولانا امجد علی، بہار شریعت کتاب المزارعت ص ۷۷۔

(۵۴) مولانا مجیب اللہ ندوی، اسلامی فقہ۔ کتاب المزارعت ص ۵۷۷/۵۷۹۔

فصل VI i۔ احکام مزارعت صحیحہ

مجوزین مزارعت کے نزدیک مزارعت صحیحہ کے درج ذیل احکام ہے۔

(۱) پیداوار کی تقسیم شرط کے مطابق ہوگی۔ پیداوار دونوں کے درمیان شرط صحیحہ جو طے ہوچکی اس کے مطابق ہی تقسیم ہوگی۔ کیونکہ اسے پورا کرنا ضروری ہے جیسا کہ نبیؐ فرماتے ہیں۔ المسلمون عند شروطھم (مسلمان اپنی شرطوں کے پابند ہیں)

(۲) پابندی معاہدہ لازم ہے اس پر جس نے بیج نہیں دیا۔ یہ عقد بیج والے کے حق میں غیرلازم ہے۔ جب کہ اس کے ساتھی کے حق میں لازم ہے۔ اگر بیج والا عقد مزارعت کرنے کے بعد ارادہ بدل لے اور کہے کہ میں زمین کی کاشت نہیں چاہتا تو اس کو اس کا اختیار ہے۔ خواہ اس کے لئے کوئی عذر ہو یا نہ ہو اور اگر اس کا ساتھی عقد کے بعد ارادہ بدل لے تو اس کو اس کا کسی عذر کے بغیر اختیار نہیں ہوگا۔ دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ بیج والے کے لئے عقد پر عمل کرنا اپنی ملک یعنی بیج کو تلف کیے بغیر ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ بیج مٹی میں ہلاک ہوجاتا ہے کیونکہ کسی انسان کو اس کی ملکیت کے اتلاف پر مجبور نہیں کیا جاسکتا اس لئے بیج والے کو مزارعت کے لئے مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ جس کی جانب سے بیج نہ ہو اس کا اور مساقات کرنے والوں کا معاملہ ایسا نہیں ہے کیونکہ ان پر عمل کے لازم ہونے میں ملکیت کا اتلاف نہیں ہوتا سبب عذر کے بیج والے کے ارادہ بدل لینے پر مزارع کا زمین جوتنا نہ جوتنا برابر ہے اس لئے عامل کے لئے کچھ اجر نہ ہوگا۔

(۳) اگر کچھ پیداوار نہ ہو تو جب زمین سے کوئی پیداوار نہ ہو تو دونوں میں سے کسی کو کچھ نہیں ملے گا۔ نہ عمل کی اجرت اور نہ زمین کی اجرت خواہ بیج عامل کی جانب سے ہو یا رب الارض کی جانب سے اس کے برخلاف مزارعت فاسدہ میں اجرت مثل واجب ہوتی ہے۔ اگرچہ زمین سے کچھ پیداوار حاصل نہ ہوئی ہو۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ عقد صحیح میں واجب مقررہ حصہ ہوتا ہے۔ جو کہ پیداوار کا کچھ حصہ ہوتا ہے اور کیونکہ پیداوار کچھ ہوئی نہیں لہٰذا واجب بھی کچھ نہیں ہوگا۔ جبکہ مزارعت فاسدہ میں جو واجب ہوئی ہے وہ ذمے میں عمل کی اجرت مثل ہوئی ہے' نہ کہ پیداوار میں لہٰذا پیداوار کا نہ ہونا ذمے میں اجرت مثل کے وجوب سے مانع نہیں ہے بس یہی فرق ہے۔

(۴) کھیتی کی اصلاح کے تمام کام مزارع کے ذمے ہیں۔ ہر وہ عمل جو مزارعت سے ہو اور کھیتی کو اپنی اصلاح کے لئے جس کی ضرورت ہوتی ہو وہ مزارع کے ذمے ہوگا کیونکہ عقد اس عمل کو شامل ہے۔

(۵) کھیتی پر خرچہ اور کھیتی پکنے کے بعد کے کام مالک زمین اور مزارع دونوں پر عائد ہوتے ہیں۔ ہر وہ امر جو کھیتی پر خرچہ کے شمار میں آتا ہے۔ مثلاً کھاد اور گھاس و بوٹیوں کو اکھیڑنا وغیرہ تو یہ دونوں کے ذمے ان کے حق کے بقدر ہوگا۔ یہی حکم کٹائی' کھلیان کی طرف اٹھا کر لے جانے' گاہنے اور دانے سے بھوسہ علیحدہ کرنے کا ہے۔ کیونکہ یہ عمل مزارعت میں سے نہیں ہے کہ جس کی بنا پر یہ مزارع کے ساتھ مخصوص ہوسکے۔

(۶) مزارع کو زمین جوتنے پر مجبور کرنا۔ اور آبپاشی کے لئے مجبور کرنا مزارع کو زمین جوتنے پر مجبور کرنے کی دو صورتیں ہیں۔ اول یہ کہ عقد میں زمین جوتنے کی شرط کی گئی ہو۔ دوم اس شرط کو ذکر کرنے سے سکوت اختیار کیا گیا ہو۔ اگر

دونوں نے اس کی شرط کی تھی تو مزارع کو اس پر مجبور کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ صحیح شرط ہے لہٰذا اس کو پورا کرنا واجب ہے۔ اور اگر دونوں نے اس سے سکوت اختیار کیا تو دیکھا جائے گا اگر زمین سے بغیر جوتے ہوئے بھی عادت کے مطابق اتنی پیداوار ہو سکتی ہے جس کا لوگوں کے عرف و رواج میں قصد کیا جاتا ہے۔ تو مزارع کو زمین جوتنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ اور اگر بغیر جوتے زمین سے پیداوار بالکل نہیں ہوتی یا ہوتی تو ہے لیکن اتنی کم کہ لوگوں کے عرف میں عمل سے اتنی کا قصد نہیں کیا جاتا تو مزارع کو زمین جوتنے پر مجبور کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ صحیح شرط ہے لہٰذا اس کو پورا کرنا واجب ہے۔ اسی پر یہ مسئلہ مبنی ہے کہ جب مزارع کھیتی کو پانی دینے سے باز رہے اور کہے کہ میں اس کو چھوڑے رکھتا ہوں یہاں تک کہ بارش سے اس کو پانی ملے تو اس میں بھی مذکورہ تفصیل پر قیاس کیا جائے گا۔ کہ اگر کھیتی ایسی ہو جس کو بارش کا پانی کافی ہو جاتا ہے اور بغیر پانی دیئے عادت کے مطابق کھیتی ہو جاتی ہے تو مزارع کو آبپاشی پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ اگرچہ آبپاشی سے کھیتی عمدہ ہو جاتی ہو' اور اگر بارش کا پانی کھیتی کے لئے کافی نہ ہوتا ہو تو مزارع کو آبپاشی پر مجبور کیا جائے گا بوجہ مذکورہ یعنی یہ اس کے اوپر واجب ہے'

(۷) پیداوار میں مذکورہ شرط سے زائد یا کم کرنے کا حکم پیداوار میں مذکورہ شرط سے زائد یا کم کرنے کے جواز کے بارے میں قاعدہ یہ ہے کہ ہر وہ چیز کہ جس پر عقد کے انشاء کا احتمال ہے۔ اس میں زائد کرنے کا بھی احتمال ہے اور جس پر عقد کے انشاء کا احتمال نہیں ہے اس میں زائد کرنے کا احتمال بھی نہیں ہے۔ (البتہ کمی کرنا دونوں حالتوں میں جائز ہے۔ مزارعت میں زیادتی و کمی کرنے کی دو صورتیں ہیں۔

اول زیادتی و کمی کرنا یا تو کھیتی کٹنے سے پیشتر ہوگا۔

دوم یا کھیتی کٹنے کے بعد۔ اگر کھیتی کی کٹائی کے بعد زیادتی و کمی ہوئی اور بیج عامل کی جانب سے ہو اور مزارعت نصف نصف پیداوار پر ہوئی ہو پھر مزارع نے رب الارض کے حصے میں چھٹے حصے کا اضافہ کر کے اس کو کل کا دو تہائی بنا دیا اور رب الارض بھی اس پر راضی ہو گیا تو زیادتی جائز نہیں ہوگی۔ اور پیداوار دونوں کے درمیان شرط کے مطابق نصف نصف تقسیم ہوگی۔ اور اگر رب الارض نے مزارع کے حصے میں چھٹے حصہ کا اضافہ کیا اور دونوں اس پر راضی ہو گئے تو یہ زیادتی جائز ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلی صورت میں زیادتی اجرت میں ہے جو معقود علیہ جو کہ زمین کی منفعت ہے کہ وصول کرنے کی بناء پر عمل مزارعت کے پورا ہونے کے بعد ہوتی ہے۔ اور یہ جائز نہیں ہے۔ دوسری صورت میں اجرت میں کمی کرنا ہے۔ یہ معقود علیہ کے قیام کا تقاضا نہیں کرتا یہ اس صورت میں تھا جب بیج عامل کی جانب سے ہو۔ اور اگر بیج رب الارض کی جانب سے ہو پھر رب الارض زائد کر دے تو جائز نہیں۔ اور اگر مزارع زائد کرے تو جائز ہے۔ اگر کھیتی کی کٹائی سے پیشتر زائد کرے تو جو بھی اضافہ کرے جائز ہوگا کیونکہ وہ وقت انشائے عقد کا احتمال رکھتا ہے' لہٰذا زیادتی کا احتمال بھی رکھے گا۔ برخلاف پہلی صورت کے۔

فتاوی عالمگیری میں احکام مزارعت صحیحہ سے متعلق آیا ہے:

واما احکامها منها ان کل ما کان من عمل المزارعة مما یحتاج الزرع الیه لا صلاحه فعلی المزارع وکل ما کان من باب النفقة علی الزرع من السرقین وقلع الحشاوة و نحوذلک

فعلیهما علی قدر حقهما و کذلک الحصاد واحمل الی البیدد والد یاس ومنها ان یکون الخارج بینهما علی الشرط المذکور و منها انها اذالم تخرج الارض شیئا فلا شی لواحد منهما لا اجر العمل ولا اجرالارض سواء کان البذر من قبل العامل او من قبل صاحب الارض هکذا فی البدائع۔ وان هلک الخارج قبل الادراک بان اصطلم الزرع افة فلا شی لواحد منهما علی صاحبه هکذافی الذخیره منها ان هذا العقد غیرلازم فی جانب صاحب البذر و لازم فی جانب صاحب حتے لو امتنع بعد ماعقد عقدالمزارعة وقال لا ارید زراعة الارض له ذلک سواء کان له عذر اولم یکن ولو امتنع صاحبه لیس له ذلک الا من عذر هکذا فی البدائع۔ ولو القی البذر فی الارض تصیر لازمة من الجانبین حتے لا یملک احدهما الفسخ بعد ذلک الا بعذر کذافی المحیط وفی المنتقی عن ابی یوسفؒ اذا کان البذرمن قبل رب الارض و دفعه الی المزارع فلیس لواحد منهما ان یطل المزارعة فان لم یدفع البذر الی المزارع فا رب الارض ان یبطلها ولیس للمزارع ان یبطلها کذا فی الذخیره ومنها ولا یة جبرالمزارع علی الکراب وعدمها وهذا علی وجهین اما ان شرطا الکراب فی العقد و سکتا عن شرطه فان شرطاه یجیر علیه وان کان سکتا عنه ینظر ان کانت الارض مما تخرج الزرع بدون الکراب زرعا معتادا یقصد مثله فی عرف الناس لا یجبر المزارع علیه وان کانت لا تخرج اصلا او تخرج شیئا قلیلا لا یقصد مثله بالعمل یجیر علی الکراب وعلی هذا اذا متنع المزارع عن السقے ان کانت الارض مما تکفی بماء السماء و تخرج زرعا معتادا بدونه لا یجبر علی السقی وان کانت ممالا تکفے بماء السماء یجبر و منها جواز الزیادة علی الشرط المذکور من الخارج والحط عنه والاصل ان کل ما احتمل انشاء العقد علیه احتمل الزیادة و مالا فلا والحط جائز فی الحالین جمیعا والزیادة والحط فی المزارعة علی وجهین اما ان یکون من المزارع واما ان یکون من صاحب الارض ولا یخلو اما ان یکون البذر من المزارع واما ان یکون من صاحب الارض وبعد مااستحصه الزرع والبذر من قبل العامل وکانت المزارعة علی النصف مثلاً" فزادالمزارع صاحب الارض السدس فی حصة وجعل له الثلثین ورضی به صاحب الارض لا تجوز الزیادة والخارج بینهما علی الشرط وان زاد صاحب الارض المزارع السدس فی حصة و تراضیا فالزیادة جائزه لان الاول زیادة علی الاجر بعدانتهاء عمل المزارع باستیفاء المعقود علیه وهو المنفعة وانها لا تجوز والثانی حط عن الاجرة وانه لا یستدعی قیام المعقود علیه واذا کان البذرمن قبل صاحب الارض فزاد صاحب الارض لا یجوزوان زادالمزارع جاز هذا اذا زاد احدهما بعداستحصدالزرع فان زادقبل ان یستحصد جاز ایّهما کان هذا فی البدائع۔"

(۱) (اصلاح زراعت کے واسطے جن کاموں کی ضرورت پڑتی ہے وہ کاشتکار پر واجب ہیں۔

(۲) اور جو کام زراعت کی ضرورت کے ایسے ہیں کہ انہیں خرچہ پڑتا ہے جیسے کھاد ڈالنا اور نکائی وغیرہ تو یہ خرچہ دونوں پر ہر ایک کے حصہ کے موافق پڑے گا۔ اور یہی حال کھیتی کاٹنے اور کھلیان میں لے جانے اور روندنے کا ہے۔ یعنی ان کا خرچہ دونوں پر بقدر حصہ پڑے گا۔

(۳) اور ازاں جملہ یہ ہے پیداوار غلہ دونوں میں موافق شرط عقد کے مشترک ہوگا۔

(۴) اور ازاں جملہ یہ ہے کہ اگر زمین میں کچھ نہ پیدا ہوا تو دونوں میں سے کسی کو کچھ نہ ملے گا یعنی نہ کاشتکار کو اپنے کام کی اجرت ملے گی اور نہ زمیندار کو زمین کا پوتہ ملے گا۔ خواہ بیج کاشتکار کی طرف سے ٹھہرے ہوں یا زمیندار کی طرف سے ٹھہرے ہوں یہ بدائع میں ہے

(۵) اور اگر تیار و پختہ ہونے سے پہلے کھیتی پر کوئی آفت پڑگئی تو دونوں میں سے کسی کا دوسرے پر کچھ حق واجب نہ ہوگا۔ یہ ذخیرہ میں ہے۔

(۶) اور ازاں جملہ یہ ہے کہ بیج دینے والے (پہلا عاقد) کی طرف یہ عقد لازم نہیں ہوتا ہے اور دوسرے عاقد کی طرف لازم ہوتا ہے حتیٰ کہ اگر بیج والے نے بعد عقد مزارعت قرار دینے کے اس سے انکار کردیا اور کہا کہ میں اس زمین کی زراعت نہیں چاہتا ہوں تو اس کا اختیار ہے۔ خواہ اس نے کسی عذر سے انکار کیا یا بلا عذر انکار کیا اور اگر دوسرے عاقد نے انکار کیا تو اس کو بدون عذر کے ایسا اختیار نہیں ہے۔ یہ بدائع میں ہے اور اگر زمین میں تخم ریزی کردی تو عقد مزارعت دونوں جانب لازم ہوجائے گا۔ حتیٰ کہ بدون عذر کے دونوں میں سے کوئی آسکے بعد فسخ عقد نہیں کرسکتا ہے یہ محیط میں ہے اور منتقی میں امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ اگر بیج مالک زمین کی طرف سے ٹھہرے ہوں اور اس نے کاشتکار کو سپرد کئے تو دونوں میں سے کسی کو مزارعت باطل کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔ اور اگر اس نے بیج کاشتکار کو نہ دیئے ہوں تو مالک زمین کو عقد مزارعت باطل کرنے کا اختیار ہوگا۔ اور کاشتکار کو نہ ہوگا۔ یہ ذخیرہ میں ہے۔

(۷) اور ازاں جملہ یہ ہے کہ کاشتکار کو زمین جوتنے پر مجبور کرنے کی ولایت حاصل ہونا یا حاصل نہ ہونا ہے۔ اور اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ دونوں نے عقد میں زمین جوتنے کی شرط کرلی ہو یا دوسرے اس شرط سے سکوت کیا ہو۔ پس اگر جوتنے کی شرط کرلی ہو تو کاشتکار اس پر مجبور کیا جائے گا۔ اور اگر اس سے سکوت کیا ہو تو دیکھا جائے گا کہ اگر زمین ایسی ہو کہ اس میں بدون جوتنے کے زراعت معتاد کہ جیسے عرف میں لوگوں کا مقصود ہوتا ہے پیدا ہوئی ہو تو کاشتکار پر جوتنے کے واسطے جبر نہ کیا جائے گا۔ اور اگر ایسی ہو کہ بدون جوتنے کے اس میں بالکل پیداوار نہ ہوتی ہو یا ہوتی ہو مگر ایسی قلیل کہ اس کے مثل کاشتکاری سے مقصود نہیں ہوتی ہے تو کاشتکار پر جوتنے کے واسطے جبر کیا جائے گا۔ اور علی ہذا اگر کاشتکار نے سینچنے سے انکار کیا پس اگر زمین ایسی ہو کہ بارش کا پانی اس کو کافی ہوتا ہو اور بدون سینچنے کے اس میں زراعت معتاد پیدا ہوتی ہو تو کاشت کار پر سینچنے کے واسطے جبر نہ کیا جائے گا۔ اور اگر ایسی زمین ہو کہ اس کو فقط بارش کا پانی کافی نہ ہوتا ہو تو کاشتکار پر جبر کیا جائے گا۔

(۸) ازاں جملہ یہ ہے کہ پیداوار غلہ میں جو باہم شرط قرار پائی ہے اس پر زیادہ کرنا یا گھٹانا جائز ہے اور اصل یہ ہے کہ

مقدار ایسی ہے کہ ابتدائے عقد اس پر قرار پاسکتا ہے۔ وہ محتمل زیادت بھی ہے (یعنی حصہ شائع مثلاً" چھٹا حصہ دو تہائی و چوتھائی وغیرہ) اور جو مقدار ایسی ہے کہ عقد اس پر قرار نہیں پاسکتا ہے وہ محمل زیادت بھی نہیں ہے۔ (جیسے دو من و چار من وغیرہ) اور گھٹانا دونوں صورتوں میں جائز ہے اور مزارعت میں گھٹانا و بڑھانا دو طرح پر ہو تا ہے۔ یا تو کاشتکار کی طرف سے ہو گا یا مالک زمین کی طرف سے ہو گا۔ اور ضرور ہے کہ بیج یا تو کاشتکار کی طرف سے ٹھہرے ہونگے یا مالک زمین کی طرف سے ٹھہرے ہونگے اور اگر کھیتی کاٹنے کے بعد (اس صورت میں) یعنی در صورت کہ بیج کاشتکار کی طرف سے ہوں اور مزارعت مثلاً" آدھے کی بٹائی پر ہو اور کاشتکار نے اپنے حصے میں سے ایک چھٹا حصہ مالک زمین کے واسطے بڑھا دیا اور مالک زمین کے واسطے دو تہائی کردیا اور مالک زمین اس پر راضی ہوگیا۔ تو ایسی زیادتی جائز نہیں۔ اور حاصلات غلہ دونوں میں موافق شرط کے مشترک رہے گا۔ اور اگر مالک زمین نے کاشتکار کو اپنے حصہ میں سے چھٹا حصہ بڑھا دیا اور دونوں راضی ہوگئے تو بڑھانا جائز ہے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ صورت اول میں کاشتکار نے جو چیز اجارہ پر لی تھی اس سے معقود علیہ یعنی منفعت پوری حاصل کر کے اپنا کام تمام کرنے کے بعد پوتہ پر بڑھایا ہے اور ایسا بڑھانا (بوجہ معقود علیہ قائم نہ ہونے کے) جائز نہیں ہے اور دوسری صورت میں جو پوتہ کاشتکار پر واجب ہوا تھا اس میں سے کمی کردی اور ایسی کمی کرنا معقود علیہ کے قائم ہونے کو نہیں چاہتا ہے۔ (پس معقود علیہ قائم نہ ہونے کی حالت میں بھی جائز ہے) اور اگر بیج مالک زمین کی طرف سے ہووے اور مالک زمین نے زیادتی کردی تو جائز نہیں ہے۔ اور اگر کاشتکار نے بڑھایا تو جائز ہے یہ سب اس صورت میں ہے کہ کھیتی کاٹنے کے بعد دونوں میں سے کسی نے زیادتی کردی ہو اور اگر کھیتی کاٹنے سے پہلے دونوں میں سے کسی نے زیادہ کیا تو چاہے کوئی زیادہ کرے جائز ہے۔ کذا فی البدائع)۔ (۱)

مولانا مجیب اللہ ندوی لکھتے ہیں:

"چونکہ مزارعت نتیجہ کے اعتبار سے شرکت کا حکم رکھتی ہے اس لئے اس کا سب سے خاص اور امتیازی حکم یہ ہے کہ پیداوار کی تقسیم حصہ کے اعتبار سے ہو تعداد کے تعین کے اعتبار سے نہ ہو۔ یعنی دونوں میں سے کوئی یہ تعین نہ کرے کہ فلاں حصہ کی پیداوار یا اتنے بورے یا اتنے من پیداوار تو میری ہوگی اور باقی جو کچھ بچے گا وہ تمہارا ہوگا بلکہ یوں طے کرنا چاہیے کہ چوتھائی ۱/۴ یا نصف ۱/۲ یا دو تہائی ۲/۳ فلاں کو ملے گا اور بقیہ فلاں کو ملے گا دونوں صورتوں میں بڑا فرق ہے پہلی صورت یعنی کوئی مقدار مقرر کرنے کی صورت میں اگر بغرض محال اتنا ہی غلہ پیدا ہوا جتنا کہ مالک زمین کا حصہ ہے تو وہ سراسر فائدہ میں رہے گا اور کاشتکار بالکل گھاٹے میں رہے گا لیکن اگر حصہ کے اعتبار سے تقسیم ہوگا تو کم و بیش جتنا پیدا ہوگا دونوں کو اپنے حصہ کے مطابق ملے گا۔ اگر فائدہ ہوگا تو دونوں کو ہوگا اور نقصان ہوگا تو دونوں کو ہوگا۔" (۲)

بہار شریعت میں مذکور ہے:

--- مزارعت جب صحیح ہو تو جو کچھ پیداوار ہو اس کو اس طور پر تقسیم کرے جیسا طے ہوا ہے۔

--- اگر کچھ پیداوار نہ ہوئی تو کسی کو کچھ نہیں ملے گا اور اگر مزارعت فاسد ہو تو بہر صورت کام کرنے والے کو اجرت ملے گی پیداوار ہو یا نہ ہو (در مختار)

--- تین یا چار شخص مزارعت میں شریک ہوئے یوں کہ ایک کے فقط بیج یا بیل ہونگے یا یوں کہ ایک کی زمین اور ایک کے بیج اور ایک کے بیل اور ایک کام کرے گا یا یوں کہ ایک کی زمین اور بیج اور دوسرے کے بیل اور تیسرا کام کرے گا یہ سب صورتیں مزارعت فاسدہ کی ہیں یہاں وہی حکم ہوگا جو فاسدہ

--- عقد مزارعت ہوجانے کے بعد یہ عقد لازم ہوتا ہے یا نہیں اس میں یہ تفصیل ہے کہ جس کے بیج ہونگے اس کی جانب سے لازم نہیں وہ اس پر عمل پیرا ہونے سے انکار کرسکتا ہے۔ اور جس کے بیج نہیں اس پر لازم ہے۔ یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھے یہ عقد منظور نہیں بلکہ اس کو عقد کے موافق کرنا ہی پڑے گا اور بیج زمین میں ڈال دینے کے بعد دونوں طرف سے لازم ہوگیا۔ کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا۔ (عالمگیری) جس کے بیج ہیں اگر وہ اس عقد سے انکار اس وجہ سے کرتا ہے کہ وہ خود اپنے ہاتھ سے بونا چاہتا ہے یا اس کو کوئی دوسرا شخص مل گیا جو کم میں کام کرے گا۔ مثلاً" یہ مزارع نصف لینا چاہتا ہے وہ دوسرا تہائی ہر کام کرنے کو تیار ہے ان صورتوں میں بیج والا انکار نہیں کرسکتا اس کو اس عقد کے موافق کرنا ہی ہوگا (ردالمختار)

--- مزارعت میں اگر مزارع کے ذمہ کھیت کا جوتنا شرط ہے جب تو اسے جو تنا ہی ہے اور اگر عقد میں یہ شرط مذکور نہ ہوئی تو اس کی دو صورتیں ہیں اگر وہ زمین ایسی ہے کہ بغیر جوتے بھی اس میں ویسی ہی پیداوار ہوسکتی ہے جو مقصود ہے تو جبراً" اسے نہیں جتوایا جاسکتا اور اگر بغیر جوتے کچھ پیداوار نہ ہوگی یا بہت کم ہوگی تو کھیت جوتنے پر مجبور کیا جائے گا یہی حکم آبپاشی کا ہے اگر محض آسمانی بارش کافی ہے پانی نہ دیا جائے جب بھی ٹھیک پیداوار ہوگی تو پانی دینے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا ورنہ اسے پانی دینا ہی ہوگا۔ انکار نہیں کرسکتا (عالمگیری)

--- مزارعت ہوجانے کے بعد پیداوار کی تقسیم جس طرح طے پائی گئی ہے۔ اس میں کمی بیشی ہوسکتی ہے۔ یا نہیں مثلاً" نصف نصف تقسیم کرنا طے پایا تھا اب ایک تہائی دو تہائیاں لینا دینا چاہتے ہیں اس کی تفصیل یہ ہے کہ کمی و بیشی مالک زمین کی طرف سے ہوگی یا مزارع کی طرف سے اور بہرصورت بیج مالک زمین کے ہیں یا مزارع کے اگر کھیت تیار ہوگیا اور بیج مزارع کے ہیں اور پہلے مزارعت نصف پر تھی اب کاشتکار مالک زمین کا حصہ بڑھانا چاہتا ہے اسے دو تہائیاں دینا چاہتا ہے یہ ناجائز ہے بلکہ پیداوار اسی طور پر تقسیم ہوگی جو طے ہے اور اگر مالک زمین مزارع کا حصہ بڑھانا چاہتا ہے بجائے نصف اس کو دو تہائیاں دینا چاہتا ہے یہ جائز ہے اور اگر بیج مالک زمین کے ہیں اور یہ مزارع کا حصہ زیادہ کرنا چاہتا ہے یہ ناجائز ہے اور مزارع مالک زمین کا حصہ زیادہ کرنا چاہتا ہے۔ یہ جائز ہے اور اگر فصل تیار ہونے سے پہلے کمی بیشی کرنا چاہتے ہیں تو مطلقاً" جائز ہے۔ مزارع کی طرف سے ہو یا مالک زمین کی طرف سے بیج اس کے ہوں یا اس کے (عالمگیری)۔" (۳)

نورالہدایہ ترجمہ اردوی شرح وقایہ میں لکھا ہے:

--- جب عقد مزارعت صحیح ہوا تو اب پیداوار موافق شرط کے تقسیم ہوگی۔

--- اور جو کچھ پیدا نہ ہووے تو محنت کرنے والے کو کچھ نہ ملے گا۔

--- اور جبر کیا جاوے گا عقد مزارعت کے پورا کرنے پر جو بعد مزارعت کے اس پر ملنے سے انکار کرے مگر صاحب تخم پر جبر نہ ہوگا بیج ڈالنے سے پہلے ف اور بعد بیج ڈالنے کے اس پر بھی جبر ہوگا (درمختار ص)۔(۴)

(ii) احکام مزارعت مفسدہ

مجوزین مزارعت کے نزدیک مزارعت مفسدہ کے احکام درج ذیل ہیں۔

(۱) معاملہ مزارعت اگر فاسد ہو جائے تو مزارع پر امور کاشت کاری میں سے کسی کام کی انجام دہی کی پابندی نہیں لگائی جا سکتی۔ کیونکہ معاملہ ہی درست نہیں تو اس کے ذمہ کچھ لازم نہیں۔

(۲) معاملہ مزارعت اگر فاسد ہو جائے اور بیج مالک زمین کا رہا ہو تو جو محنت کاشتکار نے کی ہے اس کے مناسب اس کا معاوضہ ملنا چاہیے۔ اگر بیج کاشتکار کا رہا ہو تو کاشتکار کو زمین کا کرایہ مالک زمین کو دینا ہو گا۔ اس کے بعد تمام پیداوار اس کا حق ہو گا جس کا بیج ہو گا اور یہ پیداوار اس کے لیے حلال ہو گی اور اس میں سے کچھ صدقہ کرنا لازم نہیں۔ لیکن اس صورت میں جب کہ بیج کاشتکار کا ہو اور وہ زمین کی پیداوار کا مستحق ہو گیا اور زمیندار کو اس زمین کا مناسب کرایہ بھی ادا کر دیا تو تمام پیداوار اس کے لیے مال طیب نہ ہو گی۔ بلکہ پیداوار کا صرف اس قدر حصہ اسے حلال ہے جس قدر کہ اس نے بیج ڈالا تھا۔ اور جس قدر زمین کا کرایہ دیا تھا۔ اس سے زیادہ جو ہو اسے صدقہ کر دینا چاہیے۔

(۳) مزارعت فاسدہ کی صورت میں کسی کام کی مناسب اجرت اس وقت تک واجب الادا نہ ہو گی جب تک کہ زمین استعمال میں نہ آئے۔ اگر مزارع نے زمین پر کچھ کام نہیں کیا تو اسے محنت کے عوض اجرت نہ ملے گی۔ اس طرح مالک زمین کی طرف زمین کا کرایہ بھی واجب الادا نہ ہو گا' البتہ اگر مزارع نے زمین پر کام کیا ہے تو مناسب اجرت واجب الادا ہو گی خواہ پیداوار کچھ بھی نہ ہو۔

فتاویٰ عالمگیری میں مذکور ہے:

○--- اگر ایک شخص نے اپنی زمین و بیج بطور مزارعت فاسد دی اور مزارع نے زمین جوتی اور نہریں اکارئیں پھر بیجوں کے مالک نے مزارعت باقی رکھنے سے انکار کیا تو اس پر کاشتکار کے کام کا اجر المثل واجب ہو گا۔ یہ سراجیہ میں ہے۔

○--- مجموع النوازل میں مذکور ہے کہ ایک کاشتکار نے ایک زمیندار سے درخواست کی کہ اپنی زمین مجھے چوتھائی کی بٹائی پر دے دے پس زمیندار نے کہا کہ اگر تیرا جی چاہے تو اس شرط سے زراعت کر کہ تہائی میری ہو گی ورنہ نہیں۔ پھر جب اس نے بعد زراعت کھیتی کاٹی تو دونوں نے اختلاف کیا تو مذکور ہے کہ تہائی زمیندار کی ہو گی اور باقی پیداوار کاشتکار کی ہو گی۔

○--- نیز مجموع النوازل میں ہے۔ جب کہ ایک کھیتی دو آدمیوں میں مشترک ہے ان میں سے ایک غائب ہو گیا اور دوسرے نے کھیتی کو کاٹا تو یہ متبرع قرار دیا جائے گا۔ کذا فی المحیط۔" (۵)

بہار شریعت میں لکھا ہے:

○--- فصل تیار ہونے کے بعد جو کام ہیں اگر مالک زمین کے ذمہ شرط کئے یہ بالاتفاق فاسد ہے کہ اس کے متعلق عرف بھی ایسا نہیں جس کی وجہ سے جائز کیا جائے (ہدایہ)

○--- مزارعت میں جو کچھ غلہ ہے یہ مزارع کے پاس امانت ہے اگرچہ وہ مزارعت فاسدہ ہے لہٰذا اگر

مزارع کے پاس ہلاک ہو جائے مگر اس کے فعل سے ہلاک نہ ہوا تو مزارع کے ذمہ اس کا تاوان نہیں اور غلہ کی مزارع کی طرف سے کسی نے کفالت بھی کی یہ کفالت صحیح نہیں۔ اس کفیل سے مطالبہ نہیں کیا جا سکتا ہاں اگر مالک زمین کے حصہ مزارع کی طرف سے کسی نے یوں کفالت کی کہ اگر مزارع خود ہلاک کر دے گا تو میں ضامن ہوں اور یہ کفالت مزارعت کے لیے شرط نہ ہو تو مزارعت بھی جائز ہے اور کفالت بھی اور اگر کفالت شرط ہو تو مزارعت فاسد ہے (در مختار)

○--- مزارع نے کھیت کو پانی دینے میں کوتاہی کی جس کی وجہ سے زراعت برباد ہو گئی اگر یہ مزارعت فاسدہ ہے تو مزارع پر تاوان نہیں کہ اس میں مزارع پر کام کرنا واجب نہیں اور اگر مزارعت صحیحہ ہے تو تاوان واجب ہے کہ اس میں کام کرنا واجب تھا۔ ضمان کی صورت میں یہ ہوگی کہ زراعت اگی تھی۔ اور پانی نہ دینے سے خشک ہو گئی تو اس زراعت کی جو قیمت ہو اس کا نصف بطور تاوان مالک زمین کو دے اور قیمت نہ ہو تو خالی کھیت کی قیمت اور اس بوئے ہوئے کھیت میں جو تفاوت ہو اس کا نصف تاوان دلایا جائے (در مختار)

○--- کاشتکار نے پانی دینے میں تاخیر کی اگر اتنی تاخیر ہے کہ کاشتکاروں کے یہاں اتنی تاخیر ہوا کرتی ہے جب تو تاوان نہیں اور غیر معمولی تاخیر کی تو تاوان ہے (در مختار)

○--- فصل کاٹنا کاشتکار کے ذمہ تھا اس نے کاٹنے میں دیر کی اور فصل ضائع ہو گئی اگر معمولی تاخیر ہے تو کچھ نہیں اور غیر معمولی دیر کی تو تاوان واجب ہے۔

○--- اگر کاشتکار نے حفاظت نہیں کی جانوروں نے کھیت چر لیا۔ کاشتکار کو تاوان دینا ہو گا۔ ٹڈیاں کھیت میں گریں اگر اڑانے پر قدرت تھی اور نہ اڑائیں اور ٹڈیاں کھیت کھا گئیں تو تاوان ہے اور اگر اس کے بس کی بات نہ تھی تو تاوان واجب نہیں (در مختار)(٦)

☆اگر عقد مزارعت فاسد ہو جائے تو اسے حلال کرنے کا حیلہ (احکام مزارعت کے تحت)

اگر عقد مزارعت کسی طرح فاسد ہو جائے خواہ اس معاملہ کا فاسد ہونا تمام اماموں کے مسالک کی رو سے متفقہ طور پر مسلم ہو یا کسی ایک امام کے مسلک کی رو سے ہو اور شرکائے معاملہ یہ چاہیں کہ اس (معاملہ فاسد) سے جو پیداوار ہوئی ہے وہ دونوں کے لیے حلال ہو تو اس کے لیے درج ذیل حیلہ ہے۔

حیلہ کا طریقہ

اس کا طریقہ یہ ہے کہ فریقین معاملہ (زمیندار اور کاشتکار) دونوں اپنے اپنے حصہ سے جو کچھ بھی ہے دست بردار ہو جائیں پھر زمیندار مزارع سے کہے کہ تم پر میری زمین کا مناسب کرایہ واجب ہے اور مجھ پر تمہاری اور تمہارے بیلوں کی محنت کا معاوضہ اور بیج کے دام واجب ہیں پھر مزارع کا جو حصہ ہے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہے کہ آیا اس گندم کے معاوضہ میں تم مصالحت کر لو گے؟ پھر مزارع زمیندار سے کہے کہ آپ پر میری اور میرے بیلوں کی محنت اور بیج کی قیمت واجب الادا ہے اور مجھ پر

آپ کی زمین کا کرایہ واجب الادا ہے۔ پھر زمیندار کے حصہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہے کہ آیا آپ اس گندم کے عوض مصالحت کریں گے، یعنی میرے ذمہ جو کچھ آپ کا حق ہے اس کے عوض آپ کے ذمہ جو کچھ میرا حق ہو گا۔ تب زمیندار کہے کہ ہاں میں مصالحت کرتا ہوں۔ الغرض فریقین میں سے ہر ایک کو باہم جو کچھ لینا دینا ہے اس کا تعین کر کے دونوں کے لیے نکالے ہوئے غلہ کے حصوں پر باہمی مصالحت ہو جائے۔ اور اس کے بعد فریقین اپنے اپنے حقوق سے دست بردار ہو جائیں تو اس طرح کرنے سے فریقین کے حصہ میں جو غلہ آئے گا وہ مال طیب (حلال) ہو گا کیونکہ اس سے فریقین کے باہمی حقوق ان کے علاوہ کسی اور کو نہیں ملتے۔ اب جب کہ دونوں کسی فیصلہ پر راضی ہو گئے تو ہر ایک کا حصہ اس کے لیے حلال ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ اس میں رواداری اور بڑی آسانی ہے۔

اگر عقد مزارعت فاسد ہو جائے تو اسکی پیداوار کو حلال کرنے کا حیلہ

عبدالرحمٰن الجزیری درج ذیل طریقہ سے لکھتے ہیں۔

"و بعد فاذا فسد عقد المزارعة فی موضع من المواضع سواء کان فاسدا با جماع ائمة المذاهب او بعضهم و اراد الشریکان ان یطیب لهما الخارج فانه یمکنهما ذلک بعمل ما یاتی: و هو ان یعزل کل واحد من الشریکین (رب الارض والمزارع) نصیبه من المتحصل حسبما اتفقا ثم یقول رب الارض للمزارع: قد وجب لی علیک اجر مثل الارض و وجب لک علی اجر مثل علمک و عمل ثیرانک و قیمة بذرک فهل صالحتنی علی هذه الحنطة (مشیرا الی نصیب المزارع) و علی ما وجب لک علی عما وجب علی علیک، فیقول المزارع: صالحت، ثم یقول المزارع لرب الارض: قد وجب لی علیک اجر مثل عملی و ثوری و قیمة بذری و وجب لک علی اجر مثل علی اجر مثل الارض فهل صالحتنی علی هذه الحنطة؟ (مشیر الی نصیب رب الارض) و عما وجب ذلک علی عما وجب لی علیک: فیقول رب الارض: صالحت و حاصل ذلک ان یقرر کل منهما لصاحبه ما وجب له وما علیه و یطلب منه مصالحة علی اخذ النصیب المفروز من الغلة و ان یترک ما وجب له نظیر ما وجب علیه و بذلک یطیب لکل منهما نصیبه من الغلة لان الحق بینهما لا یتعدا هما الی غیرهما فمتی تراضیا فقد حل لکل واحد منهما نصیبه و فی ذلک سعة لا تخفی او یسر عظیم" (۷)

حواشی

(۱) فتاوی عالمگیری، کتاب المزارعت۔ باب ۴ ص ۹۵۔ ۹۶۔

(۲) مولانا مجیب اللہ ندوی، اسلامی فقہ۔ کتاب المزارعت ص ۵۷۱۔

(۳) مولانا امجد علی بہار شریعت، کتاب المزارعت، ص ۷۷۔۷۸۔

(۴) مولانا محمد عبدالغفار لکھنوی، نور الہدایہ، ترجمہ اردوی شرح وقایہ، کتاب المزارعت، جلد ۱ ص ۷۸۔

(۵) فتاویٰ عالمگیری، کتاب المزارعت (مترجم سید امیر علی) باب ۴، ص ۹۶۔

(۶) مولانا امجد علی، بہار شریعت، کتاب المزارعت، ص ۸۶۔ ۸۷۔

(۷) عبدالرحمٰن الجزیری، کتاب الفقہ کل مذاہب الاربعہ، باب مزارعت و مساقات ص ۱۱۔ ۱۲۔

انواع مزارعت صحیحہ

1		2		3	
لواحد	لآخر	لواحد	لآخر	لواحد	لآخر
ارض و بذر	بقر و عمل	عمل فقط	ارض بقر بذر	ارض فقط	عمل بقر بذر
جائز		جائز		جائز	

فصل VII (i) انواع مزارعت صحیحہ

صاحبینؒ نے نزدیک مزارعت صحیحہ کی درج ذیل انواع ہیں۔

(۱) فریقین میں سے زمین ایک فریق کی اور بیج' محنت اور الآت کشاورزی فریق ثانی کے ہوں۔ اور یہ شرط ٹھہرے کہ پیداوار میں سے ایک مقررہ حصہ مثلاً نصف یا تہائی وغیرہ مالک زمین کا حق ہو گا اس حالت میں کاشتکار زمین کا کرایہ دار ہو گا جس کے معاوضہ میں پیداوار کی ایک مقررہ مقدار مالک کو ادا کرے گا۔

(۲) اس طرح یہ بھی جائز ہے کہ مالک زمین کسی کاشتکار کو پیداوار کی ایک مقدار تہائی یا نصف کے عوض اجرت پر لگائے۔ یعنی زمین' بیج' آلات کشاورزی مالک کے ہوں اور کاشتکار صرف محنت کرے۔

(۳) ایک تیسری صحیح صورت یہ کہ زمین اور بیج کسی ایک فریق کے ذمے ہوں اور محنت اور آلات کشاورزی فریق ثانی یعنی کاشتکار کے ہوں۔ کیونکہ اس صورت میں زمیندار کاشتکار کو اس کے بیل و آلات کشاورزی کے ساتھ کاشت کے کام میں شریک کرتا ہے۔

فوائد فیروز شاہی میں مذکور ہے:

○--- "و نزدیک ایشان بر چھار وجہ است زمین و تخم از یکی و کاو و کار از دیگر این رواست۔ (اگر زمین اور بیج ایک کا ہو بیل اور محنت دوسرے کا تو یہ مزارعت درست ہے)

○--- و اگر زمین از یکی بود و کاو و کار از دیگری این باطل بود مزارع درست نیست مگر آنکہ مدتی معلوم کند و خارج مشاع بود تا اگر یکی را ۔ بحثی چند و یاد رسی۔ (اگر زمین ایک کی ہو اور محنت بیل اور بیج دوسرے کا تو اوپر والی صورت کی طرح درست ہیں جبکہ اس کے علاوہ دیگر سب صورتیں ناجائز ہیں۔ سوائے یہ کہ مدت معلوم ہو اور پیداوار کا حصہ واضح ہو تو یہ معاملہ درست ہو گا) (۱)

فتاویٰ امینیہ میں لکھا ہے:

"واللہ اعلم دفع ارضہ الی آخر علی ان یذرعہ بنفسہ و بقرہ والبذر بینہما کذلک فعمل علی ھذا فالمزارعۃ فاسدہ و یلو الخارج بینہما نصفین بحکم البذر ولیس للعامل علی رب الارض اجر لانہ عمل فی شی ھو فی شریک و اما العامل منحب علیہ اجر مثل نصف الارض لصاحبہا لانہ استوفی منافع نصف الارض بعقد فاسد فصول عما در فی الفصل الناسع والعشرین (وما قولم رضی اللہ در آنخ صورۃ صحیحہ عقد مزارعہ بشریعت آن باشد کہ زمین تنہا از یک شریک باشد مثل کاو و تخم و عمل از یک شریک یا عمل تنہا از یکی بہ و باقی از دیگری بسریطہ سرواللہ اعلم زمین تنہا عمل زمین با تخم ای عاقل و رای این سہ صورت وان ہمہ ناجائز و باطل شرح وقایہ و ما قولم رضی اللہ)"

(مذکورہ عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ شریعت میں عقد مزارعت کی انواع صحیحہ یہ ہیں)۔

○--- کہ زمین صرف ایک شریک کی ہو اور بیل اور بیج اور کام دوسرے شریک کا ہو۔

○--- یا یہ صورت کہ کام ایک فریق کا ہو اور باقی سب کچھ دوسرے کا۔

اور اس کے علاوہ جتنی بھی صورتیں ہیں وہ سب باطل ہیں یہ شرح وقایہ میں آیا ہے۔)(۲)

فتاویٰ ابراہیم شاہی میں مذکور ہے:

"ثم لما علم ابو حنیفةؒ ان اعمال الناس لا یکون الا علی قولهما وہی عندهما علی اربعه اوجه

ان کانت البذر لواحد والبقر والبذر لواحد جازت المزارعة

وان کانت الارض والعمل والبقر والبذر لواحد جاز

وان کانت الارض والبقر والبذر لواحد والعمل لاخر جاز

وفی السراجیه

واذا کانت الاشیاء کلها من جانب ومن جانب الاخر والعمل فحسب جاز۔

ولو کان البذر علی صاحب الارض والبقر علی العامل جازت

ولو کان من احدهما البذر لحسب والباقی علی الاخر لم" (۳)

فتاویٰ عالمگیری میں مذکور ہے:

"ثم المزارعة علی قول من یجیز المزارعة علے نوعین احدهما ان تکون الارض لاحدهما والثانی ان تکون الارض لهما فان کانت الارض لاحدهما فهو علی وجهین احدهما ان یکون البذر من احدهما والثانی ان یکون البذر منهما فان کانت الارض لاحدهما والبذر من احدهما فهو علی ستة وجوه ثلثة منها جائزه و ثلثة منها فاسده اما الثلثة الاولے فاحدها ان تکون الارض من احدهما والبذر والبقر والعمل من الاخر و شرطا لصاحب الارض شیئا" معلوما من الخارج جاز لان صاحب البذر یکون مستاجر الارض شئے معلوم من الخارج الثانی ان یکون العمل من احدهما والباقی من الاخر فهو جائز لان صاحب البذر یصیر مستاجر اللعامل بشئی معلوم من الخارج لیعمل فی ارضه ببقره و بذره والثالث ان تکون الارض والبذر من احدهما والعمل والبقر من الاخر فذلک جائز لان صاحب الارض یصیر مستاجر للعمل العامل ببقره لصاحب الارض والبذر......."

(مجوزین مزارعت کے قول پر مزارعت صحیحہ کی دو انواع ہیں:

الف= زمین دونوں میں سے کسی ایک کی ہو:

ب= زمین دونوں کی ہو:

الف پس اگر زمین ایک ہی کی ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں:

i- ایک کہ بیج ایک ہی کی طرف سے ہو:

ii- بیج دونوں کی طرف سے ہو:

پس اگر زمین ایک ہی کی ہو اور بیج بھی ایک ہی طرف سے ہو تو اس کی چھ صورتیں ہیں۔ ان میں سے پہلی تین جائز یہاں آئیں گی اگلی تین کیونکہ ناجائز انواع ہیں ان کا ذکر یہاں نہیں آئے گا:

○--- ایک یہ کہ زمین ایک کی ہو اور بیج اور بیل اور کار زراعت دوسرے کی طرف سے ہو اور دونوں نے مالک زمین کے واسطے پیداوار غلہ سے کوئی حصہ معلوم شرط کیا تو جائز ہے کیونکہ اس صورت میں جس کی طرف سے بیج ٹھہرے ہوں وہ بعض معلوم حاصلات زمین کے عوض زمین کا اجارہ پر لینے والا قرار پاوے گا:

○--- اور دوسری یہ کہ دونوں میں سے ایک کی طرف سے کار زراعت ہو اور باقی سب دوسرے کی طرف سے ہو تو یہ بھی جائز ہے۔ کیونکہ جس کی طرف سے بیج ٹھہرے ہیں وہ اپنی زمین میں اپنے بیل اور بیج کا کار زراعت کرنے کے واسطے بعض پیداوار معلوم کے عوض دوسرے کا اجارہ پر لینے والا قرار پاوے گا:

○--- اور تیسری صورت یہ ہے کہ زمین اور بیج دونوں میں سے ایک کی طرف سے ہو اور بیل اور کار زراعت دوسرے کی طرف سے ہو تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ مالک زمین اس غرض سے دوسرے کا اجارہ پر لینے والا ٹھہرے گا تاکہ دوسرا اپنے بیل اور اپنے کام سے مالک زمین کی زمین میں اسی کے بیج بووے:

ب= اور اگر زمین و بیج دونوں کی طرف سے ہوں اور کار زراعت کی دونوں نے دونوں پر شرط لگائی اس قرار داد پر کہ جو کچھ پیداوار ہو وہ دونوں میں نصفانصف مشترک ہو تو جائز ہے اس واسطے کہ ہر ایک عاقد نصف زمین میں اپنے بیجوں سے زراعت کرنے والا ہو گیا۔ پس اس عقد میں نصف کا عاریت دینا پایا گیا مگر اس شرط سے نہیں کہ مستعیر اس کے واسطے زراعت کا کام دے۔

○--- اگر زمین دونوں کی ہووے اور بیج عامل کی طرف سے ہوں اور دونوں نے دو تہائی پیداوار عامل کے واسطے شرط لگائی تو جائز ہے اس واسطے کہ جس کی طرف سے بیج نہیں ہیں وہ اپنی زمین اس شرط سے مزارعت پر دینے والا ہوا کہ کاشتکار اس کو اپنے بیجوں سے بووے بدین شرط کہ دو تہائی پیداوار کاشتکار کی ہو گی اور یہ جائز ہے۔

○--- اگر زمین دونوں کی ہووے اور بیج دونوں کی طرف سے ہوں اور دونوں نے ایک شخص کے ذمہ کار زراعت انجام دینے کی شرط لگائی اور آدھے کی بٹائی کی شرط لگائی تو جائز ہے پس جس نے کام نہیں کیا اس نے گویا اپنے حصہ کے واسطے کار زراعت میں دوسرے سے استعانت چاہی ہے۔

○--- ایک شخص کے پاس زمین ہے اس نے چاہا کہ دوسرے شخص سے بیج لے کر زراعت کرے اور جو پیداوار ہو وہ دونوں میں نصف نصف مشترک رہے تو اس بات میں اس کے لیے حیلہ یہ ہے کہ اس شخص سے آدھے بیج خریدے پھر بائع اس کو نصف بیجوں کے ثمن سے بری کر دے پھر اس سے کہے کہ اپنی زمین میں ان تمام بیجوں سے اس شرط سے زراعت کر جو پیداوار ہو وہ ہم دونوں میں نصفانصف مشترک ہو گی یہ خزانۃ المفتین میں ہے۔" (۴)

عین الہدایہ میں موضوع زیر بحث کے بارے لکھا ہے:

- "قال وہی عندہما علی اربعۃ اوجہ/ ان کانت الارض والبذر لواحد والبقر والعمل لواحد" (اور مزارعت صاحبین کے نزدیک چار قسم پر ہے ایک یہ کہ اگر ایک کی طرف سے زمین و بیج ہوں اور دوسرے کی طرف سے بیل و کام ہو) جازت المزارعۃ (تو مزارعت جائز ہے) ف یعنی اول صورت یہ کہ زمیندار کی طرف سے زمین و بیج ہیں اور کاشتکار کی طرف سے بیل و جوتنا و سینچنا وغیرہ کام ہیں پس اس صورت میں مزارعت جائز ہے۔ "لان البقر آلۃ العمل کما اذا استاجر خیاطا لیخیط بابرہ الخیاط۔" (اس واسطے کہ بیل تو کام کرنے کا آلہ ہے پس ایسا ہوا جیسے درزی کو اجیر کیا کہ اپنی سوئی سے کپڑا سی دے) ف تو اجرت سلائی ہے بہ بمقابلہ سوئی اس طرح یہاں کاشتکار کے کام کے مقابلہ میں حصہ ہوا اور یہ لازم نہیں آیا کہ بعض پیداوار کے عوض میں بیل کو کرایہ لیا تاکہ فاسد ہو۔ ک۔
- "و ان کان الارض لواحد والعمل والبقرہ والبذر لواحد جازت" (اور صورت دوم یہ ہے کہ زمیندار کی طرف سے زمین اور کام و بیل و تخم از جانب کاشتکار ہیں تو بھی مزارعت جائز ہے۔ "لانہ استیجار الارض ببعض معلوم من الخارج فیجوز کما اذا استاجرہا بدراہم معلومۃ" (اس واسطے کہ اس کے صحیح ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ گویا کاشتکار نے زمین کو پیداوار کے بعض حصہ معلومہ کے عوض اجارہ پر لیا تو جائز ہے جیسے زمین کو بعوض دراہم معلومہ کے اجارہ پر لے ف تو یہ دراہم اس کے ذمہ ثابت ہوں گے اسی طرح یہاں جو اجرت ٹھہرے وہ کاشتکار کے ذمہ ہے اور حصہ معلومہ سے مراد نصف یا تہائی و چوتھائی وغیرہ حصہ ہے)
- "ان کانت الارض والبذر والبقرہ لواحد والعمل من الآخر جازت" (اور صوت سوم یہ کہ اگر زمین و تخم و بیل از جانب زمیندار ہوں (خواہ مالک زمین ہو یا اسکا ماذون غلام ہو) اور کاشتکاری کا کام دوسری جانب سے ہو تو بھی مزارعت جائز ہے) "لانہ استاجر خیاطا لیخیط ثوبہ بابرتہ" (تو ایسا ہو گیا جیسے ایک درزی کو اجارہ پر مقرر کیا کہ میری سوئی سے میرا کپڑا سی دے) "او طیانا لیطین بمسغر" (یا راج کو اجارہ پر لیا کہ میری کسنی و بیلچہ سے کہگل لگادے) ف اور یہ سب جائز ہے تو مزارعت مذکورہ بھی جائز ہے۔" (۵)

خلاصہ الفتاویٰ میں لکھا ہے:

- احدہا ان یکون الارض من احدہما والبقر والعمل والباقی من اخر و ہذا جائز و صاحب البذر مستاجر الارض
- والثانی ان یکون العمل من احدہما والباقی من الاخر و ہذا جائز ایضا و صاحب الارض مستاجر العمل لیعمل لہ بالالۃ
- الثالث ان یکون الارض والبذر من احدہما والبقر والات العمل والعمل من الاخر و

ھذا جائز ایضا۔"(٦)

بہار شریعت میں مذکور ہے:

○--- "ایک شخص کی زمین اور بیج اور دوسرا شخص اپنے ہل بیل سے جوتے بوئے گا:

○--- یا ایک کی فقط زمین باقی سب کچھ دوسرے کا یعنی بیج بھی اسی کے اور ہل بیل بھی اسی کے اور کام بھی یہی کرے گا:

○--- یا مزارع صرف کام کرے گا باقی سب کچھ مالک زمین کا یہ تینوں صورتیں جائز ہیں۔" (٧)

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند / عزیز الفتاویٰ میں موضوع زیر بحث کے بارے میں آیا ہے کہ مزارعت کی درج ذیل صورتیں ہیں:

"پھر بیان کیا کہ مزارعت تین صورتوں میں درست ہے (١) زمین و تخم زید کا اور بقر اور عمل دوسرے کا (٢) یا زمین ایک کی اور باقی اشیاء دوسرے کی (٣) یا عمل ایک کا اور باقی اشیاء دوسرے کی واللہ تعالیٰ اعلم۔" (٨)

امداد الفتاویٰ میں بیان ہوا ہے:

چند صور مزارعۃ و شرکۃالسوال (٥٤٥) زید نے بکر کو ایک بیل کاشتکاری کے لیے خرید کر دیا اور اپنی ہی ملک رکھا اور شرائط یہ قرار پائیں کہ بیل کی خوراک اور نصف لگان زید کے ذمہ ہو گا باقی اخراجات بکر کے ذمہ ہوں گے مثلاً کھیتی کاٹنا۔ ہل چلانا' بیل کی خدمت وغیرہ اور آمدنی غلہ وغیرہ نصف نصف مابین زید و بکر ہو گا' یہ رواج ہمارے یہاں اس معاملہ کا عام ہے حضور ارشاد فرما دیں کہ یہ معاملہ درست ہے یا نہیں۔ اگر نہیں ہے تو کس صورت سے معاملہ کیا جائے؟

الجواب= یہ بات اس میں رہ گئی کہ زمین کس کی ہے اب میں قاعدہ کلیہ بتلائے دیتا ہوں کہ اگر زمین کسی تیسرے شخص کی ہو تب تو یہ شرکت ہے اور اس صورت میں ہر چیز دونوں کی ہونی چاہیے اور اگر زمین کسی ایک کی ہے تو صرف تین صورتیں اتفاقاً" اور ایک صورت اختلافاً" جائز ہے۔ باقی ناجائز ہیں' (نمبر١) زمین اور تخم ایک کا ہو اور بیل اور عمل ایک کا' (نمبر٢) زمین ایک کی اور عمل اور بیل اور تخم ایک کا' (٣) زمین اور تخم اور بیل ایک کا اور عمل ایک کا۔" (٩)

نور الہدایہ ترجمہ اردوی شرح وقایہ میں موضوع زیر بحث کے بارے میں آیا ہے کہ مزارعت درست ہے:

○--- "اگر تخم اور زمین ایک کی ہے اور بیل اور محنت دوسرے کی:

○--- یا زمین ایک کی اور بیل اور محنت اور تخم ایک کا:

○--- یا محنت ایک کی اور بیل اور زمین اور تخم ایک کا۔" (١٠)

اسلام کا نظام اراضی کے تحت تقی امینی لکھتے ہیں:

مزارعت کی درج ذیل جائز صورتیں ہیں:

الف زمین ایک کی ہو اور آلات زراعت' تخم اور محنت یہ سب چیزیں دوسرے کی ہوں اور فریقین میں یہ طے ہو جائے کہ صاحب زمین کو پیداوار کا اتنا حصہ ملے گا:

ب زمین اور آلات زراعت اور تخم سب صاحب زمین کے ہوں اور صرف محنت کاشتکار کی ہو اور یہ طے ہو جائے کہ کاشتکار سے اتنا حصہ ملے گا:

ج زمین اور تخم صاحب زمین کے ہوں اور آلات زراعت اور محنت کاشتکار کی ہو اور پیداوار کے حصے تناسب سے طے ہو جائیں:

د زمین، آلات، تخم، محنت میں دونوں شریک ہوں اور پھر آپس میں حصے مقرر کر لیے جائیں۔" (۱۱)

مولانا مجیب اللہ ندوی لکھتے ہیں:

"مزارعت کی کئی صورتیں ہیں۔ ان میں بعض جائز بعض ناجائز ہیں۔ جائز درج ذیل ہیں:

(۱) زمین ایک شخص کی ہو اور تمام چیزیں یعنی ہل بیل بیج اور کام وغیرہ کاشتکار کے ہوں:

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ زمین ہل بیل اور بیج سب چیزیں ایک کی ہوں اور صرف محنت کاشتکار کی ہو:

(۳) تیسری صورت یہ ہے کہ زمین اور بیج ایک آدمی کا ہو اور ہل بیل اور محنت دوسرے کی ہو۔" (۱۲)

انواع مزارعت فاسدہ

نمبر	لواحد	لآخر	حکم
1	ارض و بقر	عمل و بذر	فاسد
2	ارض و عمل	بقر و بذر	فاسد
3	بقر فقط	ارض و بذر و عمل	فاسد
4	بذر فقط	عمل بقر-ارض	فاسد
5	ارض-بذر	عمل-بذر	فاسد

(ii) انواع مزارعت مفسدہ

معاملہ مزارعت کو درست ماننے والوں کے نزدیک انواع مزارعت مفسدہ درج ذیل ہیں:

(۱) زمین اور آلات کشاورزی مثلاً بیل وغیرہ قلبہ رانی ایک فریق کے ذمے ہوں اور بیج اور محنت شریک ثانی کے ذمے ہوں۔ یہ معاملہ فاسد ہو گا۔ کیونکہ زمین اور آلات کشاورزی کے فوائد ہم مثل نہیں ہیں کہ انہیں باہم ملایا جا سکے۔ آلات کشاورزی بیل وغیرہ اور نفع محنت ہے اور زمین کا نفع اس کی پیداوار اس لیے یہ دونوں منفعتیں ہم جنس نہیں ہیں:

(۲) صرف بیج ایک فریق کا ہو اور زمین' محنت اور آلات کشاورزی دوسرے فریق کے ذمے ہوں یہ معاملہ بھی فاسد ہے۔ اس لیے کہ اس شرط کا مطلب یہ ہو گا کہ جس نے بیج مہیا کیا اس نے زمین کو بعوض بیج کے کرایہ پر لیا۔ جبکہ یہ بات طے ہے کہ زمین اور کاشت کار کے درمیان تخلیہ ہو۔ لیکن اس صورت میں یہ ممکن نہیں اس لیے معاملہ مزارعت فاسد ہوا۔ اس طرح معاملہ مزارعت میں تین اشخاص کے شامل ہونے کا احتمال ہے۔ بیج ایک کا' زمین دوسرے کی' محنت اور آلات کشاورزی تیسرے کے جبکہ ایسی مزارعت درست نہیں:

(۳) اس قسم میں یہ ہے کہ معامل زمین میں چار اشخاص شریک ہوں۔ بایں طور کے بیج ایک کے ذمہ ہو' زمین دوسرے کے' بیل تیسرے کے اور محنت چوتھے کے ایسی صورت میں معاملہ مزارعت ایک اور سبب سے باطل ہو جائے گا اور وہ یہ ہے کہ محض بیل کو پیداوار کی ایک مقدار کے عوض کرایہ پر لینا ہی درست نہیں ہے کیونکہ بیل کو بھی دوسری اشیاء سہ گانہ یعنی بیج' محنت اور زمین کے مقابلہ میں رکھا گیا ہے جبکہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ صحت مزارعت کی شرائط میں سے ایک امر یہ ہے کہ آلات کشاورزی کو معاملہ مزارعت میں جداگانہ حیثیت نہ دی جائے بلکہ اسے دوسری شے کے تابع تصور کیا جائے۔ اس مسئلہ کی بنیاد یہ ہے کہ زمین کی ایک مقدار کے عوض کرایہ پر لینا درست ہے اسی طرح کارندے یا کاشتکار کو پیداوار کی ایک مقدار کے معاوضہ میں مزدوری پر لگانا بھی درست ہے اس کے علاوہ اور کسی کو کرایہ یا اجرت پر لینا درست نہیں ہے:

(۴) اس قسم میں ہے کہ بیج اور بیل ایک فریق کے ذمہ ہوں اور محنت اور زمین دوسرے فریق کے ذمہ۔ یہ معاملہ درست نہیں ہے کیونکہ یہ صحت معاملہ کی شرائط کے منافی ہے۔ کہ فریقین میں سے ہر ایک جن اشیاء کی ذمہ داری یکجائی طور پر لیتا ہے اس اشیاء کے فوائد ہم جنس ہوں یعنی ایک جیسے۔ لیکن اس صورت میں بیج اور بیل جو ایک فریق کے ذمہ ہے ان کے فوائد ہم جنس یکساں نہیں ہیں۔ اسی طرح زمین اور محنت جو دوسرے فریق کے ذمہ ہے ان کے منافع میں یکسانیت نہیں ہے۔ لہٰذا یہ معاملہ فاسد ہو گا:

(۵) پانچویں صورت جو مزارعت میں منع ہے' کہ زمین ایک شخص کی ہو اور بیج نصفا نصف فریقین کے ذمہ ہوں اور شرط یہ ٹھہرے کہ زمیندار محنت سے بری الذمہ ہو گا اور زمین سے جو کچھ پیدا ہو گا وہ فریقین کا نصفا نصف حق ہو گا۔ یہ صورت بھی فاسد ہے۔ کیونکہ اس کا یہ مطلب ہو گا کہ کاشت کار نصف زمین پر اپنا بیج بوئے گا کہ پوری پیداوار حاصل کرے گا اور بقیہ آدھی زمین پر زمیندار کا بیج بوئے گا کہ وہ اس کی کل پیداوار لے۔ لہٰذا یہ معاملہ مزارعت پوری زمین کی پیداوار کے عوض اس شرط پر ہوا کہ آدھی زمین کاشت کار کو عاریتا" دی جائے گی اور ایسی شرط باطل ہے۔

جبکہ اگر زمین دونوں فریق کی مشترکہ ملکیت ہے بیج بھی دونوں کا ہے اور محنت میں بھی دونوں شریک ہیں۔ اور شرط یہ ہو کہ پیداوار نصف نصف تو یہ معاملہ مزارعت درست ہے جبکہ اوپر بیان کردہ صورت درست نہیں۔

فتاویٰ امینیہ میں مذکور ہے:

"در آنچ میاں زید و عمرو عقد شرکت مزارعہ واقع شدہ بریں وجہ کہ تخم و عمل از زید بہ' و کار و زمین از عمرو بہ و آنچہ حاصل شود بینہما مناصفہ بہ و مولدار کذا تخم کذا را زراعت کردہ اند بریںوجہ کہ حاصل شدہ شرعا این عقد مزارعت فاسد بہ و تمام محصول مرزیدرابہ' واجر مثل زمین عمرو و اجر کاوبر زید بہ' سرلسلہ سہ واللہ اعلم"

(ایک قسم مزارعت کی یہ ہے کہ زید اور عمرو میں مزارعت کا عقد اس شرط پر طے ہو کہ بیج اور محنت زید کی اور بیل اور زمین عمرو کی اور جو کچھ اس میں سے حاصل ہو وہ دونوں میں برابر شریک ہو گا۔ یہ عقد مزارعت فاسد ہے۔ ایسی صورت میں تمام فصل زید کی ہو گی اور زمین کی مالیت کے برابر کا حصہ عمرو کا اور بیل کی اجرت زید کی)(۱۳)

فتاویٰ ابراہیم شاہی میں لکھا ہے:

"و ان کانت الارض والبقر لواحد والبذر والعمل لاخر فھی باطلہ و فی السراجیہ و کذلک لو کانت الاشیا کلہا من اخذ الارض مزارعۃ و من الاخر الارض لہٗ غیر جاز و فیہا ایضا ولو کان البذر علی العامل والبقر علی صاحب الارض لم یجز الروایۃ عن ابی یوسفؒ ولو کان من احدھما البذر لحسب والباقی علی الاخر لم یجب ولو جمع بین البذر والبقر لم یجز و فیہا ایضا و بیان ما بذرع فی الارض شرط و فی الفصول لان الارض ببعض اجر فاعلام جنس البذر شرط لان بعضہا او بالارض فانا لم یبین و ان کان البذر من قبل رب الارض نحو و ان کان البذر من قبل العامل لایجوز الا ذا عم ان قال علی ان تذرعہا ما بدالک او ما بدالی وفیہ ایضا فی المجلد الثانی و فی الطحاوی المزارع اذا زرع خلاف ما امر بہ یصیر مخالف اخر ذلک بالارض او لم یضر بخلاف الاجارۃ فی السراجیہ" (۱۴)

فتاویٰ عالمگیری میں بیان ہوا ہے۔

واما الثلثہ الفاسدۃ فاحدھا ان تکون الارض والبقر من احدھما والباقی من الاخر فذلک فاسد وعن ابی یوسفؒ انہ یجوز لمکان العرف والفتوی علی ظاھر الروایۃ لان منفعۃ الارض لاتجانس منفعۃ البقر فان منفعۃ الارض انبات البذر لقوۃ فی طبعہا منفعۃ البقر العمل فاذلم تکن منفعۃ البقر من جنس منفعۃ الارض لایکون البقر تبعاللارض فیبقی اسیتجار البقر مقصودا بشئی من الخارج و ذلک فاسد کمالوکان لاحدھما البقر فقط والثانی ان یکون البذر من احدھما والباقی من الآخر وذلک فاسد لان صاحب البذر ویصیر مستاجر الارض فلا یعمن النخلیۃ بینہ وبین الارض وھی فی ید العامل لافی ید صاحب البذر وعلی ھذا لواشترک ثلثۃ اواربعۃ ومن البعض البقر وحدہ روالبذر وحدہ کان

فاسد اوالثلث ان یکون البذر والبقر من واحد والعمل والارض من الآخر---- کذافی خزانۃالمفتین

(جو شخص مزارعت کو جائز کہے اس کے قول پر مزارعت کی دو قسمیں ہیں۔

الف: زمین دونوں میں سے کسی ایک کی ہو۔

ب: زمین دونوں کی ہو۔ الف پس اگر زمین ایک ہی کی ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں۔

(i) ایک یہ کہ بیج ایک ہی کی طرف سے ہو۔

(ii) اور دوسری یہ کہ بیج دونوں کی طرف سے ہو۔

○--- پس اگر زمین ایک ہی کی ہو اور بیج بھی ایک ہی طرف سے ہو تو اس کی چھ صورتیں ہیں تین جائز تین فاسد، پہلی تین انواع مزارعت صحیحہ کی فصل میں لکھی جا چکی ہیں۔ یہاں تین انواع فاسد لکھی جارہی ہیں۔

○--- ایک یہ ہے کہ زمین اور بیل ایک طرف سے ہو اور باقی دوسرے کی طرف سے ہو تو یہ فاسد ہے اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ جائز ہے سبب اس کے کہ عرف پایا جاتا ہے مگر فتوے ظاہرالروایہ کے موافق ہے۔ اسی واسطے کہ زمین کی منفعت ہم جنس منفعت گاؤ نہیں ہے۔ کیونکہ زمین کی منفعت یہ ہے کہ اپنی طبعی قوت سے بیج اگاوے اور بیل کی منفعت یہ ہے کہ زراعت کے کام میں آوے پس جب بیل کی منفعت ہم جنس منفعت زمین نہ ہو تو بیل عقد میں زمین کے تابع نہ ہوگا پس بیل کا اجارہ مقصوداً بعض حالات زمین کے عوض قرار پایا۔ اور یہ فاسد ہے۔ چنانچہ اگر ایک کی طرف سے فقط بیل ہی ہو تو فاسد ہوتا ہے۔

○--- اور دوسری صورت یہ ہے کہ بیج ایک کی طرف سے ہو اور باقی دوسرے کی طرف سے ہو تو یہ فاسد ہے، اس واسطے کہ اس صورت میں جس کی طرف سے بیج ٹھہرے ہوں وہ زمین کو اجارہ پر لینے والا قرار پائے گا پس اس کے اور زمین کے درمیان تخلیہ ہونا ضروری ہے حالانکہ اس کے قبضہ میں نہ آئے گی۔ بلکہ جو شخص تخم ریزی وغیرہ کار زراعت انجام دے گا اس کے پاس رہے گی اور علی ہذا اگر تین یا چار آدمی نے۔ شرکت کی اور ایک کی طرف فقط بیل ہوا یا فقط بیج ہوئے تو عقد فاسد ہوگا۔

○--- اور تیسری صورت یہ ہے کہ بیج اور بیل ایک کی طرف سے ہو اور زمین اور کار زراعت دوسرے کی طرف سے ٹھہرے تو یہ بھی فاسد ہے یہ سب اس صورت میں ہے کہ دونوں میں سے ایک کی طرف سے زمین ہو اور بیج دوسرے کی طرف سے ہوں۔ اگر زمین ایک کی ہو اور یہ شرط ٹھہری کہ بیج دونوں کی طرف سے ہوں

○--- پس اگر زراعت کا کام کرنا مالک زمین کے سوائے دوسرے کے ذمہ دونوں نے شرط کیا اور دونوں نے یہ بھی شرط کی کہ پیداوار غلہ دونوں میں برابر تقسیم ہو تو عقد فاسد ہوگا اس لئے کہ اس صورت میں مالک زمین نے عامل سے گویہ کہا کہ تو میری زمین میں میرے بیجوں سے اس شرط سے زراعت کر کہ تمام پیداوار غلہ میرا ہوگا۔

○--- اور اپنے بیجوں سے زراعت کر اس شرط سے کہ تمام پیداوار غلہ تیرا ہوگا۔ تو یہ فاسد ہے اس واسطے کہ یہ مزارعت بعوض پوری حاصلات کے بدین شرط ہے کہ عامل کو آدھی زمین عاریت دے۔

○--- اسی طرح اگر دونوں نے یہ شرط لگائی کہ پیداوار غلہ دونوں میں تہائی مشترک ہو۔ جس میں سے ایک تہائی عامل کی ہو اور دو تہائی مالک زمین کی ہو یا اس کے برعکس شرط کی تو بھی فاسد ہے۔ کیونکہ اس میں بھی زمین میں سے کچھ عاریت دینا ہے اور جب مزارعت فاسد ہوئی تو جو کچھ پیداوار ہو وہ دونوں میں ہر ایک کے بیجوں کی مقدار کے حساب سے مشترک ہوگا پھر مالک زمین نے پیداوار زمین سے جو کچھ لیا ہے وہ اس کے پاس مسلم رہے گا کیونکہ اس کی زمین میں اس کی ملک سے پیدا ہوا اور دوسرے پر اس کی آدھی زمین کا اجر المثل واجب ہوگا۔ کیونکہ دوسرے نے اس کی زمین سے بطور عقد فاسد کے پوری منفعت حاصل کی ہے۔ اور جو کچھ اس نے پیداوار میں سے لیا ہے۔ اس میں سے بقدر بیجوں کے اس کو حلال ہوگا اور ما بقی میں سے آدھی زمین کا کرایہ اور جو کچھ اس کا خرچہ پڑا ہے وہ بھی نکال کر باقی کو صدقہ کردے گا سو اس واسطے کہ یہ زیادتی اس کو دوسرے کی زمین سے بطور عقد فاسد حاصل ہوئی ہے۔

ب۔ اگر زمین دونوں میں مشترک ہو اور دونوں نے یہ شرط کی کہ

○--- بیج اور کار زراعت ایک طرف سے ہو اس قرار داد پر کہ جو کچھ پیداوار ہو وہ دونوں میں نصف نصف مشترک ہو تو یہ جائز نہیں ہے کیونکہ جس کی طرف سے بیج نہیں ٹھہرے ہیں وہ دوسرے سے گویا یہ کہنے والا ہوگیا کہ تو اپنی زمین میں اپنے بیجوں سے اس شرط سے زراعت کر کے تمام پیداوار تیری ہوگی۔ اور میری زمین میں اپنے بیجوں سے زراعت کہ بدین شرط کہ جو کچھ پیداوار ہوگی وہ میری ہوگی پس اس کے حق میں یہ مزارعت شرط پوری حاصلات لے لینے کے ہوئی پس جائز نہ ہوگی۔

○--- اگر زمین دونوں میں مشترک ہو اور اگر بیج ایک نے دیئے اور عمل دوسرے کے ذمہ شرط کیا اور شرط لگائی کہ تمام پیداوار دونوں میں نصف نصف مشترک ہو تو بھی نہیں جائز ہے۔ کیونکہ بیج دینے والے نے اپنے واسطے نصف زمین میں دوسرے کی طرف سے کارزراعت انجام دینے کے مقابلہ میں آدھے بیج کا ہبہ کرنا یا قرض دینا شرط کیا۔ اور یہ باطل ہے۔

○--- اگر زمین دونوں میں مشترک ہو اور اسی طرح دو تہائی حاصلات عامل کے واسطے اور ایک تہائی بیج دینے والے کے واسطے شرط کیا یا بیج دینے والے کے واسطے دو تہائی اور عامل کے واسطے ایک تہائی شرط کیا تو بھی نہیں جائز ہے۔ اس واسطے کہ بیج دینے والے نے محض بیجوں کی وجہ سے اپنے واسطے حاصلات میں سے زیادہ حصہ کی شرط لگائی۔

○--- اور اگر زمین دونوں میں برابر مشترک اور بیج برابر دونوں کی طرف سے ہوں اور دونوں نے یہ شرط کی کہ کاشتکار کو دو تہائی پیداوار اور دوسرے کو ایک تہائی ملے گی تو دو روایتوں میں سے اصح روایت کے موافق یہ جائز نہیں ہے۔ اس واسطے کہ تمام پیداوار دونوں کے بیجوں سے پیدا ہوئی ہے۔ اور بیج برابر دونوں کے مشترک ہیں تو پیداوار بھی دونوں میں برابر مشترک ہوگی پس دو تہائی والے نے جو زیادہ لیا ہے وہ اپنے کام ہی کے مقابلہ میں لیا ہے حالانکہ جو شخص محل مشترک میں کام انجام دیتا ہے وہ مستحق اجرت نہیں ہوتا ہے۔ اور اگر اس صورت میں جس کے بیج نہیں ہیں اس کے واسطے دو تہائی پیداوار کی شرط لگائی ہو تو بھی جائز نہیں ہے اس واسطے کہ اس شخص نے کاشتکار کے حصہ میں سے جس قدر زیادتی اپنے واسطے شرط کی وہ بغیر زمین و بغیر کام کے شرط کی ہے (پس جائز ہوگی)

○--- اور اگر زمین دونوں میں مشترک ہو اور دونوں نے سوائے کاشتکار کے دوسرے کے ذمہ دو تہائی بیج دینے شرط کئے بدین شرط کہ جو کچھ پیداوار ہو وہ دونوں میں برابر مشترک ہوگی تو جائز نہیں ہے اس واسطے کہ اس نے کاشتکار کے کام کے مقابلہ میں چھٹا حصہ بیج قرض دینے کی شرط کی ہے۔

○--- اگر زمین دونوں میں مشترکہ ہو اور دونوں نے کاشتکار کے ذمہ دو تہائی بیج دینے اس شرط سے شرط کئے کہ جو کچھ پیداوار ہو وہ دونوں میں برابر مشترکہ ہوگی تو بھی جائز نہیں ہے کیونکہ غیر کاشتکار نے گویا در واقع کاشتکار سے یوں کہا کہ اپنی زمین میں اپنے بیجوں سے اس شرط سے زراعت کر کہ تمام پیداوار تیری ہوگی اور میری زمین میں اپنے اور میرے بیجوں سے اس شرط سے زراعت کر کہ تمام پیداوار میری ہوگی پس یہ مزارعت شرط تمام حاصلات لے لینے کے ہے اور یہ جائز نہیں ہے یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے)۔ (۱۵)

عین الہدایہ میں درج ذیل انواع مزارعت مفسدہ آئی ہیں:

وان کانت الارض والبقر لواحد والعمل والبذر لآخر فہی باطلہ

(اور یہ کہ زمین و بیل ایک طرف سے یعنی زمیندار کی طرف سے زمین و بیل ہیں اور دوسری طرف سے تخم و کام ہے تو یہ مزارعت باطل ہے)۔

وہذا الذی ذکرہ ظاہر الروایۃ

(اور باطل ہونے کا حکم جو ذکر فرمایا موافق ظاہر الروایہ ہے)

وعن ابی یوسف انہ یجوز ایضاً

(اور نوادر میں ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ یہ بھی جائز ہے)

لانہ لوشرط البذر والبقر علیہ یجوز فلذا اذا شرط وحدہ

(اس دلیل سے کہ اگر زمیندار کے جانب تخم و بیل کی شرط ہوئی تو مزارعت جائز ہوئی پس اسی طرح جب اس کی جانب فقط بیل کی شرط ہے تو بھی جائز ہے)

وصار کجانب العامل

(اور ایسا ہوا جیسے کاشتکار کی جانب ہے) ف یعنی جیسے کہ کاشتکار کے ذر تخم مع بیل کے شرط جائز ہے تو خالی بیلوں کی شرط بدون تخم کے بھی جائز ہے۔ الکافی وجہ الظاہر ان منفعۃ البقر لیست من جنس منفعۃ الارض

ظاہر الروایہ کی وجہ یہ ہے کہ بیلوں کی منفعت کچھ منفعت زمین کی جنس سے نہیں ہے۔ ف تاکہ بیلوں کو زمین کے تابع کیا جاوے (یعنی بیل کے بغیر زمین سے کچھ اگایا جاسکتا ہے البتہ اپنے کام کو آسان اور بہتر بنانے کے لئے کاشتکار بیلوں کو استعمال کرتا ہے تو وہ اس کی مرضی اور اس کے آلہ کار میں سے شمار ہوگا نہ کہ زمین کا حصہ بعض فقہا بیلوں کو زمین کے تابع نہیں کرنا چاہتے)

لان منفعۃ الارض قوۃ فی طبعہا یحصل بہا النماء

(اس واسطے کہ زمین کی منفعت تو زمین کی طبیعت میں ایک قوت ہے جس کے ذریعہ سے نمود پیداواری حاصل ہوئی ہے)

ومنفعة البقر صلاحية يقام بها العمل

(اور بیلوں کی منفعت یہ کہ انکی ذات میں ایک صلاحیت ہے کہ جس سے کام ٹھیک کیا جاتا ہے)

وکل ذلک بخلق اللہ تعالی

(اور یہ ہر ایک بات اللہ تعالی کے پیدا کرنے سے وجود ہوئی ہے) ف پس خالق عز و جل جو ہر ایک چیز و ہر فعل کا پیدا کرنے والا ہے۔ اس نے ظاہر میں زمین و بیل میں سے ہر ایک میں یہ پیدائش فرمائی ہے اور ہر ایک کے واسطے اس کا فعل اپنے طور پر مستعمل ہے۔

فلم تتجانسا فتعذر ان يجعل تابعة لها

(پس دونوں منفعتیں ایک جنس سے نہ ہوئیں تو ممکن نہ ہوا کہ بیلوں کی منفعت کو زمین کی منفعت کے تابع قرار دیا جاوے) ف بلکہ ہر ایک خود مستقل ہے تو معلوم ہوا کہ بیلوں کی شرط زمیندار کے ذمہ رکھنا مزارعت کے واسطے مفسد ہے

زیلعی بخلاف العامل

(برخلاف کاشتکار کے) ف کہ اس کے ذمہ فقط بیلوں کی شرط بھی جائز ہے کہ بیل اس کے کام کے آلہ میں تو اس کے تابع ہیں۔

لانه تجانست المنفعتان فجعلت بالغة لمنفعة العامل

(اس واسطے کہ بیلون کی منفعت اور کاشتکار کی منفعت دونوں ہم جنس ہیں تو بیلوں کی منفعت کو کاشتکار کی منفعت کے تابع کردیا گیا) ف کیونکہ کاشتکار کی منفعت جوتنے بونے وغیرہ کے کام میں اور بیلوں کے ذریعہ سے یہ کام ہوتے ہیں تو جیسے صلاحیت کاشتکار میں ہے ویسی ہی بیلوں میں ہے۔ اس بیان سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ ہم جنس و غیرہم جنس پہچاننے کے واسطے قاعدہ ضابطہ یہ ہے کہ جو منفعت کہ قوت حیوانیہ سے صادر ہو وہ ایک جنس ہے اور جو غیر قوت حیوانیہ ہو وہ غیر جنس ہے پس زمین کی منفعت اور بیل کی منفعت باہم دونوں غیر جنس ہیں بخلاف بیل و کاشتکار کے بع حاصل یہ ہوا کہ جب اس صورت چہارم میں بیل کی منفعت کو زمین کے تابع نہیں کرسکتے ہیں اور تخم بذمہ کاشتکار ہیں تو تخم والے نے۔ زمین کو اجارہ پر لیا اور چونکہ بیل یہاں غیر جنسی ہونے سے زمین کے تابع نہیں ہوسکتے ہیں تو اس نے بیل کو بھی مستقل طور پر بعوض بعض پیداوار کے اجارہ پر لیا اور یہ باطل ہے کیونکہ یہ شرع وارد نہیں ہے تو مزارعت بھی باطل اور توضیح یہ ہے کہ مزارعت ابتداء میں اجارہ ہوئی ہے اور انتہاء میں شرکت ہوئی ہے۔ پھر اجارہ قرار پانا زمین کے منافع پر ہے یا کاشتکار و بیل کے منافع پر ہے کیونکہ بعض حصہ پیداوار کے عوض مالک زمین نے کاشتکار کو اجارہ لیا یا کاشتکار نے زمین کو اجارہ لیا اور اس کا مدار تخم پر ہے پس اگر تخم از جانب مالک ہوں تو اس نے کاشتکار کو اجارہ پر مقرر کیا اور اگر تخم از جانب

کاشتکار ہوں تو اس نے زمین کو اجارہ پر لیا اور قیاس اگرچہ اس کو مقتضی نہ تھا۔ لیکن ہم نے نص و تعامل کی وجہ سے قیاس ترک کردیا اور ہر صورت میں یہ اجارہ بعوض بعض پیداوار کے ہے۔ یعنی بالفعل مال اجارہ معدوم ہے۔ بلکہ شرط یہ ہے کہ اسی اجارہ کے ذریعہ سے جو آخر حاصل ہوگا اسی کا ایک جزو بطور عوض دیا جائے گا جب یہ معلوم ہوچکا تو اب ہم کہتے ہیں کہ اصل زمیندار کی جانب زمین ہے اور کاشتکار کی جانب خود اسکا کام ہے اور انکے ساتھ میں تخم و بیل ملائے جاتے ہیں پس انکا ملانا ضرور ایسے طور پر ہونا چاہیے کہ اصل کے تابع آلہ ہوجاوے (یعنی بیل کا اجارہ لینا مستقلاً ثابت نہیں ہے بمعہ دلائل) اور یہ نہیں کہ مستقل طور پر بیل کا اجارہ لینا لازم آوے کیونکہ کاشتکار کو اجارہ لینا تو بذریعہ نص کے جائزہ ہوگیا اور بیل کو اس طرح اجارہ لینا مستقل طور سے ثبوت نہیں ہے۔ تو اس کی چند صورتیں اول یہ کہ زمیندار نے اپنی طرف سے بیج دیے تو وہ اجارہ لینے والا ہوا پس زمین و بیج اس کی طرف سے ہیں۔ اور اس نے کاشتکار کو مع بیل کے بعوض بعض پیداوار کے اجارہ لیا تو بیل کا اجارہ لینا فاسد ہوتا لیکن کاشتکار کے واسطے وہ بطور آلہ کے ہے جیسے درزی کے واسطے سوئی ہوتی ہے کیونکہ کاشتکار و بیل کی منفعت ہم جنس ہیں تو بیل تابع ہو کر اجارہ میں داخل ہوگئے۔ دوم۔ یہ کہ کاشتکار نے زمین اجارہ لی اس طرح کہ تخم اپنی جانب سے رکھے پس اپنے تخم و بیل و کام سے اس نے زراعت کی تو یہ بلا تردد جائز ہے کیونکہ زمیندار کی طرف سے فقط زمین ہے۔ سوم۔ یہ کہ مالک زمین نے کاشت کار کو اجارہ لیا لیکن فقط کاشتکار کو لیا اور اس کے ساتھ کچھ نہیں ہے کیونکہ زمیندار نے بیج و بیل اپنی طرف سے دیئے تو اپنے آلات و اسباب سے کام لینے کے لئے کاشتکار کو مزدور کیا اور یہ بھی بلا تردد جائز ہے۔ جیسے دوسری صورت ہے۔ چہارم۔ یہ کہ اول کا برعکس ہوا یعنی زمیندار سے کاشتکار نے اس کی زمین اجارہ لی اسطرح کہ کاشتکار نے تخم اپنی طرف سے دیے مگر زمین کے ساتھ اس نے بیل بھی لئے تو ہم کہتے کہ بیل یہاں تابع نہیں ہوسکتے ہیں۔ اس واسطے کہ زمین کی منفعت دیگر ہے اور بیل کی منفعت دیگر ہے او راجارہ لینا بنظر منفعت ہوا کرتا ہے یہاں کاشتکار کے تابع البتہ بیل ہوسکتے ہیں تو اس صورت میں لازم آیا کہ کاشت کار نے بعوض بعض حصہ پیداوار کے زمین کو اور بیلوں کو اجارہ لیا لیکن زمین کو اس طرح اجارہ لینا تو بدلیل نص و تعامل کے جائز معلوم ہوا اگرچہ قیاس نہیں پہونچتا ہے اور بیل کو اسطرح اجارہ لینا نص و تعامل میں مذکور نہیں ہے تو وہ قیاس کے تحت میں آیا اور قیاس اس کو مقتضی نہیں ہے تو بیل کا بدون تابع ہونے کے اس طرح اجارہ لینا باطل ہے تو زمیندار سے زمین کے ساتھ بیل کو اس طرح اجارہ لینا اور اسطرح مزارعت قرار دینا باطل ہے اور ہم اوپر بیان کرچکے کہ کاشتکار کے ساتھ اس کے بیلوں کو اجارہ لینا اسوجہ سے جائز ہوگیا تھا کہ بیل وہاں کاشتکار کے تابع ہوسکتے تھے اور یہاں زمین کے تابع نہیں ہوسکتے (فافہم۔ م۔)

و ھھنا وجھان اخران لم یذکرھما ☆

(اور یہاں دو صورتیں دیگر ہیں جن کو مصنف نے بیان نہیں کیا) ف یعنی مزارعت فاسدہ صرف چوتھی صورت مذکورہ میں منحصر نہیں بلکہ دو صورتیں اور بھی ہیں۔

احدہما ان یکون البذر لا حدہما

(ایک صورت یہ ہے کہ تخم ایک کی طرف سے ہوں) ف یعنی کاشتکار کی طرف سے فقط بیج ہوں تو ضرور ہوا کہ اس نے زمیندار سے اجارہ لیا)

والا رض والبقر والعمل لآخر

(اور زمین و بیل و کام یہ سب دوسرے کی طرف سے ہوں) ف یعنی زمیندار کی طرف سے ہیں۔

وانہ لا یجوز لانہ یتم شرکۃ بین البذر والعمل ولم یرد بہ الشرع

(اور یہ نہیں جائز ہے اس واسطے کہ یہ تخم و کام میں شرکت ہو کہ تمام ہوئی ہے۔ حالانکہ اس کے جواز کے ساتھ کوئی دلیل شرعی وارد نہیں ہوئی ہے)۔ ف کیونکہ تخم والے نے جب زمین کو اجارہ پر لیا تو زمیندار کو لازم آیا کہ زمین اس کے قبضہ میں بغیر تعلق کے سپرد کرے حالانکہ یہاں زمیندار خود عامل ہے تو اجارہ باطل ہوا قاضی خان نے شرح (جامع صغیر) میں کہا کہ ابو یوسف سے نوادر میں روایت ہے کہ یہ جائز ہے۔ ع۔

والثانی ان یجمع بین البذر والبقر

(اور دوسری صورت یہ کہ تخم و بیل میں جمع کرے) ف یعنی کاشتکار کی طرف سے تخم و بیل ہوں اور زمیندار کی طرف سے زمین و کام ہو اس واسطے کہ جس کی طرف سے تخم ہیں اسی نے زمین کو اجارہ پر لیا اور جب زمیندار نے اپنے ذمہ کام رکھا تو زمین سپرد ہی نہیں کی

ورنہ لا یجوز ایضاً

(اور یہ صورت بھی جائز نہیں ہے)

لانہ لا یجوز عند الانفراد فکذا عند الاجتماع

(اس واسطے کہ تنہا ہونے کی صورت میں نہیں جائز ہے تو مجتمع ہونے میں بھی نہیں جائز ہے) ف یعنی مثلاً ایک طرف سے فقط تخم ہوں یا فقط بیل ہوں اور باقی دوسرے کی طرف سے ہوں تو جائز نہیں ہے پس اگر تخم و بیل مجتمع ہو کہ ایک طرف سے ہوں یا فقط بیل ہوں اور باقی دوسرے کی طرف سے ہوں تو بھی جواز ندارد ہے۔

☆ اگر مذکورہ فاسدہ صورتیں مزارعت طے پا جائے تو فقہ کا کیا حکم ہوگا اب رہا یہ سوال کہ ان صورتوں میں جب مزارعت فاسد ہے حالانکہ دو شخصوں نے ناواں سے اسی طور پر مزارعت کی تو غلہ پیداوار کی نسبت کیا حکم ہوگا۔ اس کے جواب میں فرمایا کہ

والخارج فی الوجہین لصاحب البذر فی روایۃ اعتبارا السائر المزارعت الفاسدہ

(دونوں صورتوں فاسدہ میں جو کچھ پیداوار ہو ایک روایت میں سب بیج والے کی ہوگی .بقیاس دیگر مزارعت فاسدہ کے۔(۱۶)

خلاصہ الفتاوے میں آیا ہے کہ درج ذیل انواع فاسدہ ہیں مزارعت کے اندر ۔

(۱) والرابع ان یکون البذر من العامل والبقر من قبل رب الارض وھذا فاسد فی ظاھر الروایۃ وعند ابی یوسف انہ یجوز

(۲) والخامس البقر من واحد والباقی من الاخر وھذا فاسد

(۳) السادس البذر والبقر من واحد والباقی من الاخر

(۴) السابع البذر من واحد والباقی من الاخر فالمزارعۃ فاسدۃ۔ (۱۷)

بہار شریعت میں مذکور ہے:

(۱) اور اگر یہ ہو کہ زمین اور بیل ایک کے اور کام کرنا اور بیج مزارع کے ذمہ

(۲) یا یہ کہ بیل اور بیج ایک کے اور زمین اور کام دوسرے کا۔

(۳) یا یہ کہ ایک کے ذمہ فقط بیل یا بیج باقی سب کچھ دوسرے کا یہ صورتیں ناجائز و باطل ہیں (در مختار)۔ (۱۸)

امداد الفتاویٰ میں سوالاً" جواباً" مزارعت کی صورتیں بیان ہوئی ہیں ان میں سے ناجائز صورتیں درج ذیل ہیں:

"زمین اور بیل ایک کا اور تخم اور عمل ایک کا اس میں اختلاف ہے۔" (۱۹)

نور الہدایہ ترجمہ اردوی شرح وقایہ' یہاں چار انواع مزارعت مفسدہ بتائی گئی ہیں۔

(۱) اور باطل ہے اگر زمین اور بیل ایک کا ہووے اور محنت اور تخم ایک کا ہو۔

(۲) یا تخم اور بیل ایک کا ہو اور زمین اور محنت ایک کی ہو

(۳) یا زمین اور عمل ایک کا ہووے اور بیل اور تخم ایک کا ہو۔

(۴) یا تخم ایک کا ہووے اور بیل اور زمین اور محنت ایک کی ہووے" (۲۰)

اسلام کا نظام اراضی کے تحت تقی امینی لکھتے ہیں:

مزارعت کی درج ذیل ناجائز صورتیں ہیں۔

(ا) زمین ایک کی ہو تخم دوسرے کا ہو۔ آلات زراعت تیسرے کے ہوں محنت چوتھے کی ہو یا ایسی صورت ہو کہ آلات زراعت اور محنت تیسری کی ہو۔

(ب) زمین میں دونوں شریک ہوں لیکن ایک کی جانب سے تخم ہو اور دوسرے کی جانب سے آلات زراعت ہوں۔

(ج) محنت اور زمین ایک کی ہو اور تخم و آلات زراعت دوسرے کے ہوں۔

(د) کسی ایک کا حصہ مقدار کی شکل میں معین کردیا جائے مثلاً" دس من یا بیس من ایک کو ملے گا اور باقی دوسرے کو۔

(ح) بٹائی کے حصہ کے علاوہ ایک خاص مقدار میں غلہ زائد طے کیا جائے۔

(ر) زمین کی پیداوار کے علاوہ کوئی اور جنس باہر سے کسی فریق کو دینی پڑے' بہرحال مزارعت کا معاملہ اسی وقت درست ہوگا۔ جب کہ حالات و مقامات کے لحاظ سے نہ کسی فریق کی حق تلفی ہوتی ہو اور نہ کسی کی محنت

اور مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھانے کا سوال پیدا ہوتا ہو۔ اور نہ کوئی شرط ایسی لگائی جائے جس میں باہمی نزاع کا اندیشہ ہو اور نہ کوئی بات ایسی ہو جو معاملہ کرتے وقت متعین نہ ہو اور نہ بعد میں چل کر کسی ایک فریق کی حق تلفی کا باعث بنے۔" (۲۱)

مولانا مجیب اللہ ندوی لکھتے ہیں:

مزارعت کی کئی صورتیں ہیں کچھ جائز کچھ ناجائز یہاں ناجائز انواع بیان ہونگی۔ پہلی تین جائز انواع بیان ہو چکی ہیں۔ چوتھی صورت کہ زمین اور بیل ایک طرف سے ہو عمل اور آلات دوسری جانب سے عام طور پر فقہائے احناف اس کو جائز نہیں سمجھتے مگر امام ابو یوسفؒ اس کو بھی جائز کہتے ہیں۔ امام ابو یوسف چونکہ قاضی رہ چکے تھے اور ان کے سامنے اس طرح کے معاملات آتے رہتے تھے اس لئے ان کی رائے اس سلسلہ میں زیادہ وزنی ہے۔ پانچویں صورت یہ ہے کہ بیج اور ہل بیل ایک کا ہو اور محنت اور زمین دوسرے کی ہو تو یہ متفقہ طور پر ناجائز ہے۔ چھٹی صورت یہ ہے کہ بیج ایک آدمی کا ہو اور تمام چیزیں دوسرے کی ہو یہ بھی ناجائز ہے۔" (۲۲)

حواشی

(۱) شرف محمد عطائی، فوائد فیروز شاہی (فارسی) کتاب المزارعت، ص ۳۰

(۲) محمد امین بن عبداللہ، فتاویٰ امینیہ (فارسی) کتاب المزارعت ص ۹۹

(۳) احمد بن حمید الملقب بنظام گیلانی، فتاویٰ ابراہیم شاہی (عربی) کتاب المزارعت، ص ۱۰۱

(۴) فتاویٰ عالمگیری، کتاب المزارعہ، جلد ۴، ص ۹۶-۹۷

(۵) مولانا سید امیر علی، عین الہدایہ، کتاب المزارعہ، ص ۸۹

(۶) مولانا عبدالرشید بخاری، خلاصۃ الفتاویٰ، المجلد الرابع ص ۱۹۱

(۷) مولانا امجد علی، بہار شریعت، کتاب المزارعت، ص ۷۷

(۸) مفتی عزیز الرحمٰن، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب المزارعت، مسئلہ نمبر ۱۲۶۱

(۹) مولانا اشرف علی تھانوی، امداد الفتاویٰ، کتاب المزارعت، ص ۵۲۳

(۱۰) مولانا محمد عبدالغفار لکھنوی، نور الہدایہ ترجمہ اردوی شرح وقایہ، کتاب المزارعت، ص ۴۲

(۱۱) مولانا تقی امینی، اسلام کا نظام اراضی، ص ۱۸۶

(۱۲) مولانا مجیب اللہ ندوی، اسلامی فقہ، ص ۵۷۲

(۱۳) محمد امین بن عبداللہ فتاویٰ امینیہ (فارسی) کتاب المزارعت، ص ۹۸

(۱۴) احمد بن حمید الملقب بہ نظام گیلانی، فتاویٰ ابراہیم شاہی (عربی) کتاب المزارعت، ص ۱۰۲

(۱۵) فتاویٰ عالمگیری کتاب المزارعت باب ۴ ص ۹۷ - ۹۸

(۱۶) سید امیر علی عین الہدایہ کتاب المزارعت ص ۹۰ - ۹۵

(۱۷) مولانا عبدالرشید بخاری خلاص ے الفتاویٰ جلد الرابع ص ۱۹۱

(۱۸) مولانا امجد علی بہار شریعت کتاب المزارعت ص ۷۷

(۱۹) مولانا اشرف علی تھانوی امداد الفتاویٰ کتاب المزارع ے ص ۵۲۳

(۲۰) مولانا محمد عبدالغفار لکھنوی نورالہدای ے ترجمہ اردوی شرح وقایہ کتاب المزارعت ص ۴۲

(۲۱) مولانا محمد تقی امینی اسلام کا نظام اراضی ص ۱۸۶ - ۱۸۷

(۲۲) مولانا مجیب اللہ ندوی اسلامی فقہ ص ۵۷۳

☆ مصنف سے مراد صاحب ہدایہ امام المرغینانیؒ ہیں۔

فصل VIII متفرق مسائل

آبپاشی کا مسئلہ

فتاویٰ امینیہ میں بیان ہوا ہے:

"در آنج زید راضی شدہ است کہ عمرو را از زمین او آب گذر اند و باغ خود براد و مدت کدا برین گزشتہ و حالا زید را بخاطر رسید است کہ عمرو را منع کند ازاں بشریعت زید را ولایت منع ہے۔ بسرسطہ ایہ واللہ اعلم۔"

(زید اس بات پر راضی ہو گیا کہ عمرو اس کی زمین پر سے پانی گزار کر اپنے باغ میں لے جائے۔ اور کچھ مدت اس پر گزر گئی اور اب زید کو یہ خیال آیا کہ عمرو کو منع کر دے تو از روئے شریعت وہ اسے منع کر سکتا ہے)(۱)

فتاویٰ ابراہیم شاہی میں لکھا ہے

"وادی علی شط الممجون بجمع فیہا المآء امام الربیع ثم ینبب الماء ولا یبقی فزرع فیہ قوم فا دراک الزرع فجاء قوم یدعون الوادی والزرع قال ابو القاسمؒ الزرع لصاحب البذر لا حق لغیرہ فیہ مختصر القدوری و اذا عقدت المزارعة فامتنع صاحب البذر من العمل لم یحبس علیہ و ان امتنع الذی لیس من قبلہ البذر اجبرہ الحاکم علی العامل فی کنز الدقائق۔"

(امام ربیع کہتے ہیں کہ اگر شط المجون سے نہر یا تالاب کی صورت میں پانی جمع کیا اور کاشت کی پھر اگر وہ پانی خشک ہو جائے اور کچھ دوسرے لوگ دوبارہ آکر وہاں بیج بوئیں تو پیداوار بیج والے کی ہوگی۔ پانی والے کا اس کو جمع کرنے والے کا کوئی حق نہیں ہوگا کیونکہ پانی پہلے اس کا تھا اب انہوں نے اسے آباد کیا)۔ (۲)

یتیم کی مزارعت کا مسئلہ

فتاویٰ ابراہیم شاہی میں لکھا ہے:

"و ذکر فی فتاویٰ الوصی* اذا اخذ ارض الیتیم مزارعة ان کان البذر من جهة الیتیم لا یجوز و ان کان من جهة الوصے یجوز لانہ لما جعل البذر لنفسه یصیر مستاجر الارض الیتیم ببعض الخارج و اجارة الوّصی ارض الیتیم من نفسه یجوز ولو جعل البذر علی الیتیم مستاجر الارض الیتیم فانہ لا یجوز و فی خواید الی حفض الکبیرؒ سئیل عن اینام لہم وصی ولہم بل للوصی ان یا خذ ارضہم مزارعة قال نعم یا خذہا مزارعة کما یا خذ غیرہ و یشہد عندا المزارعة انہ یا خذ مزارعة" (۳)

اس عبارت سے یہ واضح ہوا کہ یتیم کے مال پر وصی اگر مزارعت کرے تو دانہ (بیج) اگر یتیم کے مال سے ہو تو جائز نہیں اگر بیج وصی کے مال سے ہو تو جائز ہے۔ گویا یہ اجرت ہے۔ سوال کیا گیا کہ یتیم کی زمین وصی لے

سکتا ہے تو انہوں نے کہا جائز ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں اس مسئلہ کو وضاحت سے بیان کیا گیا ہے:

"ایک وصی جس یتیم کا وصی تھا اس کی زمین خود مزارعت پر لیا کرتا تھا۔ پس مشائخ میں سے بعض نے فرمایا کہ مطلقاً" جائز ہے ایسے ہی جیسے کسی دوسرے کو مزارعت پر دینے کا حکم ہے۔ اور بعض نے فرمایا کہ اگر بیج یتیم کی طرف سے ہوں تو نہیں جائز ہے۔ کیونکہ اس میں فی الحال اس کے بیجوں کا اتلاف ہے (اتلاف خاک میں ملانا یعنی کھلا ہوا نفع نہیں بلکہ ضرر کا احتمال ہے)

(اور اگر بیج وصی کی طرف سے ہوں تو جائز ہے کیونکہ وصی اس کی زمین کا اجارہ لینے والا ہو جائے گا۔ پس یہ امر بمنزلہ اس کے ہوا کہ وصی نے خود یتیم کو اجارہ پر مقرر کیا اور یہ امام اعظمؒ کے نزدیک جائز ہے کہ یہ یتیم کے حق میں بہتر ہے اور مختار یہ ہے کہ اگر اجر المثل یا ضمان المثل با ضمان نقصان و تخم یتیم کے حق میں بہ نسبت اس حصہ پیداوار کے جو اس کو ملتا ہے بہتر ہو تو مزارعت جائز رہے گی (یعنی اس کو یہ تاوان دلایا جائے گا اور تمام پیداوار وصی کی ہو گی۔)

اور اگر حصہ پیداوار یتیم کے حق میں بہتر ہو تو مزارعت جائز ہو گی۔ اس واسطے کہ پوری نظر شفقت یتیم کے حق میں یوں ہی ہے۔ امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ اگر وصی نے یتیم کے بیج لے کر اس کی زمین میں بوئے اور مزارعت پر گواہ کر لیے تو اس نے یہ بیج قرض لیے اور زمین اجارہ پر لی پس اگر پیداوار یتیم کے حق میں بہتر ہو گی تو اس کو پیداوار ملے اور اگر اجرت زمین اس کے حق میں بہتر ہو گی تو اس کو اجرت ملے گی یہ فتاویٰ کبریٰ میں ہے۔" (۴)

حربی کی مزارعت کا مسئلہ

فتاویٰ عالمگیری:

"مسلمان و حربی* کے درمیان دارالاسلام یا دارالحرب میں عقد مزارعت صحیح ہے اس طرح دو حربیوں یا دو مسلمانوں کے درمیان دارالحرب میں عقد مزارعت جائز ہے۔ خواہ یہ دونوں مسلمان امان لے کر دارالحرب میں گئے ہوں یا وہیں مسلمان ہوئے ہوں اور اگر دارالحرب پر مسلمان غالب ہو گئے اور انہوں نے فتح کر لیا تو یہ سب اراضی فئی و مال غنیمت ہو گی پس جو حصہ زراعت حربی کا ہے وہ بھی فئی ہو گا مگر جو حصہ مسلمان کا ہے وہ فئی نہ ہو گا اور اگر امام نے ان حربیوں کی اراضی ان کے پاس چھوڑ دی اور ان پر منت و احسان کیا۔ اگر مسلمان نے حربی کے واسطے عقد مزارعت میں دس قفیز پیداوار شرط کی تو امام اعظمؒ و محمدؒ کے نزدیک صحیح ہے اور امام یوسفؒ کے نزدیک نہیں صحیح ہے۔ اور اگر ایسا عقد مزارعت ایسے دو مسلمانوں میں جو دارالحرب میں مسلمان ہوئے ہیں واقع ہو تو امام اعظمؒ کے نزدیک صحیح ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ یہ تاتارخانیہ میں ہے۔" (۵)

مزارعت کے معاملہ میں مسلم، کافر، حربی، دارالحرب، ذمی، دارالاسلام سب برابر ہیں اگر کوئی ملک معاملہ کے وقت

دارالحرب ہے اور بعد میں وہ دارالاسلام بن جائے تو سارے معاملات کو ختم کر دیا جائے گا جو باہمی نزاع اور فساد پر مبنی ہوں کیونکہ اس میں جہاں دوسرے فوائد ہیں ایک یہ بھی ہے کہ باہمی تعاون و تشارک کے ذریعہ دلوں میں نیکی اور ہمدردی کا جذبہ پیدا ہو اور یہ اس وقت تک ناممکن ہے جب تک اس کے خلاف چیزوں کو ختم نہ کیا جائے۔

مریض کی مزارعت کا مسئلہ

فتاویٰ عالمگیری میں مذکور ہے:

"اس باب کے مسائل ایک قاعدہ پر مبنی ہیں وہ یہ ہے کہ جو شخص مریض مرض الموت ہے اس کا تصرف ایسے امور میں جن سے قرض خواہوں یا وارثوں کا حق متعلق ہے اس میں تصرف دو طرح پر ہے۔

ایک: یہ کہ اس تصرف سے قرض خواہوں و وارثوں کا حق باطل ہو جائے گا۔

دوسرے یہ کہ تصرف سے قرض خواہوں و وارثوں کا حق باطل ہوتا ہے۔ اس قسم کا تصرف مریض سے مجور ہے۔

امام محمدؒ نے کتاب الاصل میں فرمایا ہے کہ اگر کسی مریض مرض الموت نے اپنی زمین شرائط مزارعت کسی کو کاشتکاری کے واسطے دی تو اس میں دو صورتیں ہیں۔

اول: یہ کہ بیج کاشتکار کی طرف سے ہوں اور اس صورت میں مزارعت جائز ہے۔ خواہ کاشتکار اجنبی ہو یا وارث ہو اور خواہ مریض پر اس قدر قرضہ ہو جو اس کے تمام ترکہ کو محیط ہے یا نہ ہو۔ اور خواہ مریض کے واسطے پیداوار میں سے اس قدر مشروط ہو جو زمین کے اجر المثل کے برابر ہے یا اس سے کم مشروط ہو' اور خواہ مریض کا سوائے اس زمین کے کچھ مال ہو یا نہ ہو۔

دوم: یہ کہ بیج بھی مریض کی طرف سے ہوں اور مریض کے پاس سوائے اس زمین و بیج کے کچھ مال نہ ہو۔ اور اس صورت میں دو صورتیں ہیں۔

(i) اول یہ کہ کاشتکار شخص اجنبی ہو اور میت پر قرضہ نہ ہو۔ پس اس صورت میں زراعت میں سے زراعت کے جم کر قیمت دار ہو جانے کے روز حصہ کاشتکاری کی قیمت کو اور کاشتکار کے اجر المثل کو دیکھا جائے گا۔

(ii) پس اگر زراعت میں سے زراعت جم کر قیمت دار ہو جانے کے روز حصہ کاشتکار کی قیمت اور اس کا اجر المثل برابر ہو یا حصہ کاشتکار کی قیمت بہ نسبت اجر المثل کے کم ہو تو کاشتکار کو اس کا حصہ زراعت دیا جائے گا۔

(iii) اگر زراعت جم کر قیمت دار ہو جانے کے روز زراعت میں سے حصہ کاشتکار کی قیمت بہ نسبت اس کے اجر المثل کے زیادہ وہ تو دیکھا جائے گا کہ اگر حصہ کاشتکار میت کی تہائی مال سے برآمد ہو تا ہو تو کاشتکار کو اس کا پورا حصہ دیا جائے گا۔ بعض بطور وصیت کے اور بعض بطریق معاوضہ کے اور اگر زراعت سے حصہ کاشتکار میت کے تہائی مال سے نہ نکال سکتا ہو پس اگر وارثوں نے اجازت دے دی تو بھی یہی حکم ہے کہ کاشتکار کو اس کا پورا حصہ زراعت دیا جائے گا اور اگر وارثوں نے اجازت نہ دی تو کاشتکار کو اس میں سے بقدر اس کے اجر المثل کے بطور معاوضہ دیا جائے گا۔

اگر اس پر (یعنی معیت پر) اس قدر قرضہ ہو جو اس کے تمام مال کو محیط ہو خواہ قرضہ صحت یا قرضہ مرض تو ایسی صورت میں زراعت میں سے جس روز اگنے کے بعد قیمت دار ہو گئی ہے قیمت حصہ کاشتکار اور اس کے کام کے اجر المثل کی طرف دیکھا جائے گا پس اگر زراعت اگنے اور قیمت دار ہونے کے روز زراعت سے حصہ کاشتکار کی قیمت اس کے اجر المثل کے برابر ہو یا کم ہو تو جس قدر کاشتکار کے واسطے مشروط ہے وہ کاشتکار کو دیا نہ جائے گا بلکہ جس قدر اس کے قبضہ میں ہے اس میں مریض کے قرض خواہ لوگ شریک ہوں گے۔ اور یہ مقبوضہ ان سب میں موافق ہر ایک حصہ کے تقسیم ہو گا بشرطیکہ سوائے اس کے مریض کا کچھ مال نہ ہو۔"(۶)

حواشی

(۱) محمد امین بن عبداللہ، فتاویٰ امینیہ فارسی) کتاب المزارعت، ص ۸۸

(۲) احمد بن حمید الملقب بنظام گیلانی، فتاویٰ ابراہیم شاہی (عربی) کتاب المزارعت، ص ۵۷

☆ وصی یتیم کے مال کی دیکھ بھال کرنے والا۔

(۳) احمد بن حمید الملقب بنظام گیلانی، فتاویٰ ابراہیم شاہی۔ کتاب المزارعت ص ۶۰۔

(۴) فتاویٰ عالمگیری، کتاب المزارعت، جلد ۴، ص ۱۱۱۔ ۱۱۲

(۵) فتاویٰ عالمگیری، کتاب المزارعت، جلد ۴، ص ۱۰۰

☆ دارالحرب کا رہنے والا یعنی وہ ملک جو دارالاسلام کے مقابلہ میں ہو۔

(۶) فتاویٰ عالمگیری، کتاب المزارعت، جلد ۴ ص ۱۲۰۔

باب ششم

باب ششم : فقہ حنفی میں مساقات برصغیر پاک و ہند کے تناظر میں

فصل I مساقات کے معنی و مفہوم

فصل II جواز مساقات

فصل III عدم جواز مساقات

فصل IV رکن مساقات

فصل V شرائط مساقات

i- صحیحہ

ii- مفسدہ

فصل VI احکام مساقات

i- صحیحہ

ii- مفسدہ

فصل VII مزارعت و مساقات میں فرق

اگر برصغیر میں فقہ حنفی کے فتاویٰ کے حوالے سے مساقات کا بغور تاریخی جائزہ لیا جائے تو فقہی مباحث کے تحت درج ذیل مسائل سامنے آتے ہیں، جن کی ذیل میں تحقیقی تفصیل واضح کی جائے گی۔

فصل I مساقات کے معنی و مفہوم

لغت کی رو سے لفظ مساقات "سقی" سے نکلا ہے اور اس سے مراد ہے کسی شخص کو درخت پھلدار اور انگور کی بیلوں وغیرہ پر اس کی بہتری کے لیے اس کی پیداوار کے مقررہ حصہ کے معاوضہ میں کام پر لگانا لغت میں اس لفظ کے یہی معنی ہیں۔ جو اس کے شرعی مفہوم کے برابر ہیں۔ لیکن اس کے شرعی معنی میں لغوی معنی کے خلاف خاص شرائط شامل ہیں۔ جن پر معاملہ مساقاۃ کے صحیح ہونے کا انحصار ہے دونوں معنوں میں جو فرق ہے وہ اسی جہت سے ہے۔ لفظ مساقات مفاعلہ کے باب سے ہے۔ از روئے قاعدہ اس کا مادہ سقی (بمعنی آب پاشی) ہے۔ لغت میں مساقاۃ دو شخصوں میں باہمی مشارکت ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ مساقات میں تو یہ کام اکیلا کاشتکار کرتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مصدر اپنے باب کی خاصیت میں مستعمل نہیں ہے مزید برآں اس میں فریقین کی شمولیت بھی اس لحاظ سے ہے کہ یہ مالک زمین اور کام کرنے والے کے درمیان باہمی معاہدہ ہوتا ہے جیسا کہ سابقاً مزارعت کے باب میں بتایا گیا۔ نیز اہل لغت اور فقہا درخت کی دیکھ بھال کو مساقاۃ کہتے ہیں۔ اس میں پانی دینے کے علاوہ اور باتیں بھی شامل ہیں۔ مثلاً درخت کی صفائی، اس کی کانٹ چھانٹ اور دیکھ بھال ان کاموں میں پانی دینا سب سے اہم کام ہے۔ بالخصوص اس حالت میں جبکہ گہرے کنوئیں سے ڈول کے ذریعہ پانی نکال کر درختوں میں ڈالا جائے غرض درختوں کو پانی دینا بڑی محنت کا کام ہے۔ اس لئے اس کی وجہ تسمیہ میں دوسری باتوں کو نظرانداز کردیا گیا الغرض اصطلاح شرع میں مساقاۃ کے معنی نخل و شجر اور کھیت وغیرہ پر مخصوص شرائط مفصلہ کے تحت کام کرنے کے ہیں۔ برصغیر کے کسی فقہی یا مصنف نے مساقات کے لغوی معنی بیان نہیں کئے سوائے شہزاد اقبال شام کے، وہ لکھتے ہیں:

> "مساقات کے لغوی معنی آبپاشی ہیں یہ لفظ ہمارے زرعی نظام اور اردو ادب میں اجنبی ہے۔ لیکن یہ لفظ جن دوسرے الفاظ کے خاندان سے متعلق ہے وہ اجنبی نہیں ہیں اگر پہلے اس لفظ کے مادہ کا تعارف کرا دیا جائے تو اس کے باقی متعلقات کو سمجھنا آسان ہوگا۔ مساقات عربی سہ حرفی مادہ "سقی" سے مشتق ہے جس کا مطلب پلانا ہے۔ امام راغب اصفہانی مفردات الفاظ القرآن فی غریب القرآن میں اس کی تعریف یوں کرتے ہیں:
>
> "ان یعطیہ مایشرب"
>
> (پی جانے والی شے کسی کو دینا) (۱)
>
> قرآن پاک میں آتا ہے "وسقاھم ربھم شرابا طھورا"
>
> (اور ان کا رب ان کو نہایت پاکیزہ شراب پلائے گا)۔ (۲)

اس لفظ کی ایک بگڑی ہوئی شکل "سقہ" کی صورت میں معروف ہے۔ سقہ وہ شخص ہے جو کسی کنویں یا ذخیرہ آب سے پانی لے کر لوگوں کو گھر گھر پہنچائے۔

"ساقی" سے مراد وہ شخص ہے جو کسی محفل میں حاضرین کو شیشے کے بلوریں جام بھر بھر کر پیش کرے۔ بارش کے لئے جو

خاص نماز مسلمان اجتماعی طور پر ادا کرتے ہیں۔ اس نماز کو "نماز استقی" کہتے ہیں۔ جس کے معنی پانی طلب کرنا ہیں، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

"واذاستسقی موسی لقومه"

(اور جب موسی علیہ السلام نے اپنی قوم کے لیے پانی کی دعا کی)۔(۳)

لفظ مساقات باب مفاعلہ سے ہے جس میں ایسی کیفیت پائی جاتی ہے جو دو افراد یا فریقین کے کسی لین دین کو ظاہر کرتی ہے۔ جیسے مزارعت کاشتکار اور زمیندار کے زرعی معاملہ کا نام مضاربہ سرمایہ کار اور کارکن کے کاروباری تعلق کو کہتے ہیں کیونکہ معاہدہ دو افراد کے عہد و پیمان کو ظاہر کرتا ہے۔ اسی طرح مساقات لغوی اعتبار سے پانی کی بہم رسانی کے لیے دو افراد کے درمیان کوئی معاملہ طے کرنے کا نام ہے" (۴)

مساقات کے لغوی معنی جاننے کے بعد اگر اس کے اصطلاحی مفہوم کی طرف آئیں تو معلوم ہوگا کہ برصغیر کے متعدد فقہاء نے مساقات کے اصطلاحی معنی بیان کئے ہیں۔

فتاویٰ ابراہیم شاہی میں لکھا ہے:

"باب المساقات والمعاملہ فی التہذیب وعندھما جائزہ فی جمیع الاشجار والرطاب کالمزارعته من شیوع الخارج بینہم"(۵)

فتاویٰ عالمگیری میں مذکور ہے:

"اما تفسیر ھافھی عبارۃ عن العقد علی العمل ببعض الخارج مع سائر شرائط جوازھا۔"

(معاملہ کی تفسیر یہ ہے کہ معاملہ عبارت ہے کام کے اوپر بعوض حاصلات کے عقد قرار دینے سے مع تمام شرائط جواز معاملہ کے)۔(۶)

نور الہدایہ ترجمہ اردوی شرح وقایہ میں مصنف لکھتے ہیں:

"مساقات کہتے ہیں اشجار دینے کو اس لئے کہ دوسرا شخص اس کو پرورش کرے بعوض ایک حصے کے اس کے پھلوں میں سے اور مساقات مثل زراعت ہے حکم میں ف"۔(۷)

عین الہدایہ کی رو سے:

"اہل مدینہ اس کو معاملت کہتے ہیں اور یہ درختوں کی بٹائی بعوض اس کے جز و پھلوں کے جو پیدا ہوں اور مزارعت کو اس وجہ سے مقدم بیان کیا کہ اس کی حاجت عام ہے اور اس کے مسائل بھی بہت ہیں، ورنہ معاملت کا ثبوت باحادیث کثیر ہے۔

"والمساقاۃ ہی المعاملہ فی الاشجار۔"

(اور مساقات درختوں کے معاملت یعنی بٹائی کا نام ہے) ف یعنی درختوں کو بٹائی پر دینا جیسے مزارعت زمین کو بٹائی پر دینا۔"(۸)

بہار شریعت میں مساقات سے متعلق مذکور ہے:

"باغ و درخت کسی کو اس لئے دینا کہ اس کی خدمت کرے اور جو کچھ اس سے پیداوار ہوگی اس کا ایک حصہ کام کرنیوالے کو دیا جائے گا اور ایک حصہ مالک کو دیا جائے گا اس کو مساقاۃ کہتے ہیں۔ اور اس کا دوسرا نام معاملہ بھی ہے"(۹)

تقی امینی" لکھتے ہیں:

"کھیت کا بٹائی پر معاملہ کرنا مزارعت ہے اور باغات کا پھلوں کی بٹائی پر معاملہ کرنا مساقاۃ ہے۔" (۱۰)

مجیب اللہ ندوی کے بقول:

"زمین کو بٹائی پر دینے کا نام مزارعت اور پھلدار درختوں کو بٹائی پر دینے کو مساقاۃ کہتے ہیں۔ اگر کوئی شخص اپنا تیار شدہ درخت یا باغ کسی شخص کو اس شرط پر دے کہ تم اس کی گڑائی' سینچائی اور نگرانی کرو' جو پھل ہوگا دونوں بانٹ لیں گے تو اس کو شریعت میں مساقات کہتے ہیں سقی کے معنی پانی دینے کے ہیں اس سے مساقاۃ بنا ہے گویا اصل کام اس میں پانی دینا اور پانی دے کر گوڑنا ہے۔ مزارعت کی طرح مساقات میں بھی دو آدمیوں کا پایا جانا ضروری ہے چنانچہ مساقات میں بھی کم از کم دو آدمی ہوتے ہیں اس کو عقد معاملہ بھی کہتے ہیں"۔ (۱۱)

شہزاد اقبال شام لکھتے ہیں:

"مساقات کا ایک عمومی مفہوم نظام زراعت میں دو افراد کے درمیان آبپاشی کا معاملہ ہے۔ لیکن اصطلاحی اعتبار سے یہ مفہوم بھی ناکافی ہے کیونکہ یہ آبپاشی فصلوں کی بجائے اشجار کے لئے مخصوص ہے اور ان اشجار کو پانی دینے پر معاملہ ختم نہیں ہوتا بلکہ ان کی کاٹ چھانٹ' شاخ تراش اور دیکھ بھال بھی لفظ مساقات کے مفہوم میں شامل ہے۔ احناف کے نزدیک اس کی تعریف یوں ہے "ھی المعاملہ فی الاشجار۔"(۱۲)

حواشی

(۱) امام راغب اصفہانی، المفردات الفاظ القرآن فی غریب القرآن۔ باب س ق ی۔ ص ۲۰۰۔

(۲) القرآن الحکیم، الدھر: ۲۱۔

(۳) القرآن الحکیم، البقرہ: ۶۰۔

(۴) شہزاد اقبال شام، مزارعت اور مساقات۔ ص ۱۲۔ ۱۳۔

(۵) احمد بن حمید الملقب بنظام شاہ گیلانی، فتاویٰ ابراہیم شاہی۔ باب المساقاۃ۔ ص ۱۷۵۔

(۶) فتاویٰ عالمگیری (کتاب المعاملہ)۔ جلد ہشتم۔ ص ۴۱۰۔

(۷) مولانا محمد عبدالغفار لکھنوی، نورالہدایہ ترجمہ اردوی شرح وقایہ۔ کتاب المساقات۔ ص ۴۳۔

(۸) مولانا سید امیر علی، عین الہدایہ (کتاب المساقاۃ)۔ ص ۲۰۔

(۹) مولانا امجد علی، بہار شریعت (مساقاۃ کا بیان)۔ ص ۸۸۔

(۱۰) تقی امینی، اسلام کا زرعی نظام (باب مساقات)۔ ص ۱۹۱۔

(۱۱) مجیب اللہ ندوی، اسلامی فقہ (باب مساقات)۔ ص ۸۷۴۔

(۱۲) شہزاد اقبال شام، مزارعت اور مساقات ص ۱۳۔ ۱۴۔

فصل II جواز مساقات

برصغیر کے تقریباً" تمام فقہاء جواز مساقات پر ہی فتوی دیتے ہیں۔ اس کے جواز پر دلائل وہی ہیں جو عالم اسلام کے فقہاء دیتے ہیں جن کا ذکر باب سوم میں ہو چکا ہے۔

فتاوی ابراہیم شاہی میں جواز مساقات سے متعلق لکھا ہے:

"باب المساقاة والمعاملة في التهذيب المعاملة عندهما جائزة في جميع الاشجار والرطاب كالمزارعة من شيوع الخارج بينهما۔" (۱)

نور الہدایہ ترجمہ اردوی شرح وقایہ میں مصنف لکھتے ہیں:

"یعنی مساقات صحیح ہے اور اس پر فتوی ہے ص صاحبین" کے نزدیک درست ہے اور دلائل ہر ایک کے وہی ہیں جو کتاب المزارعہ میں گذر چکے ص۔" (۲)

امداد الفتاوی میں لکھا ہے:

"سوال (۵۴۹) اگر باغ کا پھل غیر پختہ اس طرح دیا جائے کہ اس کی برداخت تیرے اوپر ہے۔ جو پیداوار ہو گی نصف نصف کی جائے گی یہ کیسا ہے؟ الجواب جائز ہے فی الدر المختار ہے (ای المساقاة) دفع الشجر الى من يصلحه بجز معلوم من ثمره وہی کالمزارعۃ الخ" (۳)

عین الہدایہ میں ہے:

"اس کے جواز کے بہت علماء قائل ہیں حتی کہ امام مالک و شافعی" کے نزدیک معاملت جائز ہے اور مزارعت نہیں جائز مگر معاملت کے تابع کر کے مزارعت جائز ہو جاتی ہے۔ یعنی مثلاً" زمین میں دو تہائی درخت ہوں اور ایک تہائی میں کھیتی ہو تو معاملت کی بیع میں مزارعت بھی جائز ہے۔ بالجملہ معاملت کے جواز کے قائل بہت ہیں اور آنحضرت نے یہود خیبر کے ساتھ درختوں کی بٹائی کا معاملہ فرمایا چنانچہ احادیث کا بیان سابق میں گزر چکا ہے۔ مع

"وقالا جائزة اذا ذكر مدة معلومة وسمى جزء من الثمر مشاعا۔"

(اور صاحبین نے فرمایا کہ معاملت جائز ہے اگر ایک مدت معلومہ بیان کی جاوے اور جزء مشاع پھلوں سے بیان کردیا جاوے) ف مثلاً" ایک سال کے واسطے بعوض نصف پیداوار پھلوں کے ہے اور یہی قول امام احمد و اکثر علماء کا ہے۔ ع۔ اور یہی قول جمہور کا ہے۔ کذا قال ابن عبدالبر" اور جز مشاع سے یہ غرض ہے کہ ایسا جزو بیان کیا جاوے جو مشترک ہو جیسے نصف و تہائی و چہارم وغیرہ اور مدت معلوم ہو۔" (۴)

بہار شریعت میں جواز مساقات کے بارے لکھا ہے:

"جس طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح خیبر کے بعد وہاں کے باغات یہودیوں کو دے دیتے تھے کہ ان باغات میں کام کریں اور جو کچھ پھل ہونگے ان میں سے نصف ان کو دیئے جائیں گے اور جس طرح مزارعت جائز ہے معاملہ بھی جائز ہے۔" (۵)

خلاصۃ الفتاویٰ میں مذکور ہے:

"وفی الا صل اذا دفع الکرم معاملۃ" بالنصف ولم سیم له سنین جاز استحا نا ویقع علے سنة واحدة وقدذکرنا ولو دفع الی اخر نخیلا او شجرا اوکرما معاملة شهرا معلومة یعلم یقینا (۶)

شہزاد اقبال شام کے بقول:

"مساقات کی شرعی حیثیت یہ ہے کہ مساقات کے جائز ہونے میں کوئی کلام نہیں احناف کے متقدمین میں سے امام محمد اور ابویوسف اور متاخرین میں سے جملہ احناف اس کے جواز کے قائل ہیں۔ ان سب کی دلیل وہی ہے جو مزارعت کے ضمن میں بیان کی گئی ہے جس کے مطابق رسول اللہؐ نے اہل خیبر کے ساتھ زمین کا معاملہ نصف پیداوار پر کیا جس میں زرعی پیداوار اور پھل دونوں شامل تھے۔" (۷)

حواشی

(۱) احمد بن حمید الملقب 'بنظام گیلانی' فتاویٰ ابراہیم شاہی (باب المساقات)۔ ص ۱۷۵۔

(۲) مولانا محمد عبدالغفار لکھنوی' نور الہدایہ ترجمہ اردوی شرح وقایہ جلد ا (کتاب المساقات)۔ ص ۴۳۔

(۳) مولانا اشرف علی تھانوی' امداد الفتاویٰ (باب مساقات)۔ ص ۵۲۴۔

(۴) مولانا سید امیر علی' عین الہدایہ (کتاب المساقاۃ)۔ ص ۲۲۔

(۵) مولانا امجد علی' بہار شریعت (معاملہ یا مساقاۃ کا بیان)۔ ص ۸۸۔

(۶) عبدالرشید بخاری' خلاصۃ الفتاویٰ (الفصل المعاملہ)۔ ص ۱۹۸۔

(۷) شہزاد اقبال شام' مزارعت اور مساقات۔ ص ۱۴۔

فصل III عدم جواز مساقات

برصغیر کے وہ تمام فقہاء جو مساقات کے جواز کے قائل ہیں۔ اور ان کا بیان پچھلی فصل میں گذر چکا ہے انہوں نے اپنی کتب میں امام ابو حنیفہ کے حوالے سے عدم جواز مساقات سے بھی آگاہ کیا ہے۔ کیونکہ بانی فقہ حنفی امام ابو حنیفہ مزارعت و مساقات دونوں ہی کے جواز کے قائل نہیں اور اسے کفیز الطحان جیسا معاملہ شمار کرتے ہیں۔ جیسا کہ درج ذیل کتب میں مذکور ہے۔

فتاویٰ ابراہیم شاہی:

"باب المساقات والمعاملہ فی التہذیب المعاملہ فاسدہ فی الاشجار والکرم من الثمرہ عندابوحنیفہؒ" (۱)

نورالہدایہ ترجمہ اردوی شرح وقایہ

"اور اختلاف مساقات میں ف یعنی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک باطل ہے۔" (۲)

عین الہدایہ:

"قال ابوحنیفۃؒ المساقاۃ بجزء من الثمر باطلۃ"
(امام ابو حنیفہؒ نے کہا کہ درختوں کی بٹائی کا معاملہ بعوض پھلوں کے ایک جزو شائع کے بھی باطل ہے) ف جیسے مزارعت اسی طرح باطل ہے۔" (۳)
تقی امین لکھتے ہیں:
"مزارعت کی طرح مساقات میں بھی امام ابو حنیفہؒ جواز کے قائل نہیں ہیں، تقی امین لکھتے ہیں۔ کان ابو حنیفۃؒ لا یجیز المساقاۃ علی حال من الاحوال (بحوالہ مختصر الطحاوی ص ۱۲۷)
تقی امین بیان کرتے ہیں کہ ممکن ہے ان کے زمانہ میں مساقاۃ کی جو شکلیں پائی جاتی رہی ہوں ان میں حق تلفی اور باہمی نزاع کا اندیشہ غالب رہتا ہو جس کی بناء پر انہوں نے مجبوراً اس سے منع کردیا ہو اور یا یہ بات ہو کہ لوگوں کو اس سے عمدہ معاملہ کی طرف رغبت دلانے کے لیے ایسا کیا ہو یعنی اس سے ان کا یہ مقصد رہا ہو کہ لوگوں کو پھل کھانے کے لیے بلا کسی معاوضہ کے باغات دے جائیں بہرحال ممانعت کی جو بھی وجہ ہو اس سے بحث نہیں، البتہ خلافت مفاد عامہ کے پیش نظر امداد باہمی کی اس قسم کی شکلوں کو رائج کرسکتی اور باقی رکھ سکتی ہے۔ (۴)

حواشی

(۱) احمد بن حمید الملقب بنظام گیلانی، فتاویٰ ابراہیم شاہی (باب المساقات)۔ ص ۱۷۵۔

(۲) مولانا محمد عبدالغفار لکھنؤی، نورالہدایہ ترجمہ اردوی شرح وقایہ (کتاب المساقات)۔ ص ۴۳۔

(۳) سید امیر علی، عین الہدایہ (کتاب المساقات) ص ۲۲۔

(۴) تقی امینی، اسلام کا زرعی نظام (باب مساقات)۔ ص ۱۹۲۔

فصل IV رکن مساقات

واضح ہو کہ معاملہ مساقات کا رکن ایک ہی ہے۔ مزارعت کی مانند یعنی ایجاب و قبول جبکہ اس ایک رکن ایجاب و قبول کے اندر درج ذیل امور شامل ہیں۔

- پہلے رکن کا تعلق درخت' کارکن اور مالک سے ہے۔
- دوسرے رکن کا تعلق رکن کی ذمہ داری سے ہے۔
- تیسرا رکن کام کی نوعیت بتاتا ہے۔
- چوتھا رکن وہ الفاظ ہیں جن سے معاہدہ منعقد ہوتا ہے۔

ان الفاظ کے بارے میں بعض اصحاب کی رائے یہ ہے کہ یہ خاص لفظ "ساقیت" ہے (یعنی یہ کہنا کہ میں تمہارے ساتھ معاملہ مساقات کرتا ہوں) بعض اور اصحاب کہتے ہیں کہ ساقیت یا عالمت کہنے سے بھی معاملہ مساقات ہوجاتا ہے' (یعنی میں نے تم کو باغ کے کام پر لگایا)

اور اسی قول کو ترجیح حاصل ہے۔ برصغیر کے علمائے احناف کے نزدیک مساقات کے ارکان وہی ہیں جو مزارعت کے ہیں اور جن کا ذکر اوپر ہوچکا ہے ان کے ہاں اختلاف نہیں اس لئے اکثریت نے ارکان ذکر نہیں کئے مثلاً" مجیب اللہ ندوی لکھتے ہیں:

"مساقات کے ارکان و شرائط بھی وہی ہیں جو مزارعت کے ہیں۔" (۲)

حواشی

(۱) مجیب اللہ ندوی' اسلامی فقہ۔ (باب مساقات)۔ ص ۵۷۵

فصل V (i) شرائط مساقات صحیحہ

مجوزین معاملہ (مساقات) کے نزدیک اس کی شرائط مصححہ (یعنی تصحیح کرنے والی) وہی ہیں جو کتاب المزارعہ میں ذکر کی گئیں:

(۱) دونوں عاقد عاقل ہوں۔ پس ایسے شخص کا عقد جائز نہیں جو عاقل نہ ہو' رہی بلوغت تو وہ شرط نہیں ہے اور ایسے ہی حریّت بھی۔

(۲) دونوں مرتد نہ ہوں۔ یہ ابو حنیفہؒ کے قول کے مطابق ہے اور ان لوگوں کے اقوال کے قیاس پر جو معاملہ کو جائز قرار دیتے ہیں' حتیٰ کہ اگر ان میں سے کوئی ایک مرتد ہو تو معاملہ (مساقات) موقوف رہے گا۔ ☆ پھر اگر باغ دینے والا مرتد ہو پھر وہ مسلمان ہو جائے تو پیداوار دونوں کے درمیان شرط کے مطابق تقسیم ہوگی۔ اور اگر وہ قتل کر دیا جائے یا وہ مر جائے یا دارالحرب کے ساتھ لاحق ہو جائے تو کل کی کل پیداوار باغ والے کی ہوگی۔ کیونکہ وہ اس کی مِلک کی نماء ہے اور دوسرے کو اجرت مثل ملے گی جبکہ اس نے عمل کیا ہو۔ صاحبینؒ کے نزدیک دونوں حالتوں میں پیداوار مسلمان عامل اور باغ والے کے ورثاء کے درمیان شرط کے مطابق تقسیم ہوگی۔ جیسا کہ اس صورت میں ہوتا ہے۔ جبکہ دونوں مسلمان ہوں۔

☆ اور اگر عامل مرتد ہو پھر وہ مسلمان ہو جائے تو پیداوار دونوں کے درمیان شرط کے مطابق تقسیم ہوگی اور اگر وہ قتل کر دیا جائے یا وہ حالت ارتداد میں مرجائے یا دارالحرب کے ساتھ لاحق ہو جائے تو پیداوار مسلمان باغ والے اور عامل مرتد کے ورثاء کے درمیان شرط کے مطابق تقسیم ہوگی۔ اس پر سب کا اتفاق ہے۔

(۳) پھلدار درخت جو مساقات پر دیے گئے ہوں وہ ایسے ہوں کہ عمل کی وجہ سے ان کے پھلوں میں اضافہ ہوتا ہو۔ پس اگر ایسے درخت دیے گئے کہ ان میں (کھجور کے) شگوفے (گابھے) یا گدر کھجوریں ہوں جو سرخ یا سبز ہو چکی ہوں لیکن ابھی اپنی پوری جسامت کو نہ پہنچی ہوں تو معاملہ جائز ہے۔ اگر وہ اپنی پوری جسامت حاصل کر چکی ہوں البتہ پختہ نہ ہوئی ہوں تو معاملہ فاسد ہوگا کیونکہ جب اس کی جسامت پوری ہو چکی تو عام طور پر عمل کی زیادت کی صورت میں تاثیر نہ ہوگی لہٰذا جو عمل مشروط علیہ ہے وہ نہیں پایا گیا جس کی بنا پر عامل پیداوار کا مستحق نہیں بنے گا بلکہ کل کی کل پیداوار باغ والے کی ہوگی۔

(۴) پیداوار دونوں کے لیے ہو پس اگر ان میں سے ایک کے لیے (پیداوار کی) شرط کی تو مساقات فاسد ہوگی۔

(۵) دونوں میں سے ہر ایک کا پیداوار میں سے حصہ مشاع ہو اور اس کی مقدار معلوم ہو۔

(۶) محل عمل یعنی درخت معلوم ہو۔

(۷) عامل کو تسلیم کرنا یعنی تخلیہ حتیٰ کہ اگر انہوں نے دونوں پر عمل کی شرط کی تو تخلیہ کے انعدام کی بنا پر مساقات فاسد ہو جائے گی۔

(۸) رہا مدت کا بیان تو یہ مساقات کے جواز کے لیے از روئے استحسان شرط نہیں ہے اور اس کا وقوع پہلے سال کے پہلے پھل پر ہوگا۔ برخلاف مزارعت کے قیاس کا تقاضا ہے کہ یہ شرط ہو کیونکہ مدت کے بیان کا ترک جہالت کا باعث ہوتا ہے

جیسا کہ مزارعت میں ہوتا ہے البتہ چونکہ مساقات میں بیان مدت کے بغیر لوگوں کا تعامل مزارعت میں مفقود ہے حتیٰ کہ اگر کسی مقام پر یہ تعامل پایا جاتا ہو تو مزارعت بغیر بیان مدت کے جائز ہو گی۔ محمد بن مسلمہؒ اسی کا فتویٰ دیتے تھے۔ جیسا کہ مزارعت میں اس کا بیان ہو چکا ہے۔

اگر زمین دی تاکہ اس میں اسفست کی کاشت کرے یا زمین دی جس میں اسفست کی جڑیں ہوں اور مدت کا ذکر نہیں کیا تو اگر ایسی شئی ہو جس کے اگنے کی ابتداء اور جس کے کٹنے کی انتہا کا مقرر وقت نہ ہو تو معاملہ فاسد ہو گا اور اگر اس کے کٹنے کا وقت معلوم ہو گا تو جائز ہو گا اور اس کا وقوع پہلی کٹائی پر ہو گا جیسا کہ پھلدار درختوں میں ہوتا ہے۔

فتاویٰ ابراہیم شاہی میں شرائط سے متعلق بیان ہوا ہے:

"اذا ذكر مدت معلومه جزاء امتناز عه والفتوى على انه يجوز و ان لم بين الملت يكون له ثمرة واخلة و فى التهذيب ولو عامل نخيلا بعد خروج الثمن جاز و ان تنابر فلا و فى كنز الدقائق فان دفع نخيلا فيه ثمرة مساقات الثمرة نزيدُ بعمل صحت و ان انتهت لا كالمزارعة كذا فى السراجيه" (۱)

فتاویٰ عالمگیری میں مذکور ہے:

"واما شرائطها فمنها ان يكون العاقد ان عاقلين فلا يجوز عقد من لا يعقل واما البلوغ فليس بشرط و كذا الحرية و مما ان لا يكون مرتلين فى قول ابى حنيفه على قياس قول من اجاز المعامله حتٰى لو كان احدهما مرتدا او وقعت المعامله ان كان المرتد هوا للدافع فان اسلم فالخارج بينهما على الشرط و ان قتل اومات------- و يقع على الجنة الا ولى كما فى الشجر المثمر۔"

(معاملہ کے واسطے چند شرطیں ہیں ازاں جملہ یہ ہے کہ

(۱) عاقدین معاملہ دونوں عاقل ہوں پس جو شخص عقد معاملہ کو نہ سمجھتا ہو اس کا عقد جائز نہ ہو گا اور بالغ ہونا شرط نہیں ہے اور ایسی ہی حریت یعنی آزاد ہونا بھی شرط نہیں ہے۔

(۲) اور ازاں جملہ یہ ہے کہ جس نے معاملہ کو جائز رکھا ہے اس کے نزدیک .بقیاس قول امام اعظمؒ یہ چاہیے کہ دونوں عقد کرنے والے مرتد نہ ہوں حتیٰ کہ اگر دونوں میں سے کوئی مرتد ہو اور عقد معاملہ واقع ہوا پس اگر مالک درخت مرتد ہو پھر وہ اسلام لایا تو حاصلات دونوں میں موافق شرط کے مشترک ہو گی اور اگر حالت ردت میں قتل کیا گیا یا مر گیا یا دارالحرب میں جا ملا تو پوری حاصلات مالک کی ہو گی کیونکہ اسی کی ملک سے پیدا ہوئی ہے اور عامل کو اگر اس نے کام کیا ہو تو اس کے کام کا اجر المثل ملے گا اور صاحبینؒ کے نزدیک دونوں صورتوں میں تمام حاصلات عامل مسلمان اور وارثان مالک مرتد کے درمیان مشترک ہوگی۔ جیسا کہ اگر دونوں مسلمان مرے تو یہی حکم ہے اور اگر عامل مرتد ہو پس اگر وہ مسلمان ہو گیا تو بالاجماع جو حاصلات ہو وہ دونوں میں موافق شرط کے مشترک ہو گی یہ اس صورت میں کہ عقد معاملہ ایک مسلمان اور ایک مرتد کے درمیان واقع ہوا اور اگر دو مسلمانوں میں واقع ہوا پھر دونوں مرتد ہو گئے یا ایک مرتد ہو گیا تو حاصلات دونوں میں موافق شرط کے مشترک ہو گی اور عقد معاملہ عورت مرتدہ کا

بالاجماع بلا خوف جائز ہے۔

(۳) اور ازاں جملہ یہ شرط ہے کہ اگر ایسا درخت جس میں پھل موجود ہیں معاملہ پر دیا تو پھر ایسی حالت میں ہوں کہ ان میں عامل کے کام سے زیادتی ہو۔ پس اگر ایک خرما کا درخت جس میں طلع یا بسر ہیں کہ سرخ یا سبز ہو گئے ہیں مگر ان کا بڑھنا پورا نہیں ہو گیا ہے تو معاملہ جائز ہو گا اور اگر ان کا بڑھنا پورا ہو گیا مگر ہنوز وہ رطب نہ ہوئے ہوں تو معاملہ فاسد ہو گا اور پوری حاصلات مالک درخت خرما کی ہو گی۔

(۴) ازاں جملہ یہ ہے کہ حاصلات دونوں کے واسطے مشروط ہو پس اگر دونوں نے ایک کے واسطے حاصلات مشروط کی تو معاملہ فاسد ہو گا۔

(۵) اور ازاں جملہ یہ ہے کہ بعض حاصلات جو ہر ایک کے واسطے مشروط ہے وہ مشترک و معلوم القدر ہو یعنی تہائی و چوتھائی وغیرہ مقدار حصہ مشترک معلوم ہو۔

(۶) اور ازاں جملہ یہ ہے کہ جس میں عقد معاملہ قرار پایا ہے وہ عامل کے سپرد کرے یعنی اس کے اور عامل کے درمیان تخلیہ کر دے۔ کوئی مانع اور کچھ لگاؤ نہ رکھے حتیٰ کہ اگر دونوں کے ذمہ اس کام کا کرنا عقد میں مشروط ہو تو معاملہ فاسد ہو گا۔

(۷) اور واضح ہو کہ مدت کا بیان کرنا جواز معاملہ کے واسطے استحساناً" شرط نہیں ہے کیونکہ بدون بیان مدت کے لوگوں میں اس کا تعامل جاری ہے پس پہلا پھل جو سال کے اول میں اترتا ہے اس پر عقد معاملہ کا وقوع ہو گا یعنی اسی پر مدت قرار دی جائے گی اور اگر کوئی زمین دی کہ اس میں رطاب کی کاشت کرے یا ایسی زمین دی جس میں اصول رطب باقی تھیں۔ اور مدت بیان نہ کی پس اگر ایسی شئی ہو کہ اس کے چیرنے و کاٹنے کی ابتداء و انتہا کا وقت معلوم نہ ہو تو معاملہ فاسد ہو گا اور اگر اس کے کاٹنے کا وقت معلوم ہو تو معاملہ جائز ہے اور پہلی کٹائی جو واقع ہو اسی پر مدت کی انتہا قرار دی جائے گی جیسا پھلدار درختوں میں ہوتا ہے۔) (۲)

<u>عین الہدایہ</u> میں لکھا ہے:

"قال و تجوز المساقاۃ فی النخل والشجر والکرم والرطاب و اصول الباذنجان (اور مساقات یعنی معالمت درختاں و خرما و پھلدار درختوں و انگور و رطاب و بیج باذنجان میں جائز ہے) ف رطاب کی جڑیں برابر زمین میں رہتی ہیں جب پانی دیا جاوے تو اپنی فصل پر پھوٹتی اور اس سے تخم حاصل ہوتے ہیں اور باذنجان (بینگن) کی جڑیں بھی اسی قسم سے ہیں اور یہ ساگ وغیرہ کی قسم نہیں کہ خود نوچ کر فروخت ہوتا رہتا ہے بلکہ برابر باقی اور اس کے پھل فروخت ہوتے ہیں اور نخل و انگور و انبہ و نارنگی وغیرہ میں یہ بات خود ظاہر ہے مگر آنکہ کہیں نارنگی کے درخت ایسے پرانے ہو جاتے ہیں کہ پھل نہیں آتے ہیں جیسے کیلے وغیرہ میں ہے تو ایسی صورت میں ایسے درختوں میں جواز نہ ہو گا۔ اور بیر کے درخت ہمیشہ پھلا کرتے ہیں اگرچہ کسی سال بعضے انبہ کے باغ یا بیر کے باغ میں کسی آفت سے پھل نہ آویں تو اس کا مضائقہ نہیں ہے جبکہ یہ بات نہ ہو کہ کیلے کی طرح درخت موجود ہیں مگر وہ اب پھل نہیں لاتے ہیں اور اس سے ایک کلیہ قاعدہ نکل آیا جو کمتر توجہ سے سمجھ میں آ جائے گا اور عینیؒ نے لکھا کہ یہی قول مالک واحمد و ثوری و اوزاعی و صاحبین وغیرہ و قدیم قول شافعی ہے کہ مساقات جمیع اشجار مثمرہ میں جائز ہے۔

شرائط:

(۱) "قال فان دفع نخلا فيه تمر مساقاة والتمر يزيد بالعمل جاز۔" (مختصر یہ ہے کہ اگر ایک شخص نے اپنا باغ خرما مساقات پر دیا جس میں چھوہارے لگے ہیں اور حال یہ کہ عامل کی پرداخت کرنے سے چھوہاروں میں بڑھاور ہو گی تو عقد مساقات جائز ہے) "وان كانت قد انتهت لم يجز" (اور اگر چھوہاروں کی بڑھاور پوری ہو گئی ہو تو عقد مذکور نہیں جائز ہے) ف کیونکہ عامل کے کام سے کچھ فائدہ مترتب نہیں ہے تو کام ہی ندارد ہے۔ "وكذا على هذا اذا دفع الزرع وهو بقل جاز" (وعلی ہذا اگر کاشتکار کو جمی ہوئی کھیتی .عقد مزارعت دی حالانکہ وہ ابھی ساگا ہے تو عقد مزارعت جائز ہے) "ولو استحصد وادرک لم يجز" (اور اگر کھیتی کاٹنے کے لائق ہو گئی اور پختہ تیار ہو گئی تو مزارعت جائز نہیں ہے) ف بالجملہ مزارعت میں بھی مثل مساقات کے حکم ہے۔

"لان العامل انما يستحق بالعمل ولا اثر للعمل بعد التناهي والادراک" (اس واسطے کہ عامل و کاشتکار کو تو اجرت کا استحقاق بوجہ عمل کے ہوتا ہے اور پھل و کھیتی پختہ ہونے کے بعد کام کا کچھ اثر نہیں ہے) "فلو جوزناه لكان استحقاقا بغير عمل ولم يرد به الشرع" (پس اگر ہم ایسی مزارعت یا معالمت کو جائز کہیں تو عامل کا استحقاق بدون عمل کے ہو حالانکہ ایسے استحقاق کے ساتھ شرع وارد نہیں ہوتی) ف بلکہ شرع میں عامل کا استحقاق ایسی صورت میں وارد ہوا ہے کہ اس نے کچھ کام کیا ہو یعنی اس کے کام کا اثر پیدا ہوا ہے اور یہاں تو پھلوں و کھیتی کی بڑھاوری پوری ہو چکی ہے اور اب کام کی کچھ حاجت باقی نہیں رہی۔ "بخلاف ما قبل ذلک لتحقق الحاجة الى العمل" (برخلاف اس کے پہلی حالت کے کیونکہ اس وقت عامل کے کام کی حاجت ہے) ف لہٰذا اس کو کام سے استحقاق ہوتا ہے۔(۲) "و شرط المدة قياس فيها لانها اجارة معنى كما فى المزارعة" (اور معالمت میں بیان مدت شرط کرنا بمقتضائے قیاس ہے) یعنی قیاس مقتضی ہے کہ معالمت میں مدت شرط ہو اس واسطے کہ یہ بھی معنی میں اجارہ ہے جیسے مزارعت میں بیان مدت شرط ہے۔ "وفى الاستحسان اذا لم يبين المدة يجوز و يقع على اول ثمر يخرج" (اور دلیل استحسان میں یہ حکم ہے کہ اگر مدت بیان نہیں کی گئی تو بھی جائز ہے اور عقد معاملہ اس سال کے پہلے پھل نکلنے پر واقع ہو گا) ف اور جب پختہ ہو جائے تو ختم ہو گا۔ "لان الثمر لا دراكما وقت معلوم و قل ما يتفاوت" (اسی وجہ یہ ہے کہ پھلوں کے پختہ ہو جائے کے لیے ایک وقت معلوم ہے اور کمتر تفاوت ہوتا ہے۔) ف اور ایسی خفیف تفاوت سے جھگڑا نہیں پیدا ہو سکتا تو انتہا کی مدت معلوم ہے اور ابتداء میں احتمال رہا کہ عقد کے وقت سے ہے یا پھل نکلنے کے وقت سے ہے، لیکن پھل نکلنے سے قطعی ہے اور اول میں احتمال ہے۔ "ويدخل فيها ما هو المتيقن" (اور اس مدت کے اندر وہ وقت داخل ہو جائے گا جو متیقن ہے) ف یعنی پھل نکلنے کی ابتداء تو یقینی ہے پس اس وقت سے پختہ ہونے تک مدت ہو گی۔ "و ادراک البذر فى اصول الرطبة فى هذا بمنزلة ادراک الثمار لان له نهاية معلومة فلا يشترط بيان المدة" (اور رطبہ کی جڑوں میں بیجوں کے پختہ ہونے کا عقد کرنا بیان مدت کے حق میں بمنزلہ پھلوں کی پختگی کے ہے اس واسطے کہ رطبہ کے بیجوں کے پکنے کی ایک انتہاء معلوم ہے تو بیان مدت شرط نہیں ہے) ف رطبہ پست جس کو گندنا کہتے ہیں اور اس کی جڑیں برابر زمین میں باقی رہتی ہیں اور اس کے بیجوں کو تنہا خرید و فروخت کرتے ہیں۔ پس شیخ مصنف کی غرض یہ ہے کہ تخم رطبہ کا حکم بمنزلہ معالمت ہے نہ بمنزلہ مزارعت۔ چنانچہ اگر مالک نے رطبہ کی جڑیں جو پوری اگی ہیں اس شرط پر دیں کہ ان کو سینچے و پرداخت کرے یہاں تک کہ بیج

نکال کر پختہ ہوں اس قرار داد پر کہ جو کچھ تخم حاصل ہوں وہ ہم دونوں میں نصف نصف ہو تو یہ معاملہ کے طور پر جائز ہے اور تخم ظاہر ہونے پر واقع ہو گا اور پختہ ہونے پر ختم ہو گا اور چونکہ اس کے پختہ ہونے کا وقت معروف و معلوم ہے اور اگر تفاوت ہو تو بہت خفیف ہوتا ہے پس نزاع کا احتمال نہیں ہے تو رطبہ کے تخم میں بھی بمنزلہ پھلوں کے معاملہ کرنا بدون بیان مدت کے استحسانا جائز ہے۔ "بخلاف الزرع" (برخلاف کھیتی کے) ف کہ اس میں بیان مدت شرط ہے۔ "لان ابتداءه یختلف کثیرا خریفا و صیفا و ربیعا" (اس واسطے کہ زراعت کی ابتداء میں اختلاف کثیر واقع ہوتا ہے۔ از راہ خریف وگرمی و ربیع کے) ف جہاں تین فصلیں ہوتی ہیں حتیٰ کہ ابتدائے ربیع کے فصل کو آخر صیف میں کاٹتے ہیں اور خریف کو آخر ربیع میں اور صیف کو آخر خریف میں کاٹتے ہیں۔ ع۔ غرضیکہ اس کی ابتداء میں اختلاف کثیر ہے اور انتہا تو بحسب ابتداء ہوتی ہے تو جب ابتداء میں اس قدر جہالت ہے تو انتہا میں بھی بہت جہالت ہو گی۔ "والا نتهاء بنا علیه" (اور انتہا کا مبنی ہونا ابتداء پر ہے) فتدخله الجهالة" (تو اس میں جہالت کثیر داخل ہوگی) ف جس سے نزاع پیدا ہو گا پس زراعت میں بیان مدت شرط ہے اور اسی کے مثل درختوں کے پودوں کا حال ہے کہ بڑے درختوں میں جن میں پھل آیا کرتے ہیں بیان مدت شرط نہیں ہے بخلاف زراعت کے۔ "و بخلاف ما اذا دفع الیه عزسا قد علق ولم یبلغ الثمر معاملة" (اور برخلاف ایسے پودوں کے جو زمین میں جم گئے و لیکن پھلوں کی حد تک نہیں پہنچے ہیں کہ جب ان کو بٹائی پر دیا) "حیث لا یجوز" (تو یہ جائز نہیں ہے) "الا ببیان المدة" (مگر بایں طور کہ مدت بیان کرے) ف یعنی اس کی ابتداء و انتہا بیان کرے کیونکہ ان کا معاملہ اس وقت مفید ہو کہ ان میں پھل آکر پختہ ہوں حالانکہ پودوں میں یہ امر مجہول ہے۔ "لانه یتفاوت بقوة الارض و ضعفها تفاوتا فاحشا" (اس واسطے کہ یہ امر بلحاظ زمین کی قوت و ضعف کی تفاوت فاحش کے ساتھ متفاوت ہوتا ہے) ف چنانچہ بعضے پودے جو قوی زمین پر لگائے جاتے ہیں وہ مثلاً تین سال میں پھل لاتے ہیں تو بعضے دیگر جو کمزور زمین پر ہیں پانچ سال میں پھل لاتے ہیں اور ایسے ہی بہت تفاوت واقع ہوتا ہے اور واضح ہو کہ رطبہ کے تخم میں معاملہ کرنا اوپر بیان ہوا کہ بدون بیان مدت کے جائز ہے۔(۳) "والکلام فیها کالکلام فی المزارعة" (اور معاملت کی شرائط وغیرہ میں بھی اس طرح کلام ہے جیسے مزارعت میں بیان ہوا ہے) ف صرف اتنی بات ہے کہ مزارعت میں جس کی جانب سے بیج ہوں اس کا بیان ہونا ضرور ہے اور معاملت میں درخت از جانب مالک موجود ہیں اور فتاویٰ(۴) قاضی خان میں منجملہ شرائط کے لکھا ہے کہ ایک یہ کہ عامل کا حصہ بیان ہو جاوے اور مالک درخت کے حصہ سے سکوت کرنا استحسانا جائز ہے جیسے مزارعت میں جائز ہے۔

(۵) ایک یہ کہ پیداوار میں شرکت ہو یعنی پیداوار پھلوں سے حصہ مشاع بیان کیا جاوے۔(۶) ایک اور یہ کہ درختوں و عامل کے درمیان قبضہ تخلیہ دیا جاوے۔(۷) مدت بیان ہو اور اگر بیان ابتدائی وقت سے سکوت کیا تو استحسانا جائز ہے اور جب سے اس سال اول پھل ظاہر ہوں تب سے معاملت قرار پاوے گی اور اگر اس سال پھل نہ آئے تو معاملت ٹوٹ جاوے گی۔" ک (۳)

فتاویٰ نور الہدایہ ترجمہ اردوی شرح وقایہ میں مذکور ہے:

"اور شرطوں میں ف جو شرطیں مزارعت کی تھیں وہی شرطیں مساقات کی ہیں۔ جیسے اہل ہونا عاقدین کا۔ اور عامل کا حصہ بیان کر دینا۔ اور اشجار سپرد کر دینا عامل کے۔ اور خارج کا مشترک ہونا لیکن تخم کا بیان کرنا ضمن نہیں مساقات میں۔ کذا فی الاصل ص مگر مدت کا ذکر مساقات میں ضرور نہیں تو اگر مدت مقرر نہ کی تو

مساقات صحیح ہو جائے گی۔ ف از روئے استحسان کے اس لیے کہ پھل پکنے کا ایک وقت مقرر ہے۔ کذا فی الاصل ص اور اول بار کے پھلوں پر واقع ہو گی اور رطبہ میں جب تک اس کا بیج نہ پکے ف رطبہ کو فارسی میں سپست تر کہتے ہیں اور وہ ایک گھاس ہے کہ جانوروں کو کھلایا کرتے ہیں۔ تو جب کسی نے رطبہ کو بطور مساقات کے دیا تو بیان مدت شرط نہیں ہے پس جب تک رہے گی کہ بیج اس کا نہ پکے اس واسطے کہ اس کے بیج کا پکنا جیسے پھل کا پکنا ہے شجر میں' میں کہتا ہوں کہ اکثر اس میں تخم غیر مقصود ہوتا ہے بلکہ ہر سال میں چھ سات مرتبہ کاٹی جاتی ہے اور اگر تخم مقصود ہو تو ایک دفعہ کاٹ کے دے دی جاتی ہے تخم کے پکنے تک پس جہاں تخم نہ لیا جاوے گا تو چاہیے کہ ایک سال تک مساقاۃ رہے کذا فی الاصل ص اگر مساقات میں اتنی مدت بیان کی جس میں پھل نہیں پکتا تو وہ فاسد ہو گی اور جو اس قدر مدت بیان کی کہ اس میں کبھی پک جاتا ہے اور کبھی نہیں پکتا تو صحیح ہو گی تو اگر اس میعاد تک پک گیا تو موافق شرط کے عمل ہو گا ورنہ عامل کو اجرت مثل دینا ہو گی اور صحیح ہے مساقات انگور اور درخت اور ترکاریوں اور بینگن کی جڑوں میں اگرچہ اس میں پھل موجود ہوں لیکن پکے نہ ہوں تو اگر پکے ہوئے پھل ہوں تو پھر مساقات صحیح نہ ہو گی۔ بسبب حاجت نہ ہونے کے جیسے مزارعت تیار کھیتی میں صحیح نہیں ہے۔" (۴)

بہار شریعت میں لکھا ہے:

"مساقات کے جواز کی شرائط یہ ہیں (۱) عاقدین کا عاقل ہونا' (۲) جو پیداوار ہو وہ دونوں میں مشترک ہو اور اگر فقط ایک کے لیے پیداوار مخصوص کر دی گئی تو عقد فاسد ہے' (۳) ہر ایک کا حصہ مشاع ہو جس کی مقدار معلوم ہو مثلاً نصف یا تہائی یا چوتھائی' (۴) باغ یا درخت عامل کو سپرد کر دینا یعنی مالک کو قبضہ اس پر نہ رہے اور اگر یہ قرار پایا کہ مالک بھی اس میں کام کرے تو معاملہ فاسد ہے' (۵) جو درخت مساقات کے طور پر دیے گئے وہ ایسے ہوں کہ عامل کے کام کرنے سے اس میں زیادتی ہو سکے یعنی اگر پھل پورے ہو چکے جتنا بڑھنا تھا بڑھ چکے صرف پکنا ہی باقی رہ گیا ہے تو عقد صحیح نہیں' (۶) معاملہ میں مدت بیان کرنا ضروری نہیں بغیر بیان مدت بھی معاملہ صحیح ہے اور اس صورت میں پہلی مرتبہ پھل تیار ہونے پر معاملہ ختم ہو گا اور ترکاریوں میں بیج تیار ہونے پر ختم ہو گا جبکہ بیج مقصود ہوں ورنہ خود ترکاریوں کی پہلی فصل ہو جانے پر معاملہ ختم ہو گا اور اگر مدت ذکر نہیں کی گئی تو اس سال پھل پیدا ہی نہ ہوئے تو معاملہ فاسد ہے (در مختار ہدایہ)

○--- معاملہ میں مدت ذکر ہوئی مگر معلوم ہے کہ اس مدت میں پھل نہیں پیدا ہوں گے تو معاملہ فاسد ہے اور اگر ایسی مدت ذکر کی جس میں احتمال ہے کہ پھل پیدا ہوں یا نہ ہوں تو معاملہ صحیح ہے پھر اس صورت میں اگر پھل آ گئے تو جو شرائط ہیں ان پر عمل ہو گا اور اگر اس مدت میں نہیں آئے بلکہ مدت پوری ہونے کے بعد پھل آئے تو معاملہ فاسد ہے۔ اور اس صورت میں عامل کو اجرت مثل ملے گی یعنی ابتدا سے پھل تیار ہونے تک کی اجرت مثل پائے گا اور اگر اس صورت میں کہ مدت مذکور ہوئی اور یہ احتمال تھا کہ پھل آئیں گے مگر اس سال بالکل پھل نہیں آئے نہ مدت میں نہ بعد میں تو عامل کو کچھ نہیں ملے گا کیونکہ یہ معاملہ صحیح ہے۔ فاسد نہیں ہے کہ اجرت مثل دلائی جائے اور اگر اس مدت معینہ

میں کچھ پھل نکلے اور کچھ بعد میں نکلے تو جو پھل مدت کے اندر پیدا ہوئے ان میں عامل کو حصہ ملے گا بعد والوں میں نہیں۔ (در مختار رد المحتار)

○--- نئے پودے جو ابھی پھلنے کے قابل نہیں ہیں بطور معاملہ دیے کہ عامل اس میں کام کرے جب پھل آئیں گے تو دونوں نصف نصف کر لیں گے یہ معاملہ فاسد ہے کیونکہ یہ معلوم نہیں کتنے دنوں میں پھل آئیں گے۔ زمین موافق ہے تو جلد پھلیں گے ناموافق ہے تو دیر میں پھلیں گے ہاں اگر مدت ذکر کر دی جائے اور اتنی ہو کہ ان میں پھلنے کا احتمال ہو تو معاملہ صحیح ہے (ہدایہ در مختار) ترکاریوں کے درخت معاملہ کے طور پر دیے کہ جب تک پھلتے رہیں۔ کام کرو اور اتنا حصہ تم کو ملا کرے گا یہ معاملہ فاسد ہے۔ یوں ہی باغ دیا اور کہہ دیا کہ جب تک یہ پھلتا رہے کام کرو اور نصف لیا کرو یہ فاسد ہے کہ مدت نہ بیان کرنے کی صورت میں صرف پہلی فصل پر معاملہ ہوتا ہے (ہدایہ در مختار) ترکاریوں کے درخت کا معاملہ کیا اور اب ان میں سے ترکاریوں کے نکلنے کا وقت ختم ہو چکا بیج لینے کا وقت باقی ہے جیسے میتھی پالک سویا وغیرہ جب اس حد کو پہنچ جائیں کہ ان سے ساگ نہیں لیا جا سکتا بیج لیے جا سکتے ہیں اور یہ بیج کام کے ہوں ان کی خواہش ہوئی ہو اور عامل سے کہہ دیا کہ یہ کام کرے آدھے بیج اسے ملیں گے یہ معاملہ صحیح ہے اگرچہ مدت نہ ذکر کی جائے اور اس صورت میں وہ پیڑ مالک کے ہوں گے صرف بیجوں کی تقسیم ہو گی۔ اور اگر پیڑوں کی تقسیم بھی مشروط ہو تو معاملہ فاسد ہے (در مختار)" (۵)

<u>خلاصہ الفتاویٰ</u> میں شرائط مساقات صحیحہ کے بارے میں لکھا ہے:

"و فی الاصل اذا دفع الکرم معاملة بالنصف و لم یسم له سنین جاز استحسانا و یقع علے سنة واحدة و قد ذکرنا ولو دفع الی اخر نخیلا او شجرا او کرما معاملة اشهرا معلومة یعلم یقینا ان النخل والشجر والکرم لا یخرج الثمن فی مثل تلک المدة فالمعاملة فاسدة و ان کانت مدة قد یخرج الثمر و قد لا یخرج فالمعاملة موقوفة ان اخرجت الثمرة فی المدة المضروبة صحت المعاملة و ان لم یخرج فسدت و هذا اذا اخرجت شیئا فی المدة المضروبة ما یرغب فی مثله فی المعاملة فان اخرجت شیئا لا یرغب فی مثله فی المعاملة لا یجوز المعاملة و ان لم یخرج النخیل شیئا فی تلک المدة ینظر ان اخرجت بعد مضی تلک المدة و تلک السنة فالمعاملة لا یجوز المعاملة فاسدة و ان لم یخرج فی تلک السنة لعلة حدثت بها فالمعاملة جایزة و اذا دفع الی رجل نخلا فیه طلع معاملة بالنصف جاز و ان لم یسمیا وقتا والاصل ان المعاملة متی عقدت علے ما هو فی حد النمو والزیادة صحت و اذا عقدت الی تناهی عظمه و صار بحال لا یزید فی نفسه بسبب عمل المعامل لا تصح المعاملة و انما یعرف خروج الاشجار عن الزیادة اذا بلغت او اکملت الثمرات و علے هذا اذا زرع الرجل ارضه و نبت الزرع الا انه لم یتناه فدفع الی غیره مزارعة فی یربیه العامل و یسقیه جاز و ان تناهی فدفع الارض مع الزرع المتناهی مزارعة بالنصب لیحفظه و یحصده لا یجوز العامل اذا ترک الکرم بعد ما قام علیها ایاها فلما ادرک الثمر جاء یطلب الحصة ان ترک فی وقت خروج الثمر و فی وقت صار للعنب قیمة لو قطع

بترکه لا یبطل الشرکة و ان یکن له قیمة لو قطع صح الترک ولا یطیب له العامل اذا غرس اشجارا فی مده المعامله ان غرسها للدهقان متبرعا نهی للدهقان و ان امره الدهقان بشرائها و غرسها فی کرمه نهی للدهقان و علی المال الذی اشتری به الاشجار و ان غرسها لشبه باذن الدهقان فهی للاکار و الدهقان یا مره بالقلع و تسویة الارض و فی فتاوٰی القاضی الامامؒ رجل دفع الی رجل ارضا مدة معلومة علی ان یغرس المدفوع الیه فیها اغراسا علی ان یحصد من الاغراس والثمار یکون بینهما جاز المزارع اذا لم یعمل فی الارض شیئا بعد ما زرع من التشلیب والسقی وغیره ان کان البذر من جهة یستحق الحصه و ان کان من رب الارض ینبغی ان لا یستحق شیئا و فی المعاملة اذا دفع کرمه معاملة فلم یعمل الرجل فی الکرم عملا فانه لا یستحق شیئا و کذا ان عمل الا انه لم یحفظ الاشجار و الثمار حتی ضاعت الثمار لا یستحق شیئا اذا دفع الی رجل نخیلا معاملة بالنصف ولم یقل له اعمل فیه برایک فدفع العامل الی اخر معاملة یعمل فیه فا خرج فهو لصاحب النخل وللعامل اجر المثل علی الاول ولو هلک الثمر فی ید العامل الی اخیر من غیر عمل وهو علی رؤس النخیل لا یضمن و ان هلک الثمر من عمل العامل الاخیر فی امر خالف فیه امر لا لاول فالضمان لصاحب النخیل علی الاخیر ولا یضمن العامل الاول۔"(۶)

مولانا محب اللہ ندوی لکھتے ہیں:

"مساقاۃ کے ارکان و شرائط بھی وہی ہیں جو مزارعت کے ہیں۔ مثلاً:

(۱) معاملہ کرنے والے عاقل ہوں۔

(۲) مدت مقرر ہو۔

(۳) دونوں کا حصہ مقرر ہو۔

(۴) درخت کو حوالہ کر دیا جائے۔"(۷)

(ii) **شرائط مساقات مفسدہ۔**

شرائط مساقات مفسدہ میں سے بعض عقد کی شرائط صحیحہ میں داخل ہیں کیونکہ جن کا وجود صحت کے لیے شرط ہو اس کا انعدام فساد کے لیے شرط ہو گا۔

(۱) پوری پیداوار کا دونوں میں سے ایک کے لیے شرط کرنا۔

(۲) ان میں سے ایک کے لیے مقررہ وزن یا پیمانہ کی شرط کرنا۔

(۳) رب الارض پر عمل کی شرط کرنا۔

(۴) تقسیم کے بعد عامل پر اٹھا کر لے جانے اور حفاظت کرنے کی شرط عائد کرنا جس کی وجہ کتاب المزارعہ میں ذکر کی ہے۔

(۵) عامل پر پھول توڑنے اور چننے کی شرط کرنا اس کے مفسد ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کیونکہ یہ معاملہ (مساقات) کا جزو نہیں ہے۔ نیز اس پر تعامل بھی نہیں ہے لہٰذا یہ مِلک کی مشقت کے باب سے ہوا اور ملک چونکہ مشترک ہے لہٰذا اس کی مشقت بھی دونوں پر اپنی اپنی ملکیت کے بقدر ہو گی۔

(۶) ایسے عمل کی شرط کرنا جس کی منفعت مساقات کی مدت گزرنے کے بعد بھی باقی رہے مثلاً کھاد ڈالنا، ٹٹیاں بنانا، درخت لگانا اور زمین کو گوڈی کرنا، کیونکہ نہ تو عقد اس کا تقاضا کرتا ہے اور نہ ہی یہ معقود علیہ کی ضرورتوں اور مقاصد میں سے ہے۔

(۷) عامل جس میں عمل کرتا ہے اس میں اس کی شرکت کا ہونا مفسد ہے۔ اس کے مفسد ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عامل رب الارض کا اجیر ہے۔ اور آدمی کو ایسی شئی میں عمل کے لیے اجرت پر رکھنا جس میں اجیر مستاجر (آجر) کا شریک ہو، جائز نہیں۔ یہاں تک کہ اگر کھجور کا باغ دو آدمیوں کا ہو پھر ان میں سے ایک وہ باغ اپنے ساتھی کو مقررہ مدت کے لیے مساقات پر دے اس شرط پر کہ پیداوار دونوں کے درمیان تہائیوں میں تقسیم ہو گی۔ دو تہائی شریک عامل کے لیے اور ایک تہائی شریک ساکت کے لیے تو مساقات فاسد ہو گی اور پیداوار دونوں کے درمیان ان کی ملکیت کے تناسب سے تقسیم ہو گی اور عامل کے لیے اس کے ذمے کچھ اجرت نہ ہو گی کیونکہ یہ بات گزر چکی ہے کہ مساقات میں اجارہ کا معنی پایا جاتا ہے۔ اور ایسے عمل میں استیجار (اجرت پر رکھنا) جائز نہیں ہے۔ کہ جس میں اجیر مستاجر کا شریک ہو اور اگر وہ عمل کر لے تو عامل کو اپنے شریک پر کسی اجرت کا استحقاق نہیں ہوتا جس کی وجہ اجارات میں معلوم ہو چکی ہے۔ اور یہ مزارعت کے مشابہ نہیں ہو گا کیونکہ زمین جب دو کے درمیان مشترک ہو اور ان میں سے ایک اپنے ساتھی کو زمین مزارعت پر دے اس شرط پر کہ وہ اس میں اپنے بیج سے کاشت کرے گا اور اس کو دو تہائی پیداوار ملے گی تو جائز ہے۔ کیونکہ یہاں پر کسی ایسی شئی میں عمل کے لیے استیجار ثابت نہیں ہوا کہ جس میں اجیر مستاجر کا شریک ہو اس لیے کہ بیج میں شریک ثابت نہیں جبکہ یہاں باغ (درختوں) میں شرکت کی بنا پر ایسا استیجار ثابت ہے۔ پس یہی فرق ہے اور ان میں سے کسی کو بھی پیداوار صدقہ کرنا واجب نہ ہو گی کیونکہ وہ اس کو ملک کی نماء ہونے کی بناء پر خالص اس کا مال ہے۔

○۔۔ اگر دونوں نے یہ شرط کی کہ پیداوار دونوں کے لیے ان کی ملکیت کے تناسب سے ہو گی تو مساقات جائز ہو گی کیونکہ دونوں شریکوں میں سے ہر ایک کا استحقاق اس کی ملکیت کے نماء ہونے کی وجہ سے ہو گا۔ عمل کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ ان

میں سے عامل اپنے ساتھ کے لیے عمل میں بلا عوض معین و مددگار ہے لہٰذا اسپمار ثابت نہیں ہوا۔

○--- اگر شریک ساکت شریک عامل کو دے کہ وہ' وہ شئی خرید لے جس سے نہ کھجور کا شگوفہ کھجور میں ڈالا جا سکے اور شریک عامل خرید لے تو وہ اس کے نصف ثمن کے لیے شریک ساکت پر رجوع کرے گا کیونکہ اس نے شریک ساکت کے حکم سے شرکت میں مال منقوم خریدا ہے لہٰذا اس پر رجوع کر سکے گا۔

○--- عقد معاملہ (مساقات) میں عامل ایک ہو یا زیادہ ہوں برابر ہے حتیٰ کہ اگر ایک شخص نے اپنا باغ دو آدمیوں کو نصف یا تہائی پر مساقات میں دیا تو جائز ہے اور دونوں کے لیے استحقاق میں برابری کی ہو یا ان میں سے ایک کے لیے زائد حصہ مقرر کیا ہو برابر ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک رب الارض کا اجیر ہے لہٰذا ان میں سے ہر ایک کا استحقاق شرط کی وجہ سے ہو گا لہٰذا اس کی مقدار کا اندازہ بقدر شرط ہو گا۔

○--- اگر دو میں سے ایک عامل کے لیے رب الارض کے ذمے سو درہم مقرر کیے اور دوسرے کے لیے تہائی پیدوار اور رب الارض کے لیے دو تہائی پیدوار مقرر کی تو جائز ہے کیونکہ ان میں ہر ایک کے لیے شرط کی ہوئی اجرت واجب ہوتی ہے۔ لہٰذا شرط کے تقاضے کے مطابق واجب ہو گی۔

○--- اور اگر شرط باغ والے کے لیے ایک تہائی کی اور عامل کے لیے دو تہائی پیداوار کی اور دوسرے عامل کے لیے سو درہم کی اجرت کی اس عامل کے ذمے جس کے لیے دو تہائی پیداوار کی تو یہ عقد فاسد ہو گا اور یہ مزارعت کی اس صورت کے مشابہ نہ ہو گا کہ جس میں ایک شخص نے مزارعت پر زمین دی اسی طرح شرط کے ساتھ کہ رب الارض کو تہائی پیداوار ملے گی اور مزارع کو دو تہائی پیداوار ملے گی۔ اس شرط کے ساتھ کہ اس کے ساتھ فلاں شخص تہائی پیداوار کے عوض میں عمل کرے گا تو رب الارض اور مزارع کے درمیان مزارعت جائز ہو گی البتہ تیسرے کے حق میں فاسد ہو گی کیونکہ معاملہ (مساقات) میں عامل کو اجرت پر رکھنا ہوتا ہے اور عمل کے مقابلے میں اجرت مستاجر پر واجب ہوتی ہے نہ کہ اجیر پر نیز عمل (بھی) مستاجر کے لیے ہوا لہٰذا اجرت بھی مستاجر کے ذمے ہو گی پھر جب اجرت کی شرط اجیر پر کی تو مستاجر نے اس کو اجرت پر رکھا تاکہ مستاجر کے لیے عمل کرے اس شرط کے ساتھ کہ اجرت مستاجر کے غیر کے ذمے ہو گی---- اس صورت کے جواز کا کوئی رستہ نہیں ہے لہٰذا عقد فاسد ہو گا۔ اور یہی مزارعت کے باب میں تیسرے کے حق میں فساد کا موجب ہے یہ بات نہیں ہے کہ رب الارض اور مزارع کے درمیان عقد صحیح ہوا کیونکہ اس کو بمنزلہ دو عقدوں کے کیا گیا پس ان میں سے ایک کا فساد دوسرے کے فساد کا موجب نہیں ہوا۔ یہ امر اس تکلف کے باوجود واضح نہیں۔

فتاویٰ ابراہیم شاہی میں مذکور ہے:

"ولو شرط بعض العمل علی صاحب الکرم فسدتہ" (۱)

فتاویٰ عالمگیری میں مذکور ہے:

"و اما الشرائط المفسدة فانواع منها کون الخارج کله لا حدهما و منها ان یکون لا حدهما قفزان مسماة منها شرط العمل علی صاحب الارض و منها شرط الحمل و الحفظ بعد القسمة و منها شرط

الجناذ والقطاف على العامل بلا خلاف و منها شرط عمل تبقى منفعة بعد انقضاء المعاملة نحو النسرقن...... او جعل لا حلهما فضلا۔"

اور شرائط مفسدہ کے چند انواع ہیں۔

ازاں جملہ کے تمام حاصلات دونوں میں سے ایک کے واسطے مشروط ہو پس یہ شرط مفسد عقد ہے۔ ازاں جملہ یہ کہ دونوں میں سے ایک کے واسطے کسی قدر قفیز معلومہ مشروط ہوں۔ ازاں جملہ یہ کہ مالک زمین کے ذمہ کام مشروط ہو۔ ازاں جملہ یہ کہ حاصلات تقسیم ہونے کے بعد اس کا اٹھالانا اور حفاظت کرنا شرط کیا گیا ہو۔ ازاں جملہ یہ کہ اگر خرما کے پھل توڑنا یا انگور کے پھل توڑنا عامل کے ذمہ شرط کیے تو بلا خوف یہ شرط مفسدہ ہے۔ ازاں جملہ کاشتکار کے ذمے ایسے کام کی شرط کہ جس کی منفعت مدت معاملہ گزرنے کے بعد باقی رہے جیسے کھاد ڈالنا' انگوروں کی ٹٹیاں کھڑی کرنا یا درخت جمانا و زمین گوڑنا اور جو اس کے مانند کام ہوں کیونکہ یہ امور بر مقتضائے عقد نہیں ہیں اور یہ ایسے ہیں کہ ضرورت معقود علیہ اور اس کے مقاصد میں سے ہوں۔ ازاں جملہ یہ ہے کہ جس میں عامل کا کام بعقد معاملہ قرار دیا گیا ہے اس میں معاملہ پر دینے والا شرکت رکھتا ہو تو معاملہ فاسد ہے چنانچہ اگر ایک باغ خرما دو شخصوں میں مشترک ہو پھر ایک شریک نے دوسرے شریک کو مدت معلومہ کے واسطے معاملہ پر دے دیا بدین شرط کہ جو حاصلات ہو وہ دونوں میں تہائی ہو اس طرح کہ دو تہائی اس شریک کی جس نے کام کیا ہے اور ایک تہائی اس شریک کی جس نے کام نہیں کیا ہے۔ تو ایسا معاملہ فاسد ہے۔ اور تمام حاصلات دونوں میں بحساب ہر ایک کی ملک کے تقسیم ہو گی مگر جس شریک نے کام کیا ہے اس کے واسطے دوسرے شریک پر کام کا اجر المثل واجب ہو گا اور اگر دونوں یوں شرط کرتے کہ تمام حاصلات دونوں میں بحساب ہر ایک کی ملک کے تقسیم ہو گی تو معاملہ جائز ہوتا اور اگر شریک ساکت نے شریک عامل کو حکم دیا کہ جس سے درخت خرما کی نرمادی لگائی جاتی ہے وہ خرید کرے اور اس نے خرید کی تو جس قدر دام اس نے دیے ہیں اس کے آدھے دام اس سے واپس لے گا اور معاملہ جائز ہے خواہ عامل ایک شخص ہو یا زیادہ ہوں چنانچہ اگر ایک شخص نے اپنا باغ خرما دو شخصوں کو بٹائی پر دیا تو جائز ہے۔ خواہ اس نے دونوں عاملوں کا حصہ برابر رکھا ہو یا کم زیادہ رکھا ہو۔" (۹)

بہار شریعت میں شرائط مساقات مفسدہ کے بارے میں لکھا ہے:

"بعض شرائط ایسی ہیں جن کی وجہ سے معاملہ فاسد ہو جائے گا مثلاً یہ کہ

(۱) کل پیداوار ایک کو ملے گی'

(۲) یا پیداوار میں سے اتنا مالک یا عامل لے گا اس کے بعد نصف نصف تقسیم ہو گی'

(۳) عامل کے ذمہ پھل توڑنا وغیرہ'

(۴) جو کام پھل تیار ہونے کے بعد ہوتے ہیں شرط کر دینا یا یہ کہ تقسیم کے بعد عامل ان کی حفاظت کرے یا مالک کے مکان میں پہنچائے'

(۵) ایسے کسی کام کی شرط کر دینا جس کی منفعت مدت معاملہ پوری ہونے کے بعد باقی رہے مثلاً پیڑوں میں کھاد ڈالنا انگوروں کے لیے چھپر بنانا باغ کی زمین کھودنا یا اس میں نئے پودے لگانا وغیرہ'

(۶) معاملہ انہی پیڑں کا ہو سکتا ہے جو ایک سال یا زیادہ تک باقی رہ سکیں اور جو ایسے نہیں ہیں ان کا معاملہ جائز نہیں لیکن مرچ کے درختوں میں معاملہ ہو سکتا ہے کہ یہ مدتوں باقی رہتے ہیں اور پھلتے رہتے ہیں۔ (رد المحتار)'

(۷) ایسے درخت جن کے پھل نہ ہوں اور ان کی شاخوں اور پتوں سے نفع اٹھایا جاتا ہو جیسے سینٹھے' نرکل' بید وغیرہ اگر ایسے درختوں میں پانی دینے اور حفاظت کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تو معاملہ ہو سکتا ہے ورنہ نہیں (رد المحتار)'

(۸) دو شخص باغ میں شریک ہیں ایک نے دوسرے کو بطور معاملہ دے دیا ہے یہ معاملہ فاسد ہے جبکہ عامل کو نصف سے زیادہ دینا قرار پایا اور اس صورت میں دونوں نصف نصف تقسیم کریں۔ اور اگر یہ شرط ٹھہری ہے کہ دونوں نصف نصف لیں گے تو معاملہ جائز ہے (در مختار رد المحتار)۔"(۱۰)

حواشی

(۱) احمد بن حمید الملقب بنظام گیلانی' فتاویٰ ابراہیم شاہی' (باب مساقات)۔ ص ۱۷۶؟

(۲) فتاویٰ عالمگیری' کتاب المعاملہ' جلد ۴' ص ۱۴۳۔

(۳) سید امیر علی' عین الہدایہ' کتاب المعاملہ' ص ۲۲۔ ۲۵۔

(۴) مولانا محمد عبدالغفار لکھنوی' نور الہدایہ ترجمہ اردوی شرح وقایہ (کتاب المساقات)۔ جلد ا۔ ص ۴۳۔

(۵) مولانا امجد علی' بہار شریعت' کتاب المساقات ص ۸۸۔ ۹۰۔

(۶) عبدالرشید بخاری' خلاصہ الفتاویٰ' الجلد الرابع کتاب المعاملہ ص ۱۹۸۔ ۱۹۹۔

(۷) مجیب اللہ ندوی' اسلامی فقہ' باب مساقات ص ۵۷۵۔

(۸) احمد بن حمید الملقب بنظام گیلانی شاہ' فتاویٰ ابراہیم شاہی' باب مساقات ص ۱۷۷۔

(۹) فتاویٰ عالمگیری' کتاب المعاملہ' ص ۱۴۴۔

(۱۰) مولانا امجد علی' بہار شریعت' کتاب المساقات' ص ۸۸۔ ۹۲۔

فصل VI احکام مساقات

i-احکام مساقات صحیحہ

احکام مساقات صحیحہ درج ذیل ہیں:

۱۔ مساقات کا ہر وہ عمل جس کی ضرورت درخت بیل اسفست اور بینگن کی جڑوں کو ہو مثلاً" آبپاشی نالیوں کی درستگی۔ حفاظت اور نرشگوفہ مادہ کھجور میں ڈالنا تو وہ عامل کے ذمے ہوگا۔ کیونکہ وہ معقود علیہ کے توابع میں سے ہے لہٰذا عقد اس کو شامل ہوگا۔

اور اگر ایسا عمل ہو جو درخت بیل اور زمین پر خرچ سے متعلق ہو مثلاً" کھاد ڈالنا اور جس زمین میں انگور کی بیلیں اور درخت اور اسفست ہوں اس کی گوڈی کرنا اور ٹٹیاں (چھپر) بنانا وغیرہ تو وہ دونوں کے ذمے ان کے حقوق کے بقدر ہوگا۔ کیونکہ وہ عقد میں شامل نہیں ہے نہ تو مقصود کے اعتبار سے اور نہ ہی ضرورت کے اعتبار سے یہی حکم پھل توڑنے اور چننے کا ہے کیونکہ یہ عمل مساقات کے بعد ہوتا ہے لہٰذا یہ عقد مساقات کے حکم میں شامل نہ ہوں گے۔

۲۔ پیداوار دونوں کے درمیان شرط کے مطابق تقسیم ہو وجہ مزارعت میں بیان ہو چکی ہے۔

۳۔ جب درخت پر کچھ پھل نہ لگا ہو تو دونوں میں سے کسی کو کچھ نہیں ملے گا برخلاف مزارعت کے یہ اس فرق کی بنا پر ہے جو کتاب المزارعت میں بیان ہو چکا ہے۔

۴۔ یہ عقد دونوں جانبوں سے لازم ہوتا ہے یہاں تک کہ ان میں سے کسی کو بھی بغیر عذر کے اپنے ساتھی کی مرضی کے بغیر پیچھے پلٹنے یا فسخ کرنے کا اختیار نہیں ہوتا۔ اس کے برخلاف مزارعت بیج والے کے حق میں غیر لازم ہوتی ہے۔ فرق پہلے بیان ہو چکا ہے۔

۵۔ عامل کو عمل کرنے پر مجبور کرنے کا اختیار ہے مگر جبکہ کوئی عذر ہو جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ مریض، موت، مدت گذر گئی، چور وغیرہ۔

۶۔ شرط سے زائد یا اس سے کم کچھ کرنے کا جواز و عدم جواز۔ اس بارے میں وہی قاعدہ ہے جو کتاب المزارعہ میں گزر چکا ہے۔ کہ ہر وہ موقع جس میں انشائے عقد کا احتمال ہو اس میں زائد کرنے کا احتمال ہوتا ہے۔ ورنہ نہیں اور کمی کرنا دونوں موقعوں میں جائز ہے اس کی اصل ثمن و مثمن (ثمن والی شئی) میں زیادت ہے پس جب نصف کے عوض پر مساقات میں باغ دیا اور پھل لگا تو اگر وہ اپنی پوری جسامت کو نہ پہنچا ہو تو دونوں میں سے ہر ایک کی جانب سے زیادتی جائز ہے کیونکہ جب اس حالت میں انشائے عقد جائز ہے تو زیادتی بھی جائز ہوگی۔ اور اگر گدر کھجوروں کی جسامت اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہو تو عامل کی جانب سے رب الارض کے لئے کچھ زیادتی جائز ہے۔ لیکن رب الارض کی جانب سے عامل کے لئے کچھ زیادتی جائز نہیں کیونکہ یہ اجرت میں زیادتی ہوگی اس لئے کہ عامل اجیر ہے۔ اور محل زیادتی کا متحمل نہیں ہے کیا دیکھتے نہیں کہ وہ انشائے (عقد) کا متحمل نہیں ہے اور پہلی صورت میں اجرت میں کمی کرنا ہے اور کمی کرنے کے صحیح ہونے کے لیے

انشاء کا احتمال شرط نہیں ہے۔

۷۔ عامل کو یہ اختیار نہیں کہ وہ کسی دوسرے کو مساقات پر دے الایہ کہ رب الارض نے اس سے کہا ہو کہ اپنی رائے سے اس میں عمل کر کیونکہ دوسرے کو دینے میں غیر کے مال میں اس اجازت کے بغیر شرکت کا اثبات ہوتا ہے لہٰذا صحیح نہیں۔ اور جب رب الارض نے اس سے کہا ہو کہ تو اپنی رائے سے اس میں عمل کر تو اس نے اجازت دے دی لہٰذا صحیح ہوگا۔

○۔ اگر رب الارض نے یہ نہ کہا ہو کہ اپنی رائے سے اس میں عمل کر اور عامل نے کسی اور شخص کو مساقات میں دیا اور اس شخص نے اس میں عمل کیا اور پھل حاصل ہوا تو پھل باغ والے کا ہوگا اور عامل اول کو کچھ اجرت نہ ملے گی کیونکہ اس کا استحقاق شرط کی وجہ سے تھا۔ اور وہ عمل کی شرط ہے اور اس کی جانب سے عمل پایا نہیں گیا نہ تو خود اس سے اور نہ دوسرے کے ساتھ کیونکہ دوسرے کے ساتھ اس کا عقد صحیح نہیں ہوا تھا پس دوسرے کے عمل کی اس کی طرف نسبت نہیں ہوگی۔ اور دوسرے کے لئے عامل اول کے ذمے اس کے عمل کے دن کی اجرت مثل ہوگی۔ کیونکہ اس (دوسرے) نے عامل اول کے لئے اس کے حکم سے عمل کیا۔ لہٰذا اجرت کا مستحق ہوگا۔

○۔ اور اگر دوسرے عامل کے پاس اس کی جانب سے کسی زیادتی کے بغیر پھل درختوں پر ہی ہلاک ہوجائیں تو دونوں سے کسی پر ضمان نہیں آئے گا کیونکہ دونوں میں سے کسی کی جانب سے غصب جو کہ مالک کے قبضے کی تفویت (فوت کرنا) ہے نہیں پایا گیا اور اگر اس کی جانب سے کوئی زیادتی پائی گئی ہو کہ جس میں اس نے عامل اول کے حکم کی مخالفت کی ہو تو باغ والے کے لئے ضمان دوسرے عامل کے ذمے ہوگا عامل اول کے ذمے نہیں کیونکہ مخالفت نے اس کے عمل کی عامل اول کی طرف نسبت کو ختم کردیا لہٰذا دوسرا عامل مالک کے مال کو تلف کرنے والا بنا پس ضمان اس کے ذمے ہوگا۔

○۔ اگر پھل کسی ایسی زیادتی کی وجہ سے ہلاک ہوا جس میں عامل ثانی نے عامل اول کے حکم کی مخالفت نہیں کی تو باغ والے کو اختیار ہوگا کہ وہ ان میں جس سے چاہے ضمان وصول کرے کیونکہ جب عامل ثانی کی جانب سے مخالفت نہیں پائی گئی تو اس کے عمل کی عامل اول کی طرف نسبت باقی رہی گویا کہ عامل اول نے خود اپنے لئے عمل کیا لہٰذا باغ والا اس سے ضمان وصول کرسکتا ہے۔ اور وہ عامل ثانی سے بھی ضمان لے سکتا ہے۔ کیونکہ وہ معنی کے اعتبار سے غاصب کا غاصب ہے۔ پھر جب وہ عامل اول سے ضمان لینے کو اختیار کرے تو عامل اول عامل ثانی پر رجوع نہیں کرسکتا کیونکہ ثانی نے اول کے حکم سے عمل کیا تھا۔ پس اگر وہ ثانی پر رجوع کرے گا تو ثانی بھی اس پر رجوع کرے گا جس میں کوئی فائدہ نہیں ہے اور اگر وہ عامل ثانی سے ضمان لینے کو اختیار کرے تو ثانی اول کو رجوع کرسکے گا کیونکہ اول نے اس عقد میں دھوکہ دیا ہے لہٰذا وہ اول پر ضمان غرر (دھوکے کی وجہ والے) کے لیے رجوع کرسکے گا۔ اور وہ سلامتی کا ضمان ہے یہ تفصیل اس صورت میں تھی جب باغ والے نے ایسا ہی معاہدہ کیا کہ عمل کر۔ اور باغ تہائی پیداوار پر دے دیا تو یہ مذکورہ وجہ کی بنا پر جائز ہے۔ پھر عامل نے ایک اور شرط رکھی کہ پھل باغ والے کا ہوگا اور چھٹا حصہ عامل اول کے لیے کیونکہ تہائی حصہ کی شرط خاص عامل کے لیے ہے۔ نصف کی شرط لوٹتی ہے کیونکہ عمل اس پر واجب ہوا تھا۔ لہٰذا بدیہی طور پر اس کے لیے چھٹا حصہ باقی رہے گا۔ محمدؒ نے کتاب الاصل میں ذکر کیا کہ جب باغ والے نے یہ نہ کہا ہو کہ تو اس میں اپنی رائے سے عمل کر اور اس

کے لیے متعین حصہ مقرر کیا اور عامل اول نے عامل ثانی کے لیے بھی ایسی ہی شرط کی تو یہ دونوں عقد فاسد ہونگے اور عامل اول پر ضمان نہ آئے گا۔

درج ذیل امور مساقات کے فسخ میں عذر ہونگے۔ یہ امور وہی ہے جو مزارعت کو فسخ کرتے ہیں۔

۱۔ یعنی عامل کا چور ہونا اور چوری کرنے میں مشہور ہونا۔

۲۔ صریح فسخ

۳۔ اقالہ

۴۔ مدت مساقات کا ختم ہونا

۵۔ متعاقدین کی موت وغیرہ

فتاویٰ ابراہیم شاہی میں موضوع زیر بحث سے متعلق درج ذیل احکام آئے ہیں۔

۱۔ "اذا عامل نخیلا مناصفة ثم عامل العامل الثلث فالخارج بین صاحب النحل والعامل الاول نصفان والعامل الثانی علی العامل الاول اجر مثله علی خلاف ما ذکره فی المزارعة (اگر عامل اگے کسی اور کو عمل پر باغ دے تو)

۲۔ وفی السراجیه واذا ادراک البطیخ والباذنجان کان الالتقاط علیهما وکذا اذا ادراک القطن والفیلق وفیها ایضا اذا کان النخیل من اشتیف فدفع احدهما' الی صاحبه معامله علی ان الخارج بینما ثلاث فالخارج بینما علی قدر الملک والاجر العامل ۔

۳۔ لودفع ارضه الی اخرلیغرسها کرما بالنصف فغرس لصاجب الارض وللغارس قیمته ما احد شرط اجر مثل ما عمل وفی الفصول رجلان بینما نخل علیها ثمره وارض فیها زرع باع احدالشریکین نصیبه من النخلیه' والثمرة اومن الارض والزرع قال الناطقی" للذکر بهذا فی الاصل وینبع ان یجوزلان المشتری قام مقام البائع فی جمیع ذلک فلا یتضرر به الشریک وفیه ایضا اذا دفع الکرم معامله ثم باع صاحب الکرم کرمه بعد ما عمل خیرالعامل ان فسخ الثمن یکون موقوفا علی اجازة العامل وان لم نجع لا یکون موقوفا ولا یجوزبیعه ولا شئی للعامل عمله و بذا اذالم یکن فیه زرع فان کان موقوفا علی اجازت المزارعة نبت الزرع او لم نبت وفیه ایضا وفی مجموع النوازل سئل نجم اللین عمن اشتری کرما قدادراکت علة مع العلة و قبضه فیه اکابر فمنع المشتری الاکار حصته بل له ذلک قال ان رضی الاکار بالبیع واجازت صارت العلة کلها للمشتری برضاه بالبیع فی اکل وان لم یجره لم یجر بذا البیع لان حصة ضیه مانقد جواز البیع وتبطل بالموت وفی التهذیب ولومات المالک بطلت المزارعة و المعامله ولوکانت الارض مزروعة لم یکن للوارث ان یاخذالارض فی یستحصد وفی السراجیه ۔

وفی کنزالدقائق وتنفسخ بالعذر کا لمزارعة بان یکون العامل سارقا او مریضا بقدر علی العمل کذا فی مختصرالقدوری وکذا لوکان العمل معذر للنخل یعنی یفسد العقد وفی کنزالدقائق۔(۱)

فتاویٰ امینیہ" میں مذکور ہے:

۱۔ "واللہ اعلم رجل دفع ارضہ لنخذہ کرما وکل لک لصاحب الارض وللغارس قیمة واجرة ما عمل جواہر۔

۲۔ در آنچ زید زمین کذا خود رابعمرو داداست کہ از برایں خود درخت نشاندبی الکہ ذکر مدت کردہ باشد و عمرو درین زمین درخت نشاند بشریعت این درختان مر زید راباشد و عمرو را قیمت آنچہ نشاندہ است واجر مثل عمل باشد۔

(زید نے اپنی کچھ زمین عمرو کو دی اور کسی مدت کا تعین نہ کیا عمرو نے اس زمین میں درخت لگالئے تو از روئے شریعت یہ درخت زید کے ہیں اور عمرو اس قیمت کا حق دار ہے جو اس نے لگایا محنت جو کی ہے اس کا حق ہے درخت جو بڑھے ہوئے وہ مالک کے ہونگے)۔"(۲)

فتاویٰ عالمگیری" میں موضوع زیر بحث سے متعلق لکھا ہے۔

"واما حکم المعاملة الصحیحة فانواع منھا ان کل ماکان من عمل المعاملة مما یحتاج الیہ الشجر والکرم والرطاب واصول البادنجان من السقی واصلاح النھر والحفظ وتلقیح النخیل فعلی العامل وکل ما کان من باب النفقه علی الشجر والکرم والارض من السرقین وتقلیب الارض الی فیھا الکرم.... اذا قال لہ رب الارض اعمل برایک"

(پھر واضح ہو کہ معاملہ صحیحہ کے احکام چند انواع ہیں ازاں جملہ یہ کہ عقد معاملہ میں جن کاموں کی ضرورت درختوں و باغ انگور و رطبہ و اصول باذنجان وغیرہ کو اس قسم ہے جیسے سینچا ونہر درست کرنا و حفاظت کرنا' درختاں خرما کی نر مادی لگانا تو ایسے کام سب عامل کے ذمہ ہیں اور جو کام ایسے ہیں کہ ان میں درختوں و باغ انگور و زمین میں خرچہ پڑتا ہے جیسے زمین میں کھاد دینا اور ایسی زمین گوڑنا جس میں انگور وغیرہ کے درخت و رطبہ ہے۔ اور انگور کی ٹٹیاں کھڑی کرنا اور اس کے مثل کام جن میں خرچہ ہے وہ دونوں پر بقدر ہر ایک کے حق کے واجب ہوگا اور صرف پھل توڑنا اور انگور کے خوشہ چننا بھی اس میں داخل ہے۔

۲۔ازاں جملہ یہ ہے کہ جو حاصلات ہو وہ دونوں میں موافق شرط کے مشترک ہوگی'

۳۔ازاں جملہ یہ ہے کہ اگر درختوں میں کچھ نہ آوے تو دونوں میں سے کسی کو کچھ نہ ملے گا۔

۴۔ ازاں جملہ یہ ہے کہ عقد معاملہ طرفین سے لازم ہوتا ہے حتّٰی دونوں میں سے کسی کو انکار کا یا فسخ عقد کا بدون دوسرے کی رضامندی کے اختیار نہیں ہے لیکن اگر کوئی عذر پیش آوے جس کا شرع میں اعتبار ہے تو فسخ کرسکتا ہے۔

۵۔ ازاں جملہ یہ کہ عامل پر کام کے واسطے جبر کرسکتا ہے لیکن اگر عامل معذور ہو تو ایسا نہیں کرسکتا ہے۔

۶۔ ازاں جملہ یہ کہ جو حصہ شرط کیا گیا ہے اس پر بڑھانا یا اس سے گھٹانا جائز ہے مگر اصل یہ ہے کہ بڑھانے میں بڑھانا اسی صورت میں جائز ہوگا۔ جب ابتدائے عقد قرار دینا ہو سکے ورنہ نہیں ہاں گھٹانا دونوں صورتوں میں جائز ہے چنانچہ اگر ایک شخص نے اپنا باغ خرما آدھے کی بٹائی پر دیا اور پھل نکلے پس اگر اسکا بڑھنا پورا نہ ہوگیا ہو تو دونوں میں سے ہر ایک کی طرف سے دوسرے کے حق میں حصہ مشروط پر کچھ حصہ بڑھا دینا جائز ہے۔ اور اگر کیریوں کا بڑھنا پورا ہوگیا تو عامل کی طرف سے مالک باغ کے واسطے بڑھانا جائز ہے اور مالک کی طرف عامل کے واسطے کچھ بڑھانا نہیں جائز ہے۔

۷۔ ازاں جملہ یہ ہے کہ عامل کو یہ اختیار نہیں ہے کہ دوسرے عامل کو معاملہ پر دے دے لیکن اگر دوسرے نے عامل سے یہ کہدیا ہو کہ اپنی رائے پر عمل کر تو دے سکتا ہے۔" (۳)

عین الہدایہ میں درج ذیل احکام مساقات صحیحہ کے بیان ہوئے ہیں۔

۱۔ "ولیس لصاحب الکرم ان یخرج العامل من غیر عذر لانہ لا ضرر علیہ بالوفاء بالعقد"۔

(اور مالک باغ انگور (وغیرہ) کو یہ جائز نہیں کہ بغیر عذر شرعی کے عامل کو خارج کرے اس واسطے کے مساقات کا معاہدہ پورا کرنے میں اس پر کوئی ضرر نہیں ہے) ف بلکہ عامل کے کام سے جو کچھ حاصلات ہو وہ اپنا حصہ پاوے گا۔

"وکذا لیس للعامل ان یترک العمل بغیر عذر"

(اور اسی طرح مساقات میں عامل کو بھی یہ اختیار نہیں کہ بغیر عذر شرعی کے کام چھوڑ بیٹھے) ف جیسے جملہ اجارات میں ہوتا ہے کہ بغیر عذر دونوں میں سے کسی کو تنہا عقد فسخ کرنے کا اختیار نہیں ہوتا ہے۔

"بخلاف المزارعۃ بالاضافۃ الی صاحب البذر علی قاقد"

(برخلاف مزارعت کے بلحاظ بیجوں والے کے چنانچہ ہم سابق میں بیان کر چکے ہیں) ف کہ مزارعت میں جس کی طرف سے بیج ہیں اس کو بالفعل اپنے بیجوں کا ضرر برداشت کرنا اس امید پر ہوتا ہے کہ آئندہ نفع ہوگا پس اس کو اختیار ہے کہ بالفعل ضرر برداشت کرنے سے انکار کرے اور جس کی طرف سے بیج نہیں ہیں اس پر بغیر عذر کے چھوڑنا ممنوع ہے۔

"قال و تفسخ بالاعذار لما بینا فی الاجارات۔"

(عقد معاملہ بوجہ عذروں کے فسخ کیا جاتا ہے بدلیل مذکورہ اجارات) ف کہ عاقد کو عقد معاملہ پورا کرنا بدون ایسے زائد ضرر کے اٹھائے ممکن نہیں جو مقتضائے عقد سے اس پر لازم نہ تھا۔ لہٰذا عقد توڑ دیا جائے گا۔

و قد بینا وجوہ العذر فیہا۔"

(اور ہم نے عذر کی صورتیں کتاب الاجارات میں بیان کی ہیں)۔

"و من جملتہا ان یکون العامل سارقا یخاف علیہ سرقۃ السعف والثمر قبل الادراک"

(اور منجملہ عذروں کے جن سے معاملہ فسخ کیا جاوے یہ ہے کہ عامل چور ہو جسکی ذات سے یہ خوف ہو کہ وہ خرما کی ڈالیاں و پتے پورا دے گا اور پھلوں کو پکنے سے پہلے چرالے گا) ف پس ایسی صورت میں عقد معاملہ توڑنا جائز ہے جبکہ باقی رکھنا مضر ہے۔

"لانہ یلزم صاحب الارض ضرر لم یلتزمہ فیفسخ بہ"

(اس واسطے کہ مالک باغ کے ذمہ ایسا ضرر لازم آوے گا جسکا عقد میں اس نے التزام نہیں کیا تھا پس اس کی وجہ سے اجارہ فسخ کیا جائے گا)۔

"و منہا مرض العامل اذا کان بضعفہ عن العمل۔"

(اور ازاں جملہ عامل کی بیماری ہے جبکہ اس کو کام سے ضعیف و لاچار کرے) ف اگر کہا جاوے کہ وہ مزدور رکھے۔ جو اب یہ کہ ایسا نہیں ہو سکتا ہے۔

"لان فی التزامہ استیجاء الاجراء زیادہ ضرر علیہ ولم یلتزمہ فیجعل ذلک عذرا۔"

(اس واسطے کہ مزدوروں کا تقرر اس کے ذمہ لازم کرنے میں اس پر زیادہ ضرر لازم آیا جس کا اس نے عقد معاملہ میں التزام نہیں کیا تھا تو یہ اس کے حق میں فسخ کا عذر قرار دیا جائے گا)

"ولو اراد العامل ترک ذلک العمل۔"

(اور اگر عامل نے یہ کام ہی چھوڑنا چاہا) ف یعنی چاہا کہ یہ پیشہ چھوڑ دے۔

"ہل یکون عذرا۔"

(تو کیا یہ بھی عذر شمار کیا جائے گا یا نہیں)۔

فیہ روایتان۔

(جو اب یہ کہ اس میں دو روایتیں آتی ہیں) ف ایک روایت کہ عذر ہے اور دوسری روایت میں مطلقاً اس پر جبر کیا جاوے یہ عذر نہیں ہے عنایہ'

"و تاویل احدہما ان یشرط العمل بیدہ فیکون عذرا من جہتہ"

(اور اول روایت کی تاویل یہ ہے کہ اس نے اپنے ہاتھ سے کام کرنا شرط کیا تھا تو یہ اس کی طرف سے عذر ہو گا) ف جبکہ اس نے یہ پیشہ چھوڑ دیا ہے۔ حتی کہ اگر اپنے ہاتھ سے کام شرط نہ کیا ہو بلکہ چاہے خود کام کرے یا اپنے نوکروں سے کام لے تو یہ عذر نہیں ہے۔

"ومن دفع ارضا بیضاء الی رجل سنین معلومۃ بغرس فیہا شجرا علی ان تکون الارض والشجر بین رب الارض والغارس نصفین لم یجز ذلک لا شتراط الشرکۃ فیما کان حاصلا قبل الشرکۃ لا بعملہ"

(اگر ایک شخص نے عامل کو صاف زمین بدون درخت کے چند سال معلوم کے لئے دی کہ اس میں پودے لگا دے اس شرط پر کہ زمین و درخت درمیان مالک زمین و عامل کے نصف نصف ہوں تو یہ جائز نہیں ہے اس واسطے کہ عقد میں ایسی چیز کی شرکت شرط کی جو پیشتر سے بدون عامل کے کام کے حاصل تھی) ف اور وہ زمین ہے کیونکہ زمین تو بدون کار عامل کے رب الارض کے پاس موجود تھی۔ پھر جب یہ شرط معاملہ جائز نہ ہوئی اور معاملہ فاسد ہوا تو کیا حکم ہے پس فرمایا۔

"وجمیع الثمر والغرس لرب الارض۔"

(اور تمام پھل مع پودوں کے مالک زمین کے ہونگے)۔

"وللغارس قیمۃ غرسہ واجر مثلہ فیما عمل۔"

(اور عامل کے واسطے اس کے پودوں کی قیمت اور جو اس نے کام کیا اس کا اجر المثل ملے گا)۔

"لا نہ فی معنی قفیز الطحان اذہو استیجار ببعض ما یخرج من عملہ وہو نصف البستان فیفسد۔"

(اس واسطے کہ یہ عقد معاملہ بمعنی قفیز الطحان ہے اس واسطے کہ اس کو اجرت پر لیا بعوض ایک حصہ اس چیز کے جو اس کے عمل سے حاصل ہو اور وہ نصف بستان ہے پس معاملہ فاسد ہوگا) ف کیونکہ اس نے گویا اس عامل کو مزدور کیا کہ میری اس زمین کو باغ کردے بذریعہ اپنی اشیاء و آلات کے اس شرط پر کہ جو کچھ اس کے کام سے حاصل ہوا اس کا نصف بطور اجرت دوں گا ز یلعی۔ جیسے پیسنے والے کو کہا کہ یہ چار من گیہوں پیسے کہ جو آٹا حاصل ہو اس میں سے دس سیر آٹا دوں گا اور یہ فاسد ہے تو عقد معاملہ بھی فاسد ہے۔

"و تعذر والغراس لا تصالہا بالارض۔"

(اور پودوں کا واپس کرنا اس وجہ سے متعذر ہے کہ وہ زمین سے متصل ہوگئے ہیں)۔

"فیجب قیمتہا واجر مثلہ لا نہ لا یدخل فی قیمۃ الغراس لتقومہا بنفسہا۔"

(پس پودوں کی قیمت واپس کرنا واجب ہے اور اجر المثل دے اس واسطے کہ پودوں کی قیمت میں اجر المثل داخل نہیں ہوگا کیونکہ پودے بذات خود قیمتی چیزیں ہیں) ف اور پودوں کے ساتھ کام کو جنسیت نہیں ہے۔ کیونکہ کام خود قیمتی چیز نہیں بلکہ اجارہ کی ضرورت سے قیمتی ہوجاتا ہے۔ ع۔

وفی تخریجہا طریق آخر بیناہ فی کفایۃ المنتہی وہذا اصحہما واللہ تعالی اعلم۔

(اور اس مسئلہ کی تخریج کے واسطے دوسرا ایک طریقہ ہے جس کو ہم نے کفایہ لمنتہی میں بیان کیا ہے و لیکن دونوں میں سے یہ زیادہ صحیح ہے جو یہاں مذکور ہے)۔

اگر دونوں میں سے ایک مرجائے یا دونوں مرجائیں تو۔

"قال و یبطل المساقاۃ بالموت لا نہا فی معنی الاجارۃ وقد بینا فیہا۔"

(اور موت کی وجہ سے عقد مساقات باطل ہوجاتا ہے کیونکہ وہ اجارہ کے معنی میں ہے اور ہم نے اس کو اجارات میں بیان کیا ہے) ف کہ جب متعاقدین میں سے ایک مرگیا اور حال یہ ہے کہ اس نے عقد اجارہ اپنی ذات کے واسطے کیا تھا یعنی وہ اس عقد میں وکیل یا فضولی نہیں تھا اس کی موت سے عقد اجارہ مٹ جائے گا۔ اسی طرح اجارہ کے معنی میں جو عقود ہیں جیسے عقد معاملہ وہ بھی مٹ جائے گا۔ رہا یہ کہ جب عقد معاملہ باقی نہیں رہا تو بعد اس کے پیداوار کا کیا حال ہے پس اس کی چند صورتیں ہیں۔

اول یہ کہ مالک باغ نے انتقال کیا اور عامل باقی ہے۔ اور مالک کے وارثوں نے بٹوارہ چاہا پھر ایک یہ کہ عامل نے انکار کیا اور پھلوں کی پرداخت چاہی۔

دوم یہ کہ عامل نے بھی کام سے انکار کیا۔

سوم یہ کہ وارثوں نے یہ قصد نہیں کیا بلکہ عامل نے چاہا صورت دوم یہ کہ عامل مرا اور اس کے وارثوں و مالک باغ میں یہ

وجوہ پیدا ہوئے۔

"فان مات رب الارض والخارج بسر فللعامل ان یقوم علیه کما کان یقوم قبل ذلک الی ان یدرک الثمر وان کرہ ذلک ورثه رب الارض استحانا" فیبقی العقد و قعا للضرر عن العامل ولا ضرر فیه علی الآخر۔"

(اور اگر مالک زمین ایسی حالت میں مرگیا کہ پھل ہنوز خام کیریاں ہیں تو عامل کو اختیار ہے کہ جیسے پہلے پرداخت کرتا تھا اس طرح برابر پرداخت کرتا رہا یہاں تک کہ پھل پک جاویں اگرچہ رب الارض کے وارث اس پر راضی نہ ہوں۔ اور یہ حکم استحسان ہے پس عامل سے ضرر دور کرنے کے لئے عقد باقی رہے گا اور اس میں دوسرے پر کچھ ضرر نہیں ہے) ف یعنی رب الارض کے وارثوں پر کچھ ضرر نہیں ہے۔

"ولو التزم العامل الضرر۔"

(اور اگر اس صورت میں عامل نے ضرر برداشت کرنے کا التزام کیا) ف یعنی عامل نے کام سے انکار کیا۔

یتخیر ورثة رب الارض بین ان تقسیموا السبر علی الشر ط۔

(تو رب الارض کے وارثوں کو تین باتوں کا اختیار ہے۔ چاہیں کیریوں کو شرط کے موافق بٹوارہ کرلیں)

"وبین ان یعطوہ قمیة نصیبه من السبر۔"

(اور چاہیں عامل کو کیریوں میں سے اس کے حصہ کی قیمت دے دیں)۔

"وبین ان ینفقوا علی البسر حتی یبلغ فیرجعوا بذلک فی حصة العامل من الثمر۔"

(اور چاہیں کیریوں کی پرداخت اپنے خرچہ سے کرائیں یہاں تک کہ وہ پختہ ہوجاویں پس چھوہاروں میں سے حصہ عامل سے یہ خرچہ واپس لیں) ف اور جو کچھ بچے وہ عامل کا ہوگا پس رب الارض کے وارثوں کو یہ اختیارات حاصل ہیں۔

"لا نه لیس له الحاق الضرر بھم وقد بینا نظیرہ فی المزارعة"

(اس واسطے کے عامل کو یہ اختیار نہیں کہ وارثوں کو ضرر لاحق کرے اور مزارعت میں ہم اس کی نظیر بیان کرچکے ہیں) یہ سب اس صورت میں کہ مالک باغ نے انتقال کیا ہو۔

"ولومات العامل فلورثة ان یقوموا علیه وان کرہ رب الارض لان فیه النظر من الجانبین۔"

(اور اگر عامل نے انتقال کیا درحالیکہ پھل کیریاں ہیں تو اس کے وارثوں کو اختیار ہے کہ باغ کی پرداخت کریں اگرچہ مالک باغ راضی نہ ہو اس واسطے کہ ایسا کرنے میں جانبین کی بہتری ہے۔

"وان ارادوا ان یصرموہ بسرا کان صاحب الارض بین الخیارات الثلثة التی بینا یا۔"

(اور اگر عامل کے وارثوں نے چاہا کہ کچی کیریاں توڑ کر تقسیم کریں تو مالک باغ کو مذکورہ بالا ہر اختیارات ہیں) ف یعنی انکو مالک باغ کے ذمہ ایسا ضرر لاحق کرنے کی قدرت نہیں ہے تو مالک کو اختیار ہے چاہے وہ یہی کیریاں توڑ کر بٹوارہ کرلے اور چاہے ان لوگوں کو وارث کے حصہ کیریوں کو قیمت دے دے اور کل پھل مالک کے ہوجاوینگے اور چاہے اپنے پاس سے انکی پرداخت میں خرچ کرے اور جب پختہ ہو جاویں تو عامل کے حصہ سے اپنا خرچہ نکال لے یعنی تمام خرچہ جو عامل

کے کام کی جگہ تھا اس میں سے نکال لے پھر اگر کچھ باقی رہے تو وہ وارثان عامل کا ہوگا۔

"وان ماتا جمیعا فالخیار لورثۃ العامل لقیامہم مقامہ"

(اور اگر مالک باغ اور عامل دونوں مرگئے تو پرداخت میں وارثان عامل کو اختیار ہے) ف کہ چاہیں بدستور عامل کی طرح پرداخت کرتے رہیں کیونکہ ایسا کرنے میں دونوں کی بہتری ہے پس وارثان مالک باغ کا انکار کچھ مضر نہیں ہے۔ اگر کہا جاوے کہ تمہارے نزدیک خیار تو میراث نہیں ہوتا ہے پس عامل کا خیار کیونکہ اس کے وارثوں کو میراث ملا۔ جواب یہ کہ خیار میراث نہیں ملا ہے۔

وہذا خلافۃ فی حق مالی۔

(اور یہ تو مال حق میں قائم مقامی ہے) ف یعنی بجائے عامل مورث کے اس کے وارث قائم و خلیفہ ہوتے ہیں۔

"وہو ترک الثمار علی الاشجار الی وقت الادراک لا ان یکون وراثہ فی الخیار۔"

(اور وہ حق مالی یہ ہے کہ پختہ ہونے تک پھلوں کو درختوں پر چھوڑنا اور یہ یہ خیار کی وراثت نہیں ہے)

"فان ابی ورثہ العامل ان تقوموا علیہ کان الخیار وفی ذالک الی ورثۃ (رب الارض علی ماوصفنا۔"

(پھر اگر عامل کے وارثوں نے پرداخت کرنے سے انکار کیا تو اس بارے میں مالک باغ کے وارثوں کو بوصف مذکورہ بالا اختیار ہوگا) ف کہ چاہیں کیریاں توڑ کر بٹوارہ کریں اور چاہنے کیریوں میں سے حصہ عامل کی قیمت اس کے وارثوں کو دے دیں اور چاہے اپنے پاس سے خرچ کریں یہاں تک کہ پھل تیار ہوں تو خرچہ عامل کے حصہ سے واپس لیں۔" (۴)

بہار شریعت میں موضوع زیر بحث سے متعلق آیا ہے:

"معاملہ صحیحہ کے احکام حسب ذیل ہیں درختوں کے لیے جن کاموں کی ضرورت ہے مثلاً نالیاں ٹھیک کرنا درختوں کو پانی دینا ان کی حفاظت کرنا یہ سب کام عامل کے ذمہ ہیں۔ اور جن چیزوں میں خرچ کی ضرورت ہوتی ہے مثلاً زمین کو کھودنا اس میں کھاد ڈالنا انگوروں کی بیل کے لیے چھپر بنوانا۔ یہ بقدر حصص دونوں کے ذمہ ہیں۔ اسی طرح پھل توڑنا جو کچھ پھل پیدا ہوں وہ حسب قرار داد دونوں تقسیم کرلیں کچھ پیدا نہ ہو تو کسی کو کچھ نہیں ملے گا یہ عقد دونوں جانب سے لازم ہوتا ہے۔ بعد عقد دونوں میں سے کسی کو بغیر عذر منع کا اختیار نہیں اور نہ بغیر دوسرے کی رضامندی کے فسخ کرسکتا ہے۔ عامل کو کام کرنے پر مجبور کیا جائے گا مگر جبکہ عذر ہو جو کچھ طرفین کے لیے مقرر ہوا ہے اس میں کمی بیشی بھی ہوسکتی ہے۔ عامل کو یہ اختیار نہیں کہ دوسرے کو معاملہ کے طور پر دے دے مگر جبکہ مالک نے یہ کہہ دیا ہو کہ تم اپنی رائے سے کام کرو (عالمگیری)

کسی کو خالی زمین دی کہ اس میں درخت لگائے پھل اور درخت دونوں نصف نصف تقسیم ہو جائیں گے یہ جائز اور اگر یہ ٹھہرا کہ زمین و درخت دونوں چیزیں دونوں کے مابین تقسیم ہوں گی تو یہ معاملہ جائز ہے اور اس صورت میں پھل اور درخت مالک زمین کے ہوں گے اور دوسروں کو پودوں کی قیمت ملے گی اور اجرت مثل اور قیمت سے مراد اس روز کی قیمت ہے جس دن لگائے گئے (در مختار)

عامل اگر چور ہے اس کا چور ہونا لوگوں کو معلوم ہے اندیشہ ہے کہ پھلوں کو چرائے گا تو معاملہ کو فسخ کیا جا سکتا ہے۔
ایسے ہی عامل اگر بیمار ہو گیا کہ پوری طرح کام نہ کر سکے گا معاملہ فسخ کیا جا سکتا ہے دونوں میں سے ایک مرجانے سے معاملہ خود ہی فسخ ہو جاتا ہے جبکہ ان دونوں صورتوں میں پھل تیار نہ ہوتے ہوں (عالمگیری) مرنے کی صورت میں اگرچہ معاملہ فسخ ہو جاتا ہے مگر دفع ضرر کے لیے عقد کو پھل تیار ہونے تک باقی رکھا جائے گا لہٰذا عامل کے مرنے کے بعد اس کے ورثہ اگر یہ چاہیں کہ پھل تیار ہونے تک ہم کام کریں گے تو ان کو ایسا موقع دیا جائے گا۔ اگر مالک زمین انکو دینے سے انکار کرتا ہو۔"(۵)

امداد الفتاویٰ میں مذکور ہے:

"عدم استحقاق زمیندار درختان کاشتکار

سوال ۵۴۱ :

جو درخت کہ کاشتکار لگاتے ہیں ان کے لاپتہ ہو جانے یا مرجانے پر زمیندار کو کوئی حق مثل قبضہ و فروخت ثمر حاصل ہے یا نہیں؟ اور جائز ہے بھی یا نہیں۔

الجواب :

چونکہ درخت کا مالک وہ شخص ہے جو اس کو لگاوے لہٰذا ایسے درخت زمیندار کی ملک نہ ہوں گے البتہ زمیندار کو یہ اختیار ہر وقت حاصل ہے کہ کاشتکار کو مجبور کرے کہ ہماری زمین خالی کرو اگر وہ نہ مانے یہ اکھاڑ کر پھینک سکتا ہے اگر لگانے والا مرجاوے اس کے وارث مالک ہوں گے اور اگر کوئی وارث بھی نہ ہو یا خود وہ بے نشان ہو جاوے تو پہلی صورت میں وہ مساکین کا حق ہے۔ اس کو یا ثمر کو جب فروخت کریں گے دام مساکین کو دینے ہوں گے۔ اور اگر زمیندار خود کھاوے گا تو بھی اس کے دام لگا کر خیرات کرنا ضروری ہو گا اور دوسری صورت میں یعنی جب بے نشان ہو جاوے اس کو نوے سال کی عمر تک انتظار کر کے اب کہیں گے کہ وہ مر گیا۔ اگر اس کے وارث ہوں تو ان کا حق ہے ورنہ پھر مساکین کا۔"

سوال نمبر ۵۴۲ :

کاشتکار جو درخت لگاتے ہیں اس کی صورت یوں ہے کہ

(نمبر ۱) انہوں نے زمیندار سے یہ کہہ کر زمین حاصل کی کہ آپ کوئی زمین بتا دیں جس پر میں چار درخت لگا دوں جس کا مطلب رواجاً" یہ ہے کہ درخت لگانے والا اپنی زندگی تک اس کا پھل کھائے گا اس کے مرنے یا لاپتہ ہونے پر زمیندار کو اس پر قبضہ کا حق حاصل ہے یہ جائز ہے یا ناجائز۔

(نمبر ۲) اگر زمیندار لگائے ہوئے درخت پر بجبر قبضہ کر لے تو یہ گوارا ہو سکتا ہے بمقابلہ اس جبر کے کہ دس بارہ برس تک جن درختوں کو کاشتکار نے نہایت جانفشانی سے بچوں کی طرح پرورش کی ہو اس سے زمین خالی کرا لی جائے اگرچہ کاشتکار کو دبانے کا یہ جائز طریق ہو لیکن اس کی نقصان رسانی کی منشاء کے ساتھ بضرورت ہی ایسا کرنا جائز ہو گا یا نہیں؟

جوابات

(نمبر ۱) غایہ مافی الباب اس کا حاصل یہ ہو گا کہ ایک امرواقع فی المستقبل پر زمیندار کے مالک ہونے کو معلّق کیا ہے سو تملیکات میں اس تعلیق کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ قمار کی حقیقت شرعا یہی ہے البتہ اگر کاشتکار تصریح وصیت کی کر دے کہ جب میں مرجاؤں یہ درخت زمیندار کے ہیں تو یہ وصیت ہو جاوے گی اور جس قدر احکام وصیت کے ہیں سب جاری ہوں گے مثلاً ہروقت کاشتکار کو اس وصیت کے واپس لینے کا اختیار حاصل ہو گا اور مثلاً اس زمیندار کے اول مرجانے سے یہ وصیت باطل ہو جاوے گی اور مثلاً ثلث ترکہ سے زائد میں جاری نہ ہو گی اور مثلاً یہ تبرع محض ہے اس میں جبریا شرط لگانا جائز نہ ہو گا۔ اور مفقود کا حکم اس کے نوے سال کی عمر ہونے سے پہلے احیاء کا ہے اس کا مال امانت رہے گا اور بعد اس مدّت کے وہ میّت ہے اس وقت وصیت کے احکام مذکورہ لموظ ہوں گے۔

(نمبر ۲) جب زمین کا خالی کرا لینا جائز ہے تو واقع میں جبر ہی نہیں اگر کاشتکار اس کو جبر ناگوار سمجھے اس کا کوئی اعتبار نہیں اور بجز قبضہ کرلینا چونکہ ناجائز ہے اجازت تو اس لیے نہیں۔ رہا کاشتکار کا اس کو گوارا کرلینا یہ دلیل طیب خاطر کی نہیں کیونکہ حقیقتہ اس کو گوارا نہیں بلکہ واقع میں تو ناگوار ہی ہے لیکن دوسری ناگواری سے یہ ناگواری کم ہے جب ناگواری ثابت ہے اس لیے گوارای کو علّت اجازت نہیں قرار دے سکتے البتہ اگر سچ مچ گوارا ہے تو صاف لفظوں میں کہہ لے کہ آپ کو بخوشی ہبہ کرتا ہوں بشرطیکہ قراین سے معلوم بھی ہے کہ واقع میں طیب خاطر ہے۔" (۶)

ii- احکام مساقات مفسدہ

یہ چند ہیں جن کا ذکر مزارعت کے باب میں بھی آچکا ہے۔

(۱) عامل کو عمل پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ عمل پر جبر عقد کے حکم کے سبب سے ہوتا ہے اور عقد صحیح نہیں ہوا۔

(۲) کل کی کل پیداوار رب الارض کی ہوگی کیونکہ پیداوار میں اس کا استحقاق اس بنا پر ہوتا ہے کہ وہ اس کی ملک کی نماء ہے جبکہ عامل کا استحقاق شرط کی بنا پر ہوتا ہے اور چونکہ شرط صحیح نہیں ہوتی لہٰذا پیداوار ملک والے کی ہوگی اور وہ کچھ صدقہ نہ کرے گا۔ کیونکہ وہ اس کی خالص اپنی ملک سے حاصل ہوا ہے۔

(۳) مساقات فاسدہ میں اجرت مثل اس وقت تک واجب نہ ہوگی جب تک کہ عمل نہ پایا جائے۔

(۴) مساقات فاسدہ میں اجرت مثل کا وجوب پیداوار پر موقوف نہیں ہوتا بلکہ مساقات صحیحہ کے برخلاف اس میں اگرچہ کچھ بھی پھل درخت پر نہ لگے اجرت مثل واجب ہوتی ہے۔

(۵) اس میں اجرت مثل کا اندازہ مقرر کردہ اجرت سے ہوتا ہے کہ اس سے زائد نہیں ہو سکتی یہ ابو یوسف کے نزدیک ہے جبکہ محمدؒ کے نزدیک پوری اجرت مثل واجب ہوتی ہے۔ یہ اختلاف اس صورت میں ہے جبکہ عقد میں ہرایک کا حصہ ذکر کیا گیا ہو اور عقد میں ذکر نہ کیا گیا ہو تو بلا اختلاف پوری اجرت مثل واجب ہوتی ہے۔

فتاویٰ امینیہ میں ایک فاسد مسئلہ کے بارے میں درج ذیل حکم ہے۔

"قال تخم درختی کہ در ہمسایگی بر آمدہ است از درخت دیگری و کلاں شدہ' شدہ است و رابود واگرانی خداوند درخت را

بود قاعدی وما قولم رضی اللہ" (اگر درخت کی جڑیں کسی ہمسایہ کہ جگہ پر نکل آتی ہیں اور وہ بڑا درخت بن گیا ہے اور اگر وہ ہمسایہ کے پانی دینے سے اور حفاظت سے بڑھے ہیں تو اس کے وگرنہ اصل درخت کے مالک کے ہیں)

"در آنچ زید را درختاں کہ است در ہمسائے باغ عمرو و از بیخ درختاں زید در باغ عمرو درختاں بر آمدہ است و بکمال رسیدہ یعنی و زرپست عمرو بشریعت ابن درختاں عمرا بہ بسرا لسلرسد واللہ اعلم۔" (زید کے کچھ درخت عمرو کے باغ کے ساتھ ہیں اور زید کے درختوں کی جڑوں سے عمرو کے باغ میں درخت اگے اور بڑے ہوئے از روئے شریعت یہ درخت عمرو کے ہیں جس کے باغ میں اتفاقاً اگے ہوں۔) (۷)

فتاویٰ عالمگیری میں احکام مساقات مفسدہ یہ دیے گئے ہیں۔

"واما حکم المعاملة الفاسده فانواع منها ان لا یجبر العامل علی العمل و منها ان الخارج کله لصاحب الملک ولا یتصلق بشئی منه و منها ان وجوب اجر المثل لا یجب علی الخارج بل یجب وان لم یخرج الشجر شیئا و منها ان اجر المثل فیها یجب مقدار بالمسمی لا یتجاوز عنه عندابی یوسف" و عند محمد یجب تماما و هذا الاختلاف اذا کان حصة کل واحد منها مسماة فی العقد فان لم تکن مسماة فی العقد یجب اجر المثل تامّا..... لا یمکن منه فی الصحیح هکذا فی التبین۔"

(اور واضح ہو کہ حکم معاملہ فاسدہ کے چند انواع ہیں۔ ازا بجملہ یہ کہ عامل پر کام کرنے کے واسطے جبر نہیں کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ازا بجملہ یہ کہ پوری حاصلات مالک کو ملے گی اور مالک ان میں سے کچھ صدقہ نہ کرے گا۔

۳۔ ازا بجملہ یہ کہ عامل کے کام کا اجرالمثل پھلوں کے پیدا ہونے پر نہیں ہے بلکہ اجرالمثل واجب ہوگا خواہ پھل پیدا ہوں یا کچھ نہ پیدا ہو۔

۴۔ ازا بجملہ یہ ہے کہ اجرالمثل مقدار مسمّٰی پر مقدر ہوگا اس سے زیادہ نہیں دیا جائے گا یہ امام ابو یوسف کے نزدیک ہے اور امام محمد کے نزدیک پورا واجب ہوگا۔ یہ اختلاف اس صورت میں ہے کہ عقد معاملہ میں دونوں میں سے ہر ایک کا حصہ بیان کیا گیا ہو اور اگر بیان نہ کیا گیا ہو تو بلا خلاف پورا اجرالمثل واجب ہوگا اور واضح ہو کہ امور فسخ معاملہ میں عذر ہوتے ہیں۔

۵۔ازا بجملہ یہ کہ عامل چور ہو چوری میں مشہور ہو کہ اس کی ذات سے پھلوں کی نسبت خوف کیا جاوے اور جن امور سے عقد معاملہ خود فسخ ہو جاتا ہے وہ اقالہ کرنا ہے اور مدت معاملہ گذر جانا اور متعاقدین کا مرجانا کذافی البدائع اور عقد معاملہ عامل کے بیمار ہونے سے فسخ ہو جاتا ہے بشرطیکہ کام کرنا اس کو مضر ہو اور زیادہ ضعف ہونے کا ڈر ہو۔" (۸)

فتاویٰ عالمگیری میں مزید آیا ہے کہ اگر گٹھلی اڑ کر آگئی تو ۔

"ایک درخت ایک شخص کی زمین میں ہے اس کی بعض جڑیں جاکر دوسرے کی زمین میں آگیں پس اگر دوسری زمین والے نے پانی دیکر اگایا ہو تو اسی کا ہوگا اور اگر خود اگا تو درخت کے مالک کا ہوگا بشرطیکہ دوسرا زمین والا اس امر کی تصدیق کرے کہ یہ اس کے درخت کی جڑ پھوٹی ہے اور اگر اس نے تکذیب کی تو قول اسی کا قبول ہوگا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے ایک شخص کی گٹھلی کو ہوا دوسرے کے باغ انگور میں اڑا لے گئی اور وہاں اس

سے درخت اگا تو مالک باغ کا ہوگا اس واسطے کہ گٹھلی کی کچھ قیمت نہیں ہے اس طرح اگر کسی کا اخروٹ دوسرے کے باغ انگور میں جاپڑا اور وہاں اگا تو یہ درخت مالک باغ کا ہوگا اس واسطے کہ گودا ضائع ہوجانے کے بعد گٹھلی سے یہ درخت اگا ہے پس یہ صورت اور صورت اول دونوں یکساں ہیں۔ یہ فتاوی کبرے میں ہے۔ اگر باغ خرما میں پھل برآمد ہونے کے بعد زمین و درخت سب استحقاق میں لے لئے گئے تو یہ سب صاحب استحقاق کے ہونگے اور عامل اس شخص سے جس نے اس کو معاملہ پر باغ مذکور دیا تھا اپنا اجرالمثل لے لیگا اور اگر کچھ پھل برآمد نہ ہوئے ہوں تو عامل کو کچھ نہ ملے گا یہ تاتار خانیہ میں عتابیہ سے منقول ہے ایک شخص کے درخت کی دوسرے کی ملک میں جاکر جڑیں پھوٹیں اور پودے پیدا ہوئے پھر مالک درخت نے یہ پودے کسی شخص غیر کو سوائے اس زمین کے مالک کے ہبہ کردیے پس اگر یہ پودے ایسے ہوں کہ درخت اصل قطع کئے جانے پر خشک ہوجاویں تو ہبہ جائز نہ ہوگا اور اگر خشک نہ ہوں تو ہبہ جائز ہوگا یہ فتاوی کبرے میں ہے۔" (۹)

عین الہدایہ میں احکام مساقات مفسدہ درج ذیل ہیں۔

"قال واذا فسدت المساقاة فللعامل اجر مثله"

(اور جس صورت میں کہ مساقات فاسد ہو تو عامل کے واسطے اجر المثل ملے گا) ف یعنی اس کو حصہ ثمر کا استحقاق نہیں ہے بلکہ جو کچھ ایسے کام کی مزدوری ہوتی ہے۔ اس پر نظر کی جاوے اور پھلوں میں سے اس کے مشروط حصہ پر نظر کی جاوے پس اگر اجرالمثل کم یا برابر ہو تو اجرالمثل دیا جاوے اور اگر اجرالمثل زائد ہو تو اس میں سے بقدر حصہ مشروط کے دیا جاوے وفیہ خلاف۔ م۔

"لانه في معنى الاجارة الفاسدة۔"

(کیونکہ عقد معاملہ جو فاسد ہوگیا ہے وہ اجارہ فاسدہ کے معنی میں ہے) ف اور اجارہ فاسدہ میں اجرالمثل ملتا ہے تو مساقات میں بھی یہی ملے گا۔

"وصارت كالمزارعة اذا فسدت"

(اور معاملہ فاسدہ ایسا ہوگیا جیسے مزارعت فاسدہ ہے) ف کہ دونوں کی حالت قیاسی یکساں ہیں۔" (۱۰)

بہار شریعت میں مذکور ہے

"معاملہ فاسدہ کے احکام یہ ہیں

۱۔ عامل کام کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

۲۔ جو کچھ پیداوار ہو وہ کل مالک کی ہے اور اس پر یہ ضروری نہیں کہ اس میں کوئی جز صدقہ کرے۔

۳۔ عامل کے لئے اجرت مثل واجب ہے پیداوار ہو یا نہ ہو اور اس میں وہی صاحبین کا اختلاف ہے کہ پوری اجرت مثل اگرچہ مقرر سے زیادہ ہو واجب ہے یا یہ کہ مقرر شدہ سے زائد نہ ہونے پائے اور اگر حصہ کی تعین نہ ہوتی ہو تو بالاتفاق پوری اجرت مثل واجب ہے (عالمگیری)"

"کسی شخص کے باغ سے گٹھلی اڑ کر دوسرے کی زمین میں گئی اور یہاں جم گئی اور پیڑ ہوگیا جیسا کہ خود رو

درختوں میں اکثر یہی ہوتا ہے کہ ادھر ادھر سے بیج آکر جم جاتا ہے یہ درخت اس کا ہے جس کی زمین ہے اس کا نہیں جس کی گٹھلی ہے کیونکہ گٹھلی کی کوئی قیمت نہیں ہے اس طرح شفتالو یا آم یا اسی قسم کے دوسرے پھل اگر دوسرے کی زمین میں گرے اور جم گئے یہ درخت بھی مالک زمین کے ہونگے کہ پہلے یہ پھل سڑیں گے اس کے بعد جمیں گے اور جب سڑ کر اوپر کا حصہ جاتا رہا تو فقط گٹھلی باقی رہی جس کی کوئی قیمت نہیں (درمختار)۔"(۱۱)

حواشی

(۱)۔ احمد بن المقلب بنظام شاہ گیلانی، فتاویٰ ابراہیم شاہی۔ باب المساقات ص ۱۵۔

(۲)۔ محمد امین بن عبداللہ، فتاویٰ امینیہ (فارسی)۔ کتاب المساقاۃ۔ ص ۳۰۔

(۳)۔ فتاویٰ عالمگیری، کتاب المساقات۔ ص ۱۴۴۔

(۴) مولانا سید امیر علی، عین الہدایہ، کتاب المساقات۔ ص ۲۵۔ ۲۹۔

(۵) مولانا امجد علی، بہار شریعت۔ کتاب المساقاۃ۔ ص ۹۰۔ ۹۱۔

(۶) مولانا اشرف علی تھانوی، امداد الفتاویٰ۔ کتاب المزارعہ۔ ص ۵۲۰۔ ۵۲۱۔

(۷) محمد امین بن عبداللہ، فتاویٰ امینیہ، کتاب المساقاۃ۔ ص ۳۰۔

(۸) فتاوی عالمگیری۔ کتاب المعاملہ۔ جلد ۴ ص ۱۴۴۔

(۹) فتاویٰ عالمگیری، کتاب المعاملہ۔ جلد ۴، ص ۱۴۵۔

(۱۰) سید امیر علی، عین الہدایہ۔ کتاب المساقاۃ، ص ۳۱۔

(۱۱) مولانا امجد علی، بہار شریعت۔ کتاب المساقات، ص ۹۰۔۹۱۔

فصل VII مزارعت و مساقات میں فرق

ہمارے زرعی نظام میں مساقات بعینہ اس طرح رائج تو نہیں ہے۔ جس طرح کتب فقہ میں اس کا تصور ملتا ہے۔ لیکن کسی نہ کسی شکل میں اس کا وجود ضرور ہے۔

(۱) اختصار کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ سبزیوں' پھلوں اور پھلدار درختوں کی پیداوار میں حصہ کے عوض سینچائی' شاخ تراشی گوڈی' جڑی بوٹیوں کا اتلاف اور دیکھ بھال مساقات کہلاتی ہے یہ مزارعت سے اس لئے مختلف ہے کہ اس میں ان سبزیوں اور پھلوں کی کاشت کی ذمہ داری پانی دینے والے کی نہیں ہوتی اور نہ بیج وغیرہ کی فراہمی میں اس کا حصہ ہوتا ہے۔ دوسرے فریق کو بس یہی کرنا پڑتا ہے کہ وہ کاشت شدہ رقبہ سے پیداوار کے حصول کو یقینی بنائے جس میں اس کا پہلے سے طے شدہ حصہ ہوتا ہے۔

(۲) ایک یہ کہ مساقات کا معاہدہ لازم ہوجاتا ہے ایجاب و قبول (یعنی زبانی معاملہ طے ہونے) کے بعد کسی فریق کو اس کے منسوخ کرنے کا اختیار نہیں رہتا۔

لیکن عقد مزارعت میں بیج والے پر وہ لازم نہیں ہوتا جب تک کہ بیج زمین میں نہ بو دیا جائے زمین میں بیج بو دیا جائے تو معاہدہ لازم (ناقابل فسخ) ہوجائے گا۔ جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔

(۳) ایک یہ کہ اگر عہد مساقات ایک مقررہ مدت کے لیے طے ہوجائے اور پھل تیار ہونے سے پہلے وہ مدت گزر جائے تو کارکن کو یہ حق ہے کہ پھلوں کے ختم ہونے تک وہ بدستور درختوں پر کام اور اس کی دیکھ بھال کرتا رہے لیکن کارکن کو اس کا ذمہ دار گردانا جائے کہ درخت کے پھل اتارے جانے کے عرصہ تک کا معاوضہ جو اس کے حصہ میں آتا ہے ادا کرے اس مسئلہ کی تفصیل یہ ہے کہ معاہدہ مساقات کی مدت گذر جانے کے بعد یہ احتمال ہے کہ مالک کارکن سے یہ کہے کہ معاہدہ کی مدت گذر گئی اور معاہدہ ختم ہوگیا اب جو پھل بعد میں آئے اس پر تمہارا کوئی حق نہیں ہے۔ اگر ان کو آخر تک میرے درخت پر لگا رکھنا چاہتے ہو تو اس کا معاوضہ ادا کرو۔ ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔ اور مالک کو حق نہیں ہے کہ پھلوں کو درختوں پر لگے رہنے کا معاوضہ کارکنوں سے طلب کرے کیونکہ درخت کو کرایہ پر لینا درست نہیں ہے۔ البتہ مزارعت کی صورت میں اگرچہ کاشت کار کو یہ حق ہے کہ میعاد مزارعت گزر جانے کے بعد اخیر دم تک کھیتی باڑی کا کام کرتا رہے۔ لیکن مالک کو کھیتی کا کام ختم ہونے تک کا کرایہ زمین طلب کرنے کا حق ہے کیونکہ زمین کرایہ پر لینا درست ہے۔

(۴) ایک اور یہ کہ اگر ایک شخص نے اپنے باغ میں کام کرنے کے لیے عقد مساقات کے تحت کسی کو کام پر لگایا اور اس نے کام کیا' بعد میں پتہ چلا کہ اس باغ میں معاملہ کرنے کے علاوہ کسی اور شخص کا حق ہے ان حالات میں اگر درختوں میں پھل آگئے ہیں تو کارکن (اپنے معاوضہ کارکردگی کے لئے) اس حق دار کی طرف رجوع کرے گا لیکن اگر معاملہ مزارعت کا ہو اور یہ ثابت ہو کہ اس زمین کا حق دار کوئی اور شخص ہے تو اس زمین کی تمام پیداوار اس کی ہوگی جس کی زمین ثابت ہوئی اور کارکن زراعت میں سے اپنے حصہ کے مطابق پیداوار کی قیمت کا مطالبہ اس شخص سے کرے گا۔

(۵) ایک یہ کہ مزارعت کے عاملہ میں معاہدے کی میعاد کا بتا دینا شرط ہے لیکن مساقات میں یہ شرط نہیں ہے۔ کیونکہ درختوں سے پھل اتارنے کا وقت بالعموم معلوم ہوتا ہے۔ اگر میعاد کی وضاحت نہیں کی گئی تو اس سال پہلی بار جب پھل لگ جائیں تو

وہی (معاہدہ کی) مدت ہوگی۔

تقی امینی صاحب مزارعت و مساقات کے تحت درج ذیل امور میں فرق بیان کرتے ہیں:

(۱) معاملہ طے ہوجانے کے بعد فریقین میں سے کوئی انکار کردے تو قانوناً" زبردستی کی جائے گی لیکن مزارعت میں جس کی جانب سے تخم ہو اس کے انکار کرنے کی صورت میں اس پر جبر نہ کیا جائے گا۔

(۲) پھل پختہ ہونے سے قبل اگر مدت معاملہ ختم ہوجائے تو اس کا اعتبار نہ ہوگا۔ لیکن مزارعت میں اگر یہ صورت پیدا ہو تو پیداوار کے حصہ کی مقدار صاحب زمین کو زمین کی اجرت دینی پڑے گی۔

(۳) معاملہ کے بعد اگر باغ کا دوسرا شخص حقدار نکلا تو جس سے معاملہ کیا ہے اس کو اتنے دن کی جتنے دن کام کیا ہے اجرت دینی پڑے گی اور مزارعت میں اگر زمین کا کوئی حق دار نکلا تو صاحب زمین کو پیداوار کی قیمت ادا کرنی ہوگی۔ (۱)

مولانا مجیب اللہ ندوی فرماتے ہیں:

"البتہ دو تین باتوں کی وجہ سے مزارعت اور مساقات میں فرق ہوجاتا ہے سب سے پہلی بات تو یہ ہے، کہ مساقات کا معاملہ لگے لگائے باغ یا درخت میں جائز ہے۔ اس شرط پر یہ معاملہ کرنا جائز نہ ہوگا کہ درخت یا باغ لگاؤ' تیار ہونے کے بعد دونوں پھل میں شریک رہیں گے۔ مزارعت میں بونے اور غلہ پیدا ہونے کی شرط پر زمین دینا اس لئے جائز ہے کہ اس کی منفعت جلد سامنے آجاتی ہے۔ اس لئے کاشتکار کا اس میں فائدہ بھی ہے اور مدت کم ہونے کی وجہ سے اختلاف کی گنجائش بھی کم ہے اور یہ بات بھی ہے کہ اگر ان میں سے کسی کو اپنا فیصلہ بدلنے کی ضرورت پیش آجائے تو اس کی گنجائش رہتی ہے کہ وہ دو چار ماہ میں اپنا فیصلہ بدل دے لیکن درخت اور باغ کے معاملہ میں ان میں سے کوئی بات حاصل نہیں ہے۔ مزارعت اور مساقات میں دوسرا فرق یہ ہے کہ مساقات کا معاملہ ہوجانے کے بعد بغیر کسی عذر شدید کے دونوں میں سے کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ علیحدہ ہوجائے اگر کوئی فریق علیحدہ ہوگا تو قانوناً" اس معاہدہ کی تکمیل پر مجبور کیا جائے گا۔ لیکن مزارعت میں جس فریق نے بیج دیا ہے۔ اگر وہ معاہدہ بغیر عذر کے بھی توڑنا چاہے تو توڑ سکتا ہے۔ لیکن جس نے بیج دیا ہے وہ تو معاملہ باقی رکھنا چاہتا ہے' مگر دوسرا فریق بھاگ رہا ہے تو اس کو قانوناً" مجبور کیا جائے گا۔ پہلی صورت میں اس کو علیحدہ ہونے کی اس لئے اجازت ہے کہ اگر وہ علیحدہ ہوگا۔ تو اس کے بیج کا نقصان ہوگا۔ اس لئے بیج دینے کے بعد خود بیج کی لالچ اس کو کاشت کرنے یا کرانے پر مجبور کرے گی۔ اس لئے قانون کا سہارا لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن دوسری صورت میں چونکہ بیج والے کا نقصان ہے اس لئے اس کے نقصان کی تلافی کے لئے قانون کا سہارا لینا پڑے گا۔ یہی صورت مساقاۃ میں ہے کہ اگر باغ والا باغ دینے کے بعد بغیر عذر باغ لینے والے کو علیحدہ کرتا ہے تو اس بیچارے کا وقت اور محنت برباد ہوئی اور مالک باغ کا کوئی نقصان نہیں ہوا تو ایک فریق کو بغیر کسی وجہ کے نقصان پہنچانا صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح اگر باغ لینے والا علیحدہ ہوتا ہے تو ہوسکتا ہے کہ دوسرا آدمی مالک باغ کو بروقت نہ ملے اور اس کا شدید مالی نقصان ہوجائے گویا اس کی علیحدگی سے ایک طرف اس کی محنت ضائع ہوگی اور دوسری طرف باغ کے مالک کو بلاوجہ مالی نقصان اٹھانا پڑا۔ اسی لئے دونوں میں سے کسی کو اجازت اس بات کی نہیں ہے کہ وہ بلاوجہ کسی کو نقصان پہنچائے جیسا کہ آیا ہے۔

لیس لصاحب الکرم ان یخرج العامل بغیر عذر وکذا لیس للعامل ان یترک العمل بغیر عذر بخلاف المزارعۃ(ہدایہ ج ۴ ص ۴۱۶)

مساقات ان درختوں اور ترکاریوں وغیرہ میں جائز ہے جس کی جڑ زمین میں ہو اور اسے پانی دینے اور حفاظت کی ضرورت ہو پھل چاہے آئے یا نہ آئے جیسا کہ آیا ہے۔

و تجوز المساقات فی النخیل والشجر والکرم واصول البادنجان(ہدایہ جلد ۴ ص ۳۱۶)

جبکہ مزارعت میں یہ اصول نہیں ہے۔

اگر مساقات کی کوئی ایسی مدت متعین کی جس مدت میں عموماً پھل نہیں آتا تو یہ معاملہ صحیح نہیں ہے۔ مگر وقت تو پھل آنے کا تھا مگر پھل آنے میں دیر ہوگئی تو اگر پھل آگیا تو دونوں بقدر حصہ بانٹ لیں گے اور نہ آیا تو معاملہ ختم ہوگیا اور کام کرنے والے کو اجرت مثل ملے گی (ہدایہ ج ۴ ص ۴۱۶)"۔ (۲)

حواشی

(۱)۔ مولانا تقی امینی' اسلام کا زرعی نظام۔ ص ۱۹۳۔

(۲) مولانا مجیب اللہ ندوی' اسلامی فقہ۔ باب مساقات۔ ص ۵۷۵۔ ۵۷۶۔

باب ہفتم

باب ہفتم : خلاصہ بحث اور نتائج

اسلام سے قبل بلاد عرب میں نظام زراعت کوئی خاص اہمیت کا حامل نہ تھا۔ نظام زراعت کے متعلق اولین مسائل عہد حضرت عمرؓ میں پیش آنا شروع ہوئے ان مسائل کو خلیفہ دوئم حضرت عمرؓ کی دوربین نگاہوں نے محسوس کر لیا تھا۔ یہ مسائل بنو امیہ اور بنو عباسیہ کے دور میں بڑے اہمیت کے حامل ہوگئے اور بدیہی بات تھی کہ یہ معاشی اور زرعی مسائل اسلامی تعلیمات پر اپنے اثرات نہ چھوڑتے۔ قیصر وکسری کی وسیع ریاستوں کی فتح کے بعد دیگر علاقے بھی مسلمانوں کی علمداری میں آتے رہے۔ ان ممالک کے اپنے زرعی نظام تھے جو یقیناً معاشی اور اخلاقی خرابیوں کو جنم دے رہے تھے۔

چونکہ اس زمانے میں قومی پیداوار کا بیشتر حصہ زرعی شعبہ سے حاصل ہوتا تھا تو لازمی امر ھے کہ فقہی ادب کے آغاز ہی سے فقیہوں کی توجہ ان مسائل کی طرف ہوتی۔ مزارعت و مساقات کا نظام اسی دور میں فقیہوں کے لیے اہم ٹھہرا۔ امام ابو حنیفہ اور ان کے شاگردوں صاحبینؒ و شیوخؒ نے عوام الناس کی بھلائی کی خاطر جس مثالی اسلامی معاشرت اور معیشت کو ترویج دینا چاہا اس کے لی انھوں نے مروجہ نظام ہائے زمینداری وجاگیرداری میں سے ایسے تمام مضر معاملات کو نہایت عرق ریزی اور باریک بینی سے اخذ کیا پھر مضر معاملات کو فاسد قرار دیا اور انتہائی کوشش کی کہ آجر اور آجیر دونوں کے لئے نقصان کا احتمال کم سے کم رہ جائے۔ تاکہ مزارع اور زمیندار میں سے کوئی ایک بھی دوسرے کے لیے ظلم وتعدی کا موجب نہ بن سکے۔

چنانچہ زیر نظر مقالہ میں کوشش کی گئی ھے کہ امام ابو حنیفہؒ اور تلامذہؒ امام ابو حنیفہؒ نے مزارعت و مساقات کے ضمن میں جتنی بھی تنقیحات قائم کیں انھیں واضح کیا جائے اس نظام کے ہر ایک ضمنی پہلو میں سے جس مفسدہ کو انھوں نے ناجائز قرار دیا اور جس صحیحہ کو جائز قرار دیا اسے بھی ساتھ ہی بیان کیا جائے۔

جیسا کہ امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد اول
امام ابو یوسفؒ نے مزارعت و مساقات کے جواز پر فتوی دیا اور انواع مزارعت صحیحہ اور مفسدہ بیان کرکے شرائط بھی واضح کیں جبکہ امام ابو حنیفہؒ کے دوسرے شاگرد امام محمدؒ نے انواع و شرائط کے ساتھ ساتھ احکام مزارعت و مساقات کی مذکورہ درجہ بندی کے تحت شقوں و جزئیات پر بحث و تمحیص کی مثلا

امام عبداللہ سفیؒ جن کی اہم کتاب کنزالدقائق ہے۔
امام السرخسیؒ ۴۸۳ھ/۱۰۹۲ء جن کی اہم کتاب المبسوط ہے۔
امام ابن رشدؒ ۵۲۰ھ/۱۱۲۹ء جن کی اہم کتاب بدایہ المجتہد ہے۔
امام کاسانیؒ ۵۸۷ھ/۱۱۹۶ء جن کی اہم کتاب بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ہے۔
امام حسن بن منصورؒ ۵۹۲ھ/۱۱۹۶ء جن کی اہم کتاب، فتاوی قاضی خان ہے۔
امام الرغینانیؒ ۵۹۳ھ/۱۲۰۲ء جن کی اہم کتاب الہدایہ ہے۔
امام ابن ہمامؒ ۷۸۸ھ جن کی اہم کتاب فتح القدیر ہے۔
امام حصکفیؒ ۱۰۲۵ھ جن کی اہم کتاب الدرّ المختار شرح تنویر الابصار ہے۔
امام طحاویؒ ۱۲۳۱ھ جن کی اہم کتاب حاشیہ الطحاوی علی الدرّ المختار ہے۔
امام ابن عابدین شامیؒ ۱۱۹۸ھ / ۱۹۱۴ء جن کی اہم کتاب ردّ المحتار علی الدرّ المختار ہے۔

ان سب حضرات میں سے ہر ایک نے گزشتہ حنفی فقہاء کے نظریات اور اپنے اپنے عہد کے حالات و واقعات کی روشنی میں فقہ کے ہر باب کے اندر سیر حاصل بحثیں کیں اور ضخیم کتب کا کثیر سرمایہ چھوڑا۔

برصغیر کی تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو درج ذیل عوامل نمایاں نظر آتے ہیں۔

اولاً — برصغیر میں فقہ حنفی کے سوا کسی اور فقہ کو پذیرائی حاصل نہیں ہوئی، اہل سنت کی باقی تین فقہیں یہاں ترویج نہ پا سکیں۔ فقہ جعفریہ کے متعلق بھی تحقیق کا نتیجہ صرف یہ ہے کہ جس حد تک یہ فقہ برصغیر میں رائج ہوئی اس کی اٹھان زیادہ تر اٹھارویں صدی کی مرہون منت ہے۔

دوئم — جس وقت مسلمانوں نے ایک ہزار سال عیسوی کے قریب اپنے اثرات برصغیر میں پھیلانے شروع کیے اور برصغیر میں ایک باقاعدہ جاری

اور مسلسل نظام حکومت کی بنا رکھنی شروع کی۔ فقہ حنفی ارتقاء ترویج و تخلیق کے دور سے نکل کر تقلید کے دور میں داخل ہو رہی تھی۔ چنانچہ اس دور کے بعد برصغیر کی فقہ حنفی سے یہ توقع رکھنا کہ وہ برصغیر میں ایک تخلیقی نشاۃ ثانیہ سے ہمکنار ہوتی۔ ایک مشکل مفروضہ تھا۔

سوئم برصغیر اس وقت بہت سی مختلف ریاستوں' ثقافتوں اور ذیلی نظام ہائے کا مجموعہ تھا۔ جس میں غیر مسلموں کی اکثریت تھی۔ اس آبادی میں سے کچھ کا مسلمان ہونا ایک سست اور تدریجی عمل تھا۔ چنانچہ اگر کوئی اسلامی نظام زراعت موجود بھی ہوتا تو اس کا نافذ کیا جانا ایک انتہائی دشوار گزار بلکہ ناممکن امر تھا۔

برصغیر میں فقہ حنفی کو نافذ کرنے میں ان تمام دشواریوں کا ہاتھ تھا۔ لیکن ان دشواریوں میں سے سب سے بڑھ کر عمل اس بات کو تھا کہ سلاطین و مغل ادوار میں علماء کو ہیت حاکمہ اور ہیت نافذہ میں کوئی اہم حیثیت حاصل نہ تھی۔ شیوخ و علماء کی قدر کرنا انہیں دربار میں عزت کا مقام دینا ان کے لیے وظائف' جاگیر' مدد معاش اور معافی نامے عطا کرنا اور بات ہے اور انہیں عملی طور پر اسلامی نظام معیشت و زراعت کو نافذ کرنے کے لیے مشیر و شریک مقرر کرنا اور بات ہے۔ چنانچہ ایک غیر مسلم اکثریت کے معاشرے میں ایک مسلمان حاکم کی موجودگی سے یہ نتیجہ اخذ کرنا نادانی ہے کہ حنفی فقہی مروجہ فقہ میں کوئی عہد آفرین اور تخلیقی اضافہ کر سکیں اور لاتعداد مختلف نظام ہائے زراعت کو بدل کر کوئی اسلامی نظام زراعت لا سکیں بالخصوص اس وقت جب کہ پہلے مفتوحہ علاقوں میں بھی کوئی انقلابی تبدیلی رونما نہ ہوئی ہو' برصغیر کے فقیہوں نے نظام زراعت کا جب مطالعہ شروع کیا تو انہیں سب سے پہلے جس مسئلہ نے متوجہ کیا وہ یہ تھا کہ یہ فیصلہ کیا جائے کہ برصغیر کی زمینیں عشری ہیں یا خراجی اس مسئلہ کا جواب اس لیے بھی ضروری تھا اور اس کی اہمیت سب سے بڑھ کر اس لیے تھی کہ یہ معاملہ حکومت کے محاصل کے حصول کے لیے ضروری تھا۔

زمین کی ملکیت سے متعلق کوئی کارنامہ اس لیے ممکن نہ تھا کہ سلاطین و مغل حکمرانوں کا پورا نظام جاگیرداری اور زمینداری اس کے گرد گھومتا تھا۔ اس کی تمام ہیت حاکمہ اور امراء حتیٰ کہ حکمرانوں سے متعلق اہل تصوف اور اہل علم و دین کا انحصار اسی نظام زمین کی صورت میں مدد معاش اور معافی ناموں پر تھا۔ اس لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ برصغیر کی حنفی فقہ سے یہ توقع رکھنا ہی عبث ہے کہ ایک غیر مسلم اکثریت والے متضاد الفکر

طبقات میں کوئی انقلاب آفرین نظریہ پیش کر سکے۔

انقلاب آفریں نظریات کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ معاشرہ اور معیشت کا سامنا انتہائی حرکی اور تغیر پذیر نظریات و عوامل سے ہو۔ برصغیر میں اٹھارویں صدی تک انگریزوں کی آمد اور وسعت سے قبل ہندوستانی معاشرہ اور معیشت ایک پر سکون بلکہ جامد معیشت اور معاشرت تھی' اس نظام میں صدیوں سے زمین کی ملکیت' کاشت' زمیندار اور کسان کے تعلقات میں کوئی تبدیلی رونما نہ ہوئی حتیٰ کہ ہنرمندی' صنعت' ٹکنالوجی' فلسفہ حیات' فلسفہ سیاست غرضیکہ کوئی ذیلی نظام بھی کوئی ایسی تغیرپذیری معاشرت و معیشت میں نہیں لا رہا تھا کہ نظام زراعت میں کسی تبدیلی کی ضرورت محسوس کی جاتی۔ انگریز کے برصغیر پر قبضہ کے ساتھ ہی ان تبدیلیوں کی ضرورت محسوس ہونا شروع ہوئی۔ چنانچہ بنگال' یوپی اور بالاخر اٹھارہ سو پچاس کے بعد پنجاب میں بندوبست اراضی اور Land Settlement میں پہلی مرتبہ نظام زراعت اور اچھی یا بری تبدیلیوں کا راستہ ہموار کیا۔

۱۹۴۷ء کے بعد ایک علیحدہ مملکت کے قیام سے یہ امید کی جا سکتی تھی کہ اسلامی اصولوں کے مطابق ایک نظام زراعت ترتیب دیا جائے اس ضمن میں جہاں ایک طرف آج تک ہونے والے فقہی افکار سے استفادہ کیا جا سکتا ہے وہاں ضرورت اس امر کی بھی ہے کہ نظام زراعت کا مطالعہ وہیں سے شروع کیا جائے جہاں سے امام ابو حنیفہؒ نے اسے چھوڑا تھا۔ اس لیے کہ ایک اسلامی مملکت میں ایک نظام کے قیام اور ترویج کے لیے کئی صدیوں سے موجود عملی دشواریوں تک ہی اپنے آپ کو محدود نہیں رکھنا چاہیے بلکہ ایک مکمل اسلامی نظام کو نافذ کرنے کے لیے کام کیا جانا چاہیے۔

برصغیر پاک و ہند کے تناظر میں تحقیق کی راہ میں حائل پیچیدگیاں درج ذیل ہیں:

☆ ایک وقت فقہ کے طالب علم کو ہندوستان میں یہ پیش آتی ہے کہ مستند معلومات نایاب ہیں۔ پھر فقہی نقطہ نظر سے معاشی معاملات کی تدوین و تنقیح کا کوئی انتظام نہیں۔ جو کچھ چند فتاویٰ میں برصغیر کے فقہاء نے دیا ہے وہ وہی ہے جو فقہ حنفی کے اکابر فقہاء کی کتب میں لکھا ہے۔ مثلاً" ہدایہ' المبسوط' بدایہ المجتہد وغیرہ۔ بس یہی ہمارا ماخذ معلومات ہے۔ برصغیر کے رائج عملی مزارعت و مساقات کے نظام کا نظری و مثالی اصولوں سے موازنہ نہیں کیا گیا جس وجہ سے ہمیں ماضی

کے رائج نظام کے بارے میں معلومات کے لیے تاریخ پر لکھی گئی کتب سے رجوع کرنا پڑتا ہے جو زیادہ تر سیاسی موضوعات کی تحت لکھی گئی ہیں۔

☆ دوسری دقت اس خطہ پر تحقیق سے یہ پیش آتی ہے کہ تقسیم برصغیر سے پہلے فتاویٰ اور کتب تقسیم برصغیر کے بعد دو خطوں میں بٹ گئی ہیں۔ زیادہ تر ہندوستان میں رہ گئیں۔ وہاں سے مواد منگوانا انتہائی دشوار کام ہے۔ جتنے بھی خطوط کتب منگوانے کے لیے کتب خانوں کو لکھے جائیں کسی ایک کا بھی جواب نہیں آتا۔ جبکہ دوسری طرف جتنا باقی مواد پاکستانی کتب خانوں میں ہے ان کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ قلمی نسخے کرم زدہ ہیں۔ ورق خشک پتوں کی طرح اور کٹے پھٹے جن سے حصول مواد انتہائی دشوار گزار امر ہے۔

☆ مغل دور کی واحد جامع فقہی تصنیف فتاویٰ عالمگیری ہے جو ۱۰۷۷ھ سے ۱۰۸۱ھ کے درمیان لکھا گیا۔ اس دور سے پہلے کا تمام مواد حنفی فتاویٰ پورے برصغیر میں بکھرا ہوا ہے۔ پاکستان میں جو کتب مغل دور سے پہلے کی ہیں ان میں اہم درج ذیل ہیں:

فتاویٰ غیاثیہ یہ کتاب غیاث الدین بلبن کے عہد ۶۶۴ھ / ۱۲۶۶ء میں لکھی گئی۔

فتاویٰ قراخانی جو جلال الدین فیروز خلجی کے عہد میں ۶۷۳ھ / ۱۲۹۰ء میں لکھا گیا۔

فتاویٰ تاتار خانیہ خاندان سادات کے عہد نویں صدی ہجری میں لکھا گیا۔

فتاویٰ حماویہ بھی خاندان سادات کے عہد میں ہی لکھا گیا۔

فتاویٰ بابری ظہیر الدین بابر کے دور ۹۰۹ھ - ۹۱۳ھ کے درمیان لکھا گیا۔

فتاویٰ ابراہیم شاہی بارہویں صدی ہجری میں لکھا گیا۔

☆ فتاویٰ عالمگیری کے بعد کی کتب میں سے عین الہدایہ جو کہ ہدایہ کی شرح ہے ایک قابل قدر اضافہ ہے۔ اس کے مصنف مولانا سید امیر علی ہیں۔

☆ مغلوں کے زوال کے بعد جتنے بھی فتاویٰ لکھے گئے وہ تمام ابواب فقہ کو احاطہ نہیں کرتے۔ جیسا کہ اکثریت نے کتاب المساقات و مزارعت کو شامل ہیں کیا۔

☆ البتہ جن فقہاء نے اس موضوع کو شامل کیا ہے وہ اسے جائز قرار دیتے ہیں' برصغیر پاک و ہند کے ان فقہاء نے عالم اسلام کے فقہاء ہی کی مانند انواع' ارکان' شرائط و احکام پر ان کے نظریات کی روشنی میں یہاں کے حالات و واقعات کو مدنظر رکھتے ہوئے مسائل کے حل بیان کیے ہیں۔ ان فتاویٰ و کتب میں سے اہم درج ذیل ہیں:

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی کتاب حجۃ اللہ البالغہ جو ۱۱۱۴ھ - ۱۱۷۶ھ کے دور میں لکھی گئی۔

محمد عبدالغفار لکھنوی کا فتاویٰ نور الہدایہ ترجمہ اردوی شرح وقایہ تیرھویں صدی ہجری میں لکھا گیا۔

مفتی محمد شفیع دیوبندی اور مفتی عزیز الرحمٰن کا فتاویٰ دار العلوم دیوبند / امداد المفتین کامل ۱۳۶۸ھ / ۱۹۴۸ء میں لکھا گیا۔

مولانا عبدالرشید بخاری اور مولانا عبدالحئی کا فتاویٰ خلاصہ الفتاویٰ مع مجموعہ الفتاویٰ ۱۳۰۴ھ میں لکھا گیا۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے اپنی کتاب زمیندار' مزارع اور اسلام میں جواز مزارعت کی حمایت کی ہے اور زمیندار اور مزارع دونوں کے حقوق متعین کیے ہیں۔

مولانا تقی امینی کی کتاب اسلام کا زرعی نظام میں مزارعت و مساقات کے باب میں جواز مزارعت' انواع' شرائط و احکام مزارعت کو وضاحت سے بیان کیا ہے۔

مولانا مجیب اللہ ندوی کی کتاب اسلامی فقہ میں بھی زراعت و مزارعت کو شامل کیا گیا ہے۔

مولانا امجد علی صاحب نے اپنی کتاب بہار شریعت میں مزارعت و مساقات پر سیر حاصل مواد فراہم کیا ہے۔

شہزاد اقبال شام صاحب نے اپنے مضمون مزارعت و مساقات میں اس معاشی معاہدہ کے جواز کی حمایت کی ہے اور رکن و شرائط مزارعت و

مساقات کا مختصراً" جائزہ بھی لیا ہے۔

☆ مولانا عبدالغفار حسن صاحب اور مولانا حیدر زمان خان صاحب نے اپنے اپنے مقالات مسئلہ مزارعت پر تحقیقی نظر میں قرآن و سنت' و آثار " کی روشنی میں جواز و عدم جواز کے دلائل پیش کیے ہیں اور جواز و عدم جواز میں سے کسی ایک کے حق میں رائے عوام الناس پر چھوڑ دی ہے۔

☆ مذکورہ بالا کتب فتاویٰ کے علاوہ دیگر بیشتر فتاویٰ میں مزارعت و مساقات کے ابواب شامل نہیں کیے گئے مثلاً" فتاویٰ قراخانی' المتانتہ مرمتہ الخزانتہ' غایتہ السعایہ فے حل مافی الہدایہ' کفایت المفتی' فتاویٰ عثمانی' فتاویٰ رشیدیہ' فتاویٰ عزیزی وغیرہ۔

☆ مولانا طہ سین صاحب نے مزارعت و مساقات کو امام ابو حنیفہ" کے موقف کی تائید کرتے ہوئے ناجائز قرار دیا ہے۔

☆ جبکہ خاکسار میر غلام قادر ہمدانی صاحب نے اپنی کتاب مسئلہ ملکیت زمین و مزارعت میں خود کاشتی کے علاوہ استشنائی حالات میں مزارعت و مساقات کو جائز قرار دیا ہے۔

یعنی ایسی زمین جو وراثت' بیع یا ہبہ کے بعد جسمانی معذور مرد یا عورت یا بچے کو ملے یا پھر کسی ایسے شخص کو جو حکومت کے کسی اہم منصب یا مشغلہ یا مشن میں مصروف ہو تو ایسی زمین مزارعت و مساقات کے لیے استعمال ہو سکتی ہے۔

حصّہ سوم

مأخذ و مصادر

مأخذ و مصادر

قرآن پاک

کتب احادیث

۱۔ امام ابی داوٗد سلیمان بن اشعث بجستانی' سنن ابی داوٗد: (مترجم: علامہ وحیدالزمان) ۲۰۲ھ ۔ ۲۷۵ھ نعمانی کتب خانہ لاہور۔

۲۔ ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب بن علی بن بحر النسائی' سنن نسائی (مترجم:علامہ وحیدالزمان) متوفی ۳۰۳ھ خراسانی۔ محمد سعید اینڈ سنز کراچی۔

۳۔ ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری' الجامع الصیح البخاری (مترجم:علامہ وحیدالزمان) ۱۹۴ھ ۔ ۲۵۶ھ۔ مکتبہ رحمانیہ لاہور۔

۴۔ ابوالحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری' الجامع الصحیح المسلم (مترجم: علامہ وحیدالزمان) ۲۰۳ھ ۔ ۲۶۱ھ۔ نعمانی کتب خانہ لاہور۔

۵۔ ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی' سنن الترمذی (مترجم: علامہ وحیدالزمان) ۲۰۹ھ ۔ ۲۷۹ھ۔ دارالفکر بیروت لبنان۔ نعمانی کتب خانہ لاہور۔

۶۔ ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ: سنن ابی ماجہ شریف' (مترجم: علامہ وحیدالزمان) ۲۰۹ھ ۔ ۲۷۳ھ۔ اسلامی اکادمی لاہور۔

۷۔ امام مالک بن انس: المؤطا: براویہ "یحییٰ بن کثیر اللیثی اندلس (۹۵ھ ۔ ۱۷۹ھ)۔ دارالفکر للطباعۃ والنشروالتوزیع۔ بیروت لبنان۔

۸۔ امام ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب' مشکوٰۃ شریف: (مترجم: مولانا عبدالعلیم علوی) متوفی ۷۴۳ھ۔ مکتبہ رحمانیہ لاہور۔

اردو کتب

۱۔ اورنگ زیب عالمگیر۔۔ (مرتب کنانیدہ)، فتاویٰ عالمگیری حنفی، عربی (مترجم۔ مولانا امیر علی سید) (اردو) حامد اینڈ کمپنی لاہور۔

۲۔ اکبر شاہ نجیب آبادی مولانا، آئینہ حقیقت نما۔ کراچی (۱۹۵۸ء)۔

۳۔ ابوالفضل، آئین اکبری۔ (مترجم مولوی محمد فدا علی) سنگ میل پبلی کیشنز چوک اردو بازار لاہور۔

۴۔ ابو عبیدالقاسم بن سلام، کتاب الاموال۔ (مترجم: عبدالرحمٰن طاہر سورتی) اسلام آباد ادارہ تحقیقات اسلامی (۱۹۸۶ء)۔

۵۔ ابو زہرہ محمد مصری، امام ابوحنیفہ عہد و حیات فقہ و آراء۔ (مترجم: رئیس احمد جعفری سید)۔ شیخ غلام علی لاہور (مارچ ۱۹۶۲ء)۔

۶۔ امیر علی سید مولانا، عین الہدایہ۔ قانونی کتب خانہ لاہور۔

۷۔ امجد علی مولانا، بہار شریعت۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور۔

۸۔ ارشد جمیل پروفیسر، قرآن کریم اور نباتیات و زراعت کی تدریس۔ انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز اسلام آباد۔

۹۔ اشرف تھانوی محمد مولانا و محمد شفیع مولانا، امداد الفتاویٰ۔ مکتبہ دارالعلوم کراچی (۱۹۷۵ء)۔

۱۰۔ احمد الدین منشی، جلال الدین اکبر۔ دارالمصنفین اعظم گڑھ (۱۹۶۳ء)۔

۱۱۔ ابن خلدون عبدالرحمٰن بن محمد، مقدمہ ابن خلدون۔ (مترجم: مولانا راغب رحمانی)۔ نفیس اکیڈمی کراچی۔

۱۲۔ احمد امین علامہ مصری، فجرالاسلام۔۔ ظہرالاسلام، ضحی الاسلام (عربی)۔ (مترجم: عمر احمد عثمانی)۔ ادارہ طلوع اسلام لاہور (۱۹۶۷ء)۔

۱۳۔ ابن الندیم محمد بن اسحاق ندیم بغدادی، الفہرست۔ (مترجم: مولانا محمد اسحاق بھٹی) ادارہ ثقافت

اسلامیہ کلب روڈ لاہور (جون ۱۹۶۹ء)۔

۱۴۔ ابن حجر مکی، الخیرات الحسان فی مناقب النعمان۔ (مترجم: سید شجاعت علی قادری)۔ مدینہ پبلشنگ کمپنی روڈ کراچی۔

۱۵۔ احمد حسن زیادت، تاریخ ادب عربی۔ (مترجم: عبدالرحمٰن طاہر سورتی)۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور (۱۹۶۱ء)۔

۱۶۔ اعجاز حسین سید ڈاکٹر، تاریخ شاہجہان۔ پروگریسو بکس لاہور۔

۱۷۔ ابو یوسف امام، کتاب الخراج (اسلام کا نظام محاصل)۔ (مترجم: نجات اللہ صدیقی)۔ مطبوعہ کراچی مکتبہ چراغ راہ (۱۹۶۶ء)۔

۱۸۔ اڈورڈ تھامس، ذرائع محاصل سلطنت مغلیہ ہند۔ (مترجم: محمد عبدالستار)۔ جامعہ عثمانیہ سرکار عالی حیدر آباد دکن (۱۹۴۵ء)۔

۱۹۔ الحسینی محمد زاہد قاضی، خلاصہ فقہ اسلامی۔ دارالارشاد کیمبل پور (۱۹۶۳ء)۔

۲۰۔ القرضاوی علامہ یوسف، فقہ الزکوۃ۔ (مترجم شمس پیرزادہ)۔ شہزاد پبلشرز لاہور (۱۹۸۰ء)۔

۲۱۔ بجنوری عزیزالرحمٰن مولانا، امام اعظم ابو حنیفہ۔ مدینہ پریس بجنور (۱۹۶۴ء)۔

۲۲۔ بشیراحمد صدیقی پروفیسر ڈاکٹر، فقہ حنفی کا اجمالی تعارف۔ ادارہ علوم اسلامیہ شیخ زاید اسلامک سنٹر پنجاب یونیورسٹی لاہور (۱۹۹۷ء)۔

۲۳۔ بشیراحمد صدیقی پروفیسر ڈاکٹر، حضرت امام ابوحنیفہ اور ان کے اجتہاد کا طریق کار۔ ادارہ علوم اسلامیہ شیخ زاید اسلامک سنٹر پنجاب یونیورسٹی لاہور (۱۹۹۷ء)۔

۲۴۔ بلاذری امام احمد بن یحییٰ، فتوح البلدان۔ (مترجم: مولوی سید ابوالخیر مودودی)

i۔ بیروت المطبع الادبیہ (۱۹۷۱ء)۔

ii۔ نفیس اکیڈمی بلادس اسٹریٹ کراچی۔

۲۵۔ بھٹی محمد اسحاق مولانا، فقہائے پاک و ہند۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور (۱۹۷۳ء)۔

۲۶۔ بھٹی محمد اسحاق مولانا، برصغیر پاک و ہند میں علم فقہ۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور (۱۹۷۳ء)۔

۲۷۔ بابر ظہیرالدین شہنشاہ، تزک بابری۔ (مترجم: رشید اختر ندوی) سنگ میل پبلی کیشنز لاہور۔

۲۸۔ پرمتھ ناتھ بینرجی، معاشیات ہند۔ (مترجم: محمد الیاس برنی)۔ جامعہ عثمانیہ سرکار عالی حیدر آباد دکن (۱۹۲۴ء)۔

۲۹۔ تقی امینی مولانا، اسلام کا زرعی نظام۔ مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری (۱۹۸۷ء)۔

۳۰۔ جہانگیر نورالدین شہنشاہ، تزک جہانگیری۔ (مترجم: مولوی احمد علی رام پوری) سنگ میل پبلی کیشنز لاہور (۱۹۷۷ء)۔

۳۱۔ جی۔ بی۔ جتھار، معاشیات ہند۔ (مترجم: مولوی رشید احمد)۔ جامعہ عثمانیہ سرکاری عالی حیدر آباد دکن (۱۹۴۰ء)۔

۳۲۔ حیدر زمان خان مولانا صدیقی، مسئلہ مزارعت پر تحقیقی نظر۔ ادارہ ترجمان القرآن لاہور۔

۳۳۔ حفظ الرحمٰن سیوہاروی مولانا، اسلام کا اقتصادی نظام۔ ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور۔

۳۴۔ رامیش دت سی۔ آئی۔ ای، معاشی تاریخ ہند۔ (۱۹۳۶ء)، (مترجم: محمد نصیرالدین)۔ جامعہ عثمانیہ سرکار عالی حیدر آباد دکن۔

۳۵۔ رشید احمد گنگوہی مولانا، فتاویٰ رشیدیہ کامل مبوب۔ محمد سعید اینڈ سنز تاجران کتب قرآن محل کراچی۔

۳۶۔ رئیس احمد جعفری، سیرت ائمہ اربعہ۔ شیخ غلام علی کراچی (۱۹۵۵ء)۔

۳۷۔ رحیم بخش مرحوم، حیات ولی یعنی (شاہ ولی اللہ)۔ لاہور مکتبہ السلفیہ (۱۹۵۵ء)۔

۳۸۔ رئیس احمد جعفری، آثار امام محمد و امام ابو یوسف۔ تاج کمپنی لاہور (۱۹۵۲ء)۔

۳۹۔ سنبھلی محمد اسمٰعیل مولانا، تقلید ائمہ اور مقام ابو حنیفہ۔ ادارہ اسلامیات لاہور۔

۴۰۔ سردار محمد اقبال خان متوکل، شرح قانون معاملہ زمین و قواعد معاملہ زمین۔ پی۔ ایل۔ ڈی

پبلشرز نابعہ روڈ لاہور (۱۹۹۱ء)۔

۴۱۔ شیروانی حبیب الرحمٰن خان مولانا' امام ابوحنیفہ اور ان کے ناقدین۔ نور محمد کارخانہ تجارت کراچی۔

۴۲۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی' حجۃ اللہ البالغہ فارسی۔ (مترجم: مولانا عبدالرحیم) قومی کتب خانہ لاہور۔

۴۳۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی' عقدالجید۔ (مترجم: ساجدالرحمٰن صدیقی کاندھوی)۔ قرآن محل۔ کراچی (۱۳۷۹ھ)۔

۴۴۔ شبلی نعمانی' سیرت النعمان۔

i قومی پریس دہلی۔

ii مطبوعہ ثناء اللہ لاہور (۱۹۰۴ء)۔

۴۵۔ شہزاد اقبال شام' مزارعت اور مساقات۔ شریعہ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد (۱۹۹۳ء)۔

۴۶۔ شہزاد اقبال شام' اسلام کا نظام محاصل۔ شریعہ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد (۱۹۹۳ء)۔

۴۷۔ شہاب رفیع اللہ پروفیسر' فقہ حنفی کی تدوین۔ ادارہ فکر و نظر (۱۹۶۷ء)۔

۴۸۔ صدیقی محمد طیب مولانا' سیرۃ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ۔ کراچی (۱۹۴۹ء)۔

۴۹۔ صبحی محمصانی ڈاکٹر' فلسفہ شریعت اسلام '(مترجم: مولوی محمد احمد رضوی) مجلس ترقی ادب لاہور (۱۹۸۱ء)۔

۵۰۔ ضیاء الدین برنی' تاریخ فیروز شاہی۔ مرکزی اردو بورڈ لاہور (۱۹۶۹ء)۔

۵۱۔ طاسین محمد مولانا' اسلام کا نظام زمینداری (مزارعت و اراضی)۔ مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور۔

۵۲۔ طاسین محمد مولانا، مروجہ نظام زمینداری اور اسلام، مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور۔

۵۳۔ عبدالسلام ندوی مولانا، تاریخ فقہ اسلامی۔ شیخ محمد بشیر اینڈ سنز اردو بازار لاہور (۱۳۴۶ھ)۔

۵۴۔ عبدالرحمٰن الجزیری، کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعہ۔ (مترجم: منظور احسن عباسی)۔ علماء اکیڈمی شعبہ مطبوعات محکمہ اوقاف پنجاب لاہور (۱۹۷۷ء)۔

۵۵۔ عباسی سید علی احمد حکیم، سیرۃ امام اعظم ابوحنیفہ۔ مکتبہ محمود کراچی (۱۹۷۰ء)۔

۵۶۔ علی محمد ورامدتہ مولوی، سیرۃ امام اعظم۔نول کشور پرنٹنگ ورکس لاہور (۱۹۰۵ء)۔

۵۷۔ عزیزالرحمٰن مفتی، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند/ عزیزالفتاویٰ۔دارالاشاعت کراچی۔

۵۸۔ عرفان حبیب، مغل ہندوستان کا طریق زراعت۔ نگارشات پریس لاہور۔

۵۹۔ عبدالغفار حسن مولانا، مزارعت پر تحقیقی نظر۔ادارہ ترجمان القرآن لاہور۔

۶۰۔ عبدالحیٔ لکھنوی، اسلامی علوم و فنون ہندوستان میں۔(مترجم: ابوالعرفان ندوی)۔ دارالمصنفین اعظم گڑھ (۱۹۶۹ء)۔

۶۱۔ غلام قادر ہمدانی خاکسار میر، مسئلہ ملکیت زمین و مزارعت۔ناظر پریس آئی آئی چندریگر روڈ (۱۳۹۹ھ)۔

۶۲۔ فقیر محمد جہلمی، حدائق الحنفیہ۔مکتبہ حسن سہیل لاہور۔

۶۳۔ فاروقی شاہ ابوالحسن زید دہلوی، سوانح بے بہائے امام اعظم ابوحنیفہ۔ دارالمبلغین شیخوپورہ۔

۶۴۔ فرید آبادی سید ہاشمی، تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت۔انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی۔

۶۵۔ فرشتہ محمد قاسم، تاریخ فرشتہ۔(مترجم: عبدالحیٔ خواجہ)۔ (۹۲۰ھ/۱۵۵۲ء)۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز کراچی۔

۶۶۔ محب اللہ ندوی، فتاویٰ عالمگیری کے مؤلفین۔ دیال سنگھ لائبریری پریس لاہور۔

۶۷۔ مظہرالحق انصاری مولانا، فتاویٰ عثمانی۔ قانونی کتب خانہ (۱۹۷۸ء)۔

۶۸۔ مناظراحسن گیلانی، امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی۔ i۔ علماء اکیڈمی، محکمہ اوقاف حکومت پنجاب

لاہور۔

ii۔ شیخ شوکت علی کراچی (۱۹۶۲ء)۔

۶۹۔ محمد حنیف گنگوہی مولانا' غایہ السعایہ فی حل مافی الہدایہ (شرح اردو ھدایہ)۔المکتبۃ الاشرفیہ۔ جامعہ اشرفیہ فیروزپور روڈ لاہور۔

۷۰۔ محمد کفایت اللہ مفتی' کفایت المفتی دیوبندی فتاویٰ۔ (۱۳۸۹ھ - ۱۹۶۹ء) (مترجم: حفیظ الرحمٰن واصف) سکندر علی تاجران کتب کراچی۔

۷۱۔ محمد اکرام شیخ' رود کوثر۔ آب کوثر۔ موج کوثر۔ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور۔

۷۲۔ محمد عبدالغفار لکھنوی' فتاویٰ نورالہدایہ (شرح وقایہ)۔ایچ۔ ایم سعید کمپنی ادب منزل پاکستانی چوک کراچی۔

۷۳۔ محمد شفیع مفتی مولانا' اسلام کا نظام اراضی مع فتوح السند۔ ادارۃ المعارف کراچی (۱۳۶۷ھ)۔

۷۳۔ محمد شفیع مفتی مولانا' فتاویٰ دارالعلوم دیوبند/ امداد المفتین کامل مبوب۔ ادارہ اسلامیات لاہور (۱۹۴۸ء)۔

۷۴۔ مورلینڈ ڈبلیو۔ ایچ' مسلم ہندوستان کا زراعتی نظام۔ (مترجم: جمال محمد صدیقی)۔ دارالطبع جامعہ عثمانیہ سرکار عالی حیدر آباد دکن (۱۹۲۳ء)۔

۷۵۔ مورلینڈ' ڈبلیو۔ ایچ' مقدمہ معاشیات۔ (مترجم: محمد الیاس برنی)۔ دارالطبع جامعہ عثمانیہ سرکار عالی حیدر آباد دکن (۱۹۲۳ء)۔

۷۶۔ مودودی ابوالاعلیٰ مولانا' مسئلہ ملکیت زمین۔ اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ لاہور (۱۹۸۷ء)۔

۷۷۔ مودودی ابوالاعلیٰ مولانا' قرآن کی معاشی تعلیمات۔ اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ لاہور (۱۹۸۵ء)۔

۷۸۔ مودودی ابوالاعلیٰ مولانا' اسلام اور جدید معاشی نظریات۔اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ لاہور (۱۹۹۰ء)۔

۷۹۔ مودودی ابوالاعلیٰ مولانا' اسلام سرمایہ داری اور اشتراکیت۔ اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ لاہور

(۱۹۷۵ء)۔

۸۰۔ مودودی ابوالاعلی مولانا، زمیندار، مزارع اور اسلام۔ اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ لاہور (۱۹۸۰ء)۔

۸۱۔ مودودی ابوالاعلی مولانا، معاشیات اسلام۔ اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ لاہور (۱۹۸۵ء)۔

۸۲۔ محمد علی چراغ، تاریخ پاکستان۔ سنگ میل پبلی کیشنز لاہور۔

۸۳۔ محمد انورا لکشمیری دیوبندی، فیض الباری علی صحیح البخاری متوفی (۱۳۵۲ھ) مع حاشیہ محمد بدر عالم۔ مطبع حجازی بالقاہرہ (۱۳۵۷ھ - ۱۹۳۸ء)۔

۸۴۔ مجیب اللہ ندوی، مولانا، اسلامی فقہ (زراعت مزارعت)۔ ادارہ اسلامیات لاہور (۱۹۶۰ء)۔

۸۵۔ نجات اللہ صدیقی ڈاکٹر، امام ابویوسف کا معاشی فکر۔ اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ لاہور۔

عربی کتب۔

۱۔ النسفیؒ عبداللہ بن احمد بن محمود، کنزالدقائق۔ المکتبۃ العربیہ۔ دستگیر کالونی کراچی۔

۲۔ المرغینانی برہان الدین، الھدایہ۔ الکبریٰ امیریۃ، بولاق مصر (۱۳۱۷ھ)۔

۳۔ الشیبانی محمدؒ بن حسن، کتاب الآثار للامام ابی حنیفہ روایہ محمد بن حسن۔ ادارہ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی (۱۹۸۷ء)۔

۴۔ الکاسانی ابوبکر علاؤ الدین، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع۔ (مترجم: محمد چاولہ ۔ ڈاکٹر عبدالواحد و مولانا ظفراللہ شفیق)۔ مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور (۱۹۹۳ء)۔

۵۔ القدوری محمد بن جعفر، المختصر القدوری۔ میر محمد کتب خانہ کراچی۔

۶۔ السرخیؒ امام محمد بن احمد، المبسوط۔ دارالمعرفۃ بیروت (۱۹۷۸ء)۔

۷۔ القرشی یحیٰ بن آدم، کتاب الخراج۔ (۵۵۷ھ) قلمی نسخہ۔

۸۔ الخطیب داؤد بن یوسف، فتاویٰ الغیاثیہ قلمی۔ عربی۔ حنفی۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری شیرانی کلیکشن۔

۹۔ ابن حزم امام ابن تیمہ ابن القیم، المحلی۔ (۴۵۶ھ)۔ ادارہ کویت (۱۹۴۹ء)۔

۱۰۔ ابن عابدین شامیؒ، ردّ المحتار علی الدرّ المختار۔ سہیل اکیڈمی لاہور (۱۹۸۰ء)۔

۱۱۔ ابوالفرجؒ علامہ، کتاب الخراج۔ (۱۹۲۰ء) قلمی نسخہ۔

۱۲۔ ابو یوسف محمد بن یعقوب امام، اختلاف ابی حنیفہ و ابن ابی لیلی۔ مطبعہ الوفاء (۱۳۵۷ھ)۔

۱۳۔ ابن رشد ابوالولید محمد ابن احمد، بدایۃ المجتہد۔ القاہرہ بدون تاریخ۔

۱۴۔ ابن ہمام۔ متوفی (۲۱۱ھ) ابی بکر عبدالرزاق الصّنعانی المصنف عبدالرزاق، مجلس علمی۔ بیروت۔

۱۵۔ امام راغب اصفہانی، المفردات الفاظ القرآن فی غریب القرآن۔ نور محمد کارخانہ کتب کراچی۔

۱۶۔ ابن اثیر الجزیری، الکامل فی التاریخ۔ ادارہ الطبعۃ۔ مصر (۱۳۴۸ھ)۔

۱۷۔ ابو یوسف، کتاب الخراج۔ مطبوعہ کراچی۔

۱۸۔ ابی بکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ العبسی، متوفی (۲۳۵ھ)۔المصنف لابن ابی شیبہ۔ ادارہ القرآن و العلوم الاسلامیہ کراچی پاکستان۔

۱۹۔ الخطیب البغدادی ابی بکراحمد بن علی، تاریخ بغداد۔دارالکتاب العربی۔ بیروت۔ لبنان۔

۲۰۔ القرطبی، ابی عبداللہ محمد بن احمد الانصاری علامہ، تفسیر الجامع لاحکام القرآن۔ دارالکاتب العربی للطباعۃ والنشر قاہرہ۔ (۱۳۸۷ھ۔۱۹۶۷ء)۔

۲۱۔ ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی، متوفی (۸۵۲ھ) لسان المیزان۔ متوفی (۸۵۲ھ)۔ دارالفکر۔ بیروت (۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸ء)۔

۲۲۔ ابن حجر عسقلانی احمد بن علی، تہذیب التہذیب۔ حیدر آباد۔ (۱۳۲۵ھ)۔

۲۳۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری شرح صحیح البخاری (۱۳۱۹ھ)۔ احیاء الثرات العربی بیروت۔ لبنان۔

۲۴۔ الریس محمد ضیاء الدین، الخراج فی الدولہ الاسلامیہ الخراج والنظم المالیہ۔ مکتبہ الانجلو مصر قاہرہ (۱۹۵۷ء)۔

۲۵۔ الکردری ابن بزاز حافظ الدین محمد بن شہاب، فتاویٰ البزازیہ مناقب امام الاعظم ابو حنیفہ۔ مطبوعہ حیدر آباد دکن۔

۲۶۔ اورنگ زیب عالمگیر (مرتب کنایندہ)، فتاویٰ عالمگیری۔ مکتبہ آفتاب ہدایت ابوالمعالی دیوبند یو۔پی۔

۲۷۔ ابن کثیر علامہ، البدایہ والنہایہ۔ قاہرہ مصر (۱۹۳۶ء)۔

۲۸۔ بوبکانی محمد جعفر علامہ مخدوم، المتانہ مرمہ الخزانہ قلمی عربی حنفی۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری شیرانی کلیکشن۔

۲۹۔ حصکفیؒ علاء الدین محمد بن علی، الدّر المختار شرح تنویر الابصار۔ مکتبہ مجتبی دہلی (۱۹۱۴ء)۔

۳۰۔ رکن بن حسام الناگوری الشیخ ابوالفتح، فتاویٰ حمادیہ عربی قلمی حنفی۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری

شیرانی کلیکشن۔

۳۱۔ طحاوی ابی جعفر احمد بن محمد امام، شرح معانی الآثار للطحاوی۔ ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد۔

۳۲۔ طحطاوی، احمد بن محمد بن اسماعیل، حاشیہ الطحطاوی علی الدّر المختار۔ (مترجم: مولوی خرم علی۔ مولانا محمد احسن صدیقی نانونوی)۔

i-دار المعرفۃ للطباعۃ و النشر بیروت۔ لبنان۔

ii-قانونی کتب خانہ لاہور۔

۳۳۔ طحاوی ابی جعفر احمد بن محمد امام، کتاب الشروط الکبیر۔ بغداد بدون تاریخ۔

۳۴۔ عبد الرحمٰن الجزیری، کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعہ۔ قاہرہ۔ مصر۔

۳۵۔ عبد التوّاب محدث ملتانی، بلوغ المرام من ادلّۃ الاحکام۔ نشر السنۃ۔ ملتان۔

۳۶۔ عبد الرشید بخاری مولانا و عبد الحیٔ مولانا، خلاصہ الفتاویٰ مع مجموعہ الفتاویٰ۔ (۱۳۰۴ھ)۔ امجد اکیڈمی لاہور۔

۳۷۔ فخر الدین حسن بن منصور، الازجندی، فتاویٰ قاضی خان۔ کوئٹہ بلوچستان بک ڈپو (۱۹۸۵ء)۔

فارسی کتب۔

۱۔ احمد بن حمید الملقب بنظام گیلانی، فتاویٰ ابراہیم شاہی فارسی، حنفی، قلمی۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری۔

۲۔ شرف محمد عطائی، فوائد فیروز شاہی، قلمی، فارسی، فتاویٰ، حنفی۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری شیرانی کلیکشن۔

۳۔ عبدالعزیز محدث دہلوی، فتاویٰ عزیزیہ مبوّب۔ ایچ ایم سعید کمپنی ادب منزل پاکستان چوک کراچی۔

۳۔ محمد امین بن عبداللہ، فتاویٰ امینیہ فارسی، حنفی، قلمی۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری شیرانی کلیکشن۔

۴۔ یعقوب مظفر قرآخانی، فتاویٰ قراخانی قلمی، فارسی، حنفی۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری شیرانی کلیکشن۔

رسائل و دیگر کتب۔

۱۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، شعبہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی لاہور۔

۲۔ رسالہ فکر و نظر۔

۳۔ رسالہ ترجمان القرآن۔

ENGLISH BOOKS

1. Abdul Raheem: Mohammadan Jurisprudence, Indus Publishers, Lahore.
2. Aziz Al-Azmeh: Islamic Law, Social and Historical contexts, Roultedge, 1988.
3. I.H. Qureshi: The Administration of the Mughal Empire, University of Karachi, 1966.
4. I.H. Qureshi: The Administration of the Sultanate of Delhi, Sh. M. Ashraf, Lahore, 1942.
5. Jamil Ahmad Khawaja, Hundred Great Muslims, Ferozsons (Pvt) Ltd., Lahore.
6. J.Schacht, The Origins of Muhammadan Jurisprudence, Oxford, 1950.
7. Kemal A. Faruki: Islamic Jurisprudence, P P House, Karachi, 1962.
8. Muhammad Shafi Mufti, Distribution of Wealth in Islam, Al-Kazimi Press Karachi.
9. M.Yousuf Guraya: Origins of Islamic Jurisprudence, Lahore, 1985.
10. Norman Calder: Studies in Early Muslim Jurisprudence, Oxford, 1993.
11. N.B.E. Baillie, Mohammad Laws on Land Tax from the Futawa Alumgeeree: Aziz publishers, Lahore 1979.
12. R.R.Sethi, Mughal Rule in India, Delhi, 1957.
13. Zia-ul-Haq Dr., Landlord and peasant in early Islam, International Research Institute Islamabad, 1977.

رُموز و اشارات

رموز و اشارات

صاحبینؒ سے مراد امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ ہیں۔
طرفینؒ سے مراد امام محمدؒ اور امام ابو حنیفہؒ ہیں۔
شیخینؒ سے مراد امام ابو یوسف اور امام ابو حنیفہؒ ہیں۔
امامؒ یعنی مطلق لکھے لفظ امام سے مراد امام ابو حنیفہؒ ہوتا ہے۔
ائمہ اربعہؒ سے مراد امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام حنبلؒ۔

☆ فتاویٰ شرح وقایہ کے رموز و اشارات

ص--- شرح وقایہ کی اصل عبارت کے لیے آیا ہے۔
ف--- زیادات کے لیے ہے۔ اور تشریح بطریق فوائد اس سے مراد ہے۔

☆ فتاویٰ عین الہدایہ کے رموز و اشارات

ف--- فتح القدیر۔
مف--- ملخص فتح قدیر۔
ع--- عینی
مع--- ملخص عینی۔
مفع--- ملخص عینی و فتح القدیر۔
ھ--- فتاویٰ ہندیہ یعنی عالمگیریہ۔
ش--- شامی علی الدر المختار۔ یعنی امام ابن عابدین شامی۔
و-- در مختار۔
ت--- تنویر الابصار۔
چ--- چلپی۔
الصدر--- شارح وقایہ۔
القاضی خان--- فتاویٰ قاضی خان۔
ق--- فتاویٰ قاضی خان۔
م--- مترجم۔
م ع--- مترجم و عینی۔
م ف--- مترجم والفتح۔
الفتح--- فتح القدیر۔ ابن الہمام مصنف فتح القدیر۔
ن--- نصب الرایہ۔

تشریح اللّغة واصطلاحات

تشریح اللغۃ و اصطلاحات

ایکڑ	ایک ایکڑ میں ۸ کنال ہوتے ہیں ایک کنال میں ۲۰ مرلے ہوتے ہیں۔
اعذار	جمع عذر۔
اخضر	ہری کھجور۔
بقر	بیل۔
بسر	کچی کھجور۔
بذر	بیج۔
باذنجان	بینگن۔
بیگھہ	چار کنال کا ایک بیگھہ ہوتا ہے۔
تذریہ	غلہ صاف کرنا۔
ثمرہ	پھل۔
حصص	جمع حصہ۔
خارج	پیداوار۔
خیار	انتخاب۔ اختیار۔
دیاس	کھیتی کا اناج گاہنا۔
رطاب	جمع رطبہ تر پیداوار۔
رفاع	کھیتی اٹھا کر کھلیان کی طرف لے جانا۔
سواقی	جمع ساقیہ۔ نہر صغیر۔
قفزان	جمع قفیز۔ آٹھ مک کا ایک پیمانہ۔
کرم	انگور۔
لم یدرک	کھیتی نہ پکی ہو۔
یستحصد	حصاد سے ہے کھیتی کاٹنا۔
مزارع	کسان۔
مشاع	مشترک غیر مقسوم۔
ماذیانات	جمع ماذیان۔ نہر کبیر۔
مساقات	سقی سے ہے۔ سینچنا باغات وغیرہ کو۔
مزارعت	کھیتی بٹائی پر دینا۔
نخل	کھجور کا درخت۔

نفقہ	صرف یا خرچہ۔
نواۃ	گٹھلی۔
وسق	ایک پیمانہ۔ ایک وسق میں ساٹھ صاع ہوتے ہیں۔ اور ایک صاع میں چار مد اور ایک مد دو مٹھیوں کے برابر۔
بارانی زمین	ایسی زمین جو صرف بارش کے پانی سے سیراب ہو۔ اس پر صرف مالیہ لگتا ہے۔
خراج مقاسمہ	یہ خراج کی وہ صورت ہے جس میں پیداوار کا نصف یا ثلث حصہ ادا کرنا پڑے۔
خراج وظیفہ	یعنی پیداوار کی متعین مقدار جو بطور خراج ادا کی جائے۔
عشر	پیداوار میں سے دسواں حصہ بطور فرض عبادت لینا یہ بیت المال کی آمدنی کی ایک مد ہے۔
کراء الارض	حکومت کی جن زمینوں کو سالانہ اجرت (لگان) مقرر کر کے کاشت کے لیے دیا جاتا ہے ان سے وصول شدہ محاصل کا نام کراء الارض ہے۔ یہ بیت المال کی آمدنی کی ایک مد ہے۔
مزارعہ یا مخابرہ	زمین کو بٹائی پر دینا ان دونوں میں فرق صرف اتنا ہے کہ مزارعت میں بیج مالک زمین دیتا ہے اور مخابرہ میں بیج کاشتکار کے ذمہ ہوتے ہیں۔ بعض اوقات دونوں ہم معنی بھی استعمال ہوتے ہیں۔
مساقاۃ	باغ کو سیرابی کے لیے نصف یا ثلث وغیرہ پر کسی کو دینا مساقاۃ ہے۔
محاقلہ	یہ لفظ روایات میں تین معانی میں مستعمل ہوا ہے۔ (i) کھیتی کو پکنے سے پہلے فروخت کر دینا۔ (ii) زمین کو بٹائی پر دینا۔ (iii) زمین کو کرایہ 'اجرت اور ٹھیکے پر دینا۔
مؤاجرہ	کسی شے کو اجرت پر دینا یہ لفظ کراء الارض کے ہم معنی ہے۔
نہری زمین	ایسی زمین مصنوعی طریقے نہر۔ دریا وغیرہ سے سیراب کی جاتی ہے۔ اس پر مالیہ اور آبیانہ دونوں لگتے ہیں۔

○☆○

تمّت بالخیر